کوریا میں جنگ کو طول کیوں دیا جا رہا ہے؟

شائع کردہ
نمائندہ تاس مقیم ہند
نئی دہلی ۱۹۵۳ء

کوریا میں جنگ کو طول کیوں دیا جارہا ہے

شائع کردہ
نمائندہ تاس مقیمِ ہند
نئی دہلی۔ سنہ ۱۹۵۳ء

قیمت پانچ آنے

(مطبوعہ:۔ اشوک پریس، دہلی)

فہرست



اے ۔ وائی ۔ وشنسکی

یو این او جنرل اسمبلی کی سیاسی کمیٹی کی میٹنگ

مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں

کوریائی مسئلہ پر اے، وائی، وشنسکی کی تقریر

یہاں کوریا کے اتحاد و آبادکاری کمیشن کی رپورٹ کے متعلق جو مسئلہ زیر بحث ہے وہ پورے کوریا کے مسئلہ پر بحث کا سوال بن جاتا ہے۔ وہ کوریائی عوام پر مسلط کی ہوئی جنگ، اس کے خاتمے کے امکانات، صلح اور امن کا سوال بن جاتا ہے۔

تمام امن پسند جنتا، تمام ترقی پسند انسانیت چاہتی ہے کہ کوریا میں جنگ ختم ہو اور صلح ہو جائے۔ بہت سے ملکوں میں جنتا کی زبردست امن تحریک کوریا میں جنگ ختم کرنے اور پر امن طریقے پر کوریائی مسئلہ حل کرانے کی جد و جہد کے ساتھ براہ راست جڑی ہوئی ہے۔

لاکھوں کروڑوں عوام نے جنگ کی مخالفت اور امن کے بچاؤ میں آواز اٹھائی ہے ان کے اس پیہم مطالبہ کے جواب میں پولستانی (پولینڈ) عوامی جمہوریہ کے وفد نے جنرل اسمبلی کا موجودہ اجلاس شروع ہوتے ہی اپنی تجویزیں پیش کر دیں۔ جن میں کوریا کا سوال پہلے نمبر پر تھا۔ پولستانی وفد نے سوویت یونین اور کچھ دوسرے ملکوں کی حمایت میں اس بات پر زور دیا کہ یہ تجویزیں (جن میں کوریا سے متعلق تجویز بھی شامل ہے) ایجنڈے میں سب سے پہلے رکھ دی جائیں اور پہلی کمیٹی میں غور کرنے کے لئے انہیں پہلی لائن میں رکھا جائے۔

اس تجویز کو کچھ ڈیلی گیٹوں (خصوصاً امریکہ کی سرکردگی میں شمالی اطلانتک بلاک کے ملکوں) کی طرف سے قطعی بے بنیاد اعتراضات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اور آخر میں یہ تجویز مسترد کر دی

گئی۔ اور "کوریا کے اتحاد و آبادکاری کمیشن کی رپورٹ" (جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں) کا مسئلہ ایجنڈے پر سب سے پہلے رکھ دیا گیا۔ حالانکہ شروع ہی سے یہ بات صاف تھی کہ اس سوال پر کوریا کے مجموعی مسئلہ یعنی کوریا میں جنگ اور امن کے مسئلہ سے الگ کر کے نہیں سوچا جا سکتا۔

۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کو پہلی کمیٹی نے امریکہ کے اسٹیٹ سیکریٹری کی تقریر سُنی جس میں تقریباً تین گھنٹے لگ گئے۔ مگر "کوریا کے اتحاد و آبادکاری کمیشن" کی رپورٹ کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا (حالانکہ ایجنڈے کے مطابق تو یہی امید کی جاسکتی ہے کہ رپورٹ کے متعلق کہا جائے گا) اس تقریر میں پوری توجہ کوریائی مسئلہ کی ابتدار سے لیکر آج تک کی تاریخ پر صرف کر دی گئی تھی۔

پہلی کمیٹی میں تقریر کرتے وقت مسٹر ایچی سن نے اپنے سامنے یہ کام رکھا کہ پورے کوریائی مسئلے، اس کے ارتقاء اور پچھلے چند سال کے کوریائی واقعات میں انجمن اقوام متحدہ کے رویّے کو موٹے طور سے پرکھیں۔ مسٹر ایچی سن نے اپنے سامنے ایک بڑا اور ذمہ داری کا کام رکھ لیا تھا جسے پورا تبھی کیا جا سکتا تھا جبکہ کچھ شرطیں پوری کر لی جاتیں۔ لیکن انھوں نے ان شرطوں کو نظر انداز کرنا ہی زیادہ بہتر سمجھا۔ ان شرطوں کا مطلب یہ ہے کہ واقعات، جو کہ تاریخی حقائق کہے جا سکتے ہیں جنھیں من مانے ڈھنگ سے اُلٹا پلٹا نہیں جا سکتا خصوصاً جھٹلایا نہیں جا سکتا ان کے پیش کرنے میں ضروری حقیقت پسندی سے کام لیا جاتا۔

مسٹر ایچی سن نے دوسرا ہی راستہ اختیار کیا۔ انھوں نے واقعات غلط رنگ میں پیش کئے۔ بھونڈی غلطیوں کو راہ دی اور انہیں توڑ مروڑ کرتے ہوئے گھن نہیں آئی۔ آیئے اب ان واقعات کی طرف آئیں۔

مسٹر ایچی سن نے اپنا بیان دسمبر ۱۹۴۳ء میں ہونے والی امریکہ، برطانیہ اور چین کے نمائندوں کی قاہرہ کانفرنس سے شروع کیا۔ جس میں کوریا کے متعلق ایک اعلان نامہ منظور ہوا تھا اور جس میں بعد کو سوویت یونین نے بھی شرکت کر لی تھی۔ انھوں نے سوویت یونین، امریکہ اور برطانیہ کے وزرائے خارجہ کی ماسکو کانفرنس کی یاد دلائی جو کہ ۱۶ر دسمبر ۱۹۴۵ء سے ۲۶ر دسمبر تک ہوئی تھی۔ جس میں کوریا کے متعلق ایک سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ اس کانفرنس میں عارضی کوریائی جمہوری حکومت قائم کرنے کی آسانیاں بہم پہنچانے کے متعلق ایک اہم فیصلہ لیا گیا تھا۔ اور اس مقصد سے ایک مشترکہ کمیشن مقرر کیا گیا جس میں جنوبی کوریا کی امریکی فوجوں، شمالی کوریا میں سوویت فوجوں کی کمان کے نمائندے شامل تھے۔ اس کمیشن کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ کوریائی عوام کی سیاسی

اقتصادی اور سماجی ترقی کو آگے بڑھانے (مندوبیت) جمہوری سوراج کو ترقی دینے اور کوریا کی ریاستی خود مختاری قائم کرنے کے لئے تجویزیں مرتب کرے۔ مشترکہ کمیشن کو یہ کام عارضی کوریا کی جمہوری حکومت کی شمولیت سے اور کوریائی جمہوری تنظیموں کو کھینچتے ہوئے اور ان سے مشورہ لیکر پورے کرنے تھے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ مسٹر ایچی سن نے یہاں پہلی کمیٹی میں کمیشن کی سرگرمیوں سے متعلق واقعات اور ماسکو کانفرنس کے کام کو توڑنے مروڑنے کی جی توڑ کوشش کی۔

مسٹر ایچی سن نے ایسے اہم سوالات مثلاً کوریائی عوام کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی ترقی اور کوریا میں جمہوری سوراج کو آگے بڑھانے کے متعلق ایک نقطہ بھی نہیں کہا۔ لیکن انھوں نے واقعات کو اس رنگ میں پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ گویا امریکہ نے کوریا میں انتظامِ حکومت اور اقتصادی شعبہ کی سرگرمیوں کے درمیان ہم آہنگی بڑھانے کے لئے جو بھی اقدامات سوچے انھیں سوویت یونین نے اس مُبیّنہ بنیاد پہ ٹھکرا دیا کہ اس سے شمالی منطقے میں سوویت یونین کے مطلق حلقۂ اختیار کو چوٹ پہنچے گی۔

اس من گھڑت کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ سوویت یونین کے کبھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی ہے۔

اصلیت تو یہ ہے کہ مسٹر ایچی سن نے معاملات کو جس طرح پیش کیا۔ حقیقت اس سے بالکل مختلف تھی۔ اصلیت یہ ہے کہ سوویت وفد نے کہا تھا کہ شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان برابر قیمت کے تبادلہ کی شکل میں تجارت کا انتظام کیا جائے۔ سوویت کمان نے جنوبی کوریا کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے ضروری مقدار میں بجلی کوئلہ، کیمیاوی کھاد، فولاد، تانبہ، جست، سیسہ کئی قسم کے تیزاب، عمارتی لکڑی اور دوسرے سامان جن کی کل قیمت ۸ کروڑ ۹۵ لاکھ ۳۹ ہزار ۲ سو ۸۰ ین تھی بسپلائی کرنے کی رضامندی دے دی تھی۔

اپنی طرف سوویت کمان کو یہ بھروسہ تھا کہ شمالی کوریا کے لئے اناج (چاول) ملے گا اور اس مد میں جنوبی کوریا سے آنے والے کل سامان کی دو تہائی رقم خرچ ہو جائے گی۔ اس کے علاوہ شمالی کوریا کی ریلوں، کوئلہ اور بجلی کی صنعتوں کے لئے مشینوں کے پُرزے اور دوسرے مال ملیں گے۔ سوویت وفد کے بیان کے جواب میں امریکیوں نے عام استعمال کی چیزیں مشین کے پُرزے اور دوسری چیزیں کل ملا کر ساٹھ لاکھ ین کے سامان کی فہرست پیش کی۔ بعد کو فہرست میں اضافہ کر کے اسے ایک کروڑ ین تک پہنچا دیا گیا۔

اس طرح یہ امریکی تجویز برابر کے تبادلے کے متعلق طے شدہ بات کے خلاف تھی اور اس کی پہلی شرط یہ تھی کہ شمالی کوریا کو دبا کر، کروڑ ۹۰ لاکھ ین کا سامان جنوبی کوریا کو اُدھار دے دیا جائے۔ امریکی تجویز میں دینے والے سامان میں سے اناج (چاول) کو بالکل اڑا دیا گیا تھا حالانکہ سوویت وفد نے بالکل غیر مبہم لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ "سوویت کمان مال کے تبادلہ کا مسئلہ اس بنیاد پر طے کرے گا کہ شمالی کوریا کی محنت کش آبادی کو، جو کہ مال پیدا کرتی ہے اور غذا کی ضرورت مند ہے اس کو امریکی کمان اناج دے۔"

اس امید سے کہ وہ شمالی کوریا کو فاقہ کشی میں مبتلا کر دیں گے اور سوویت کمان کی پالیسی کو نرم کروالیں گے۔ امریکیوں نے شمالی کوریا کو چاول دینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس لئے سوویت وفد مجبور ہو گیا کہ مال کے تبادلے کے مسئلے پر غور کرنے کی بات اس وقت تک کے لئے ملتوی کر دے جب تک کہ "امریکی کمان جنوبی کوریا سے شمالی کوریا کو صنعت میں کام کرنے والے مزدوروں کے لئے ضروری پُرزے اور اناج تقریباً برابر قیمت کے تبادلے میں دینے کی گارنٹی نہ کر دے۔"

کمیشن کی میٹنگ میں ۶ رمئی کو سوویت وفد نے زور دے کر کہا کہ فوری کام یہ نہیں ہے کہ جنوبی کوریا میں غیر فوجی انتظام حکومت کی ایک مشنری قائم کی جائے۔ جو اقتصادی ڈھانچہ کا انتظام کرنے کا منصب رکھتی ہو۔ (جیسا کہ امریکہ کے نمائندوں نے تجویز کیا ہے) بلکہ فوری کام یہ ہے کہ ایک عارضی کوریائی جمہوری حکومت کی تنظیم کی جائے جسے کہ امریکہ نے سختی کے ساتھ خارج کر دیا ہے۔

منڈیٹ پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر ایچی سن نے یہ نہیں بتلایا کہ بائرنس کے اصلی امریکی مسودے میں قومی کوریائی حکومت کے لئے کوئی دفعہ رکھی ہی نہیں گئی تھی۔ بلکہ اس میں کوریا کے اندر ایک ایسے انتظام حکومت کی بات سوچی گئی تھی جس کے سربراہ دونوں فوجی کمانڈر ہوتے۔ جو منڈیٹ قائم ہونے سے پہلے کوریا کا انتظام کرتے۔

ماسکو کانفرنس نے سوویت حکومت کی تجویز پر ایک عارضی کوریائی جمہوری حکومت قائم کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا۔ سوویت حکومت نے بتلایا کہ یہ بات کوریائی عوام کے اہم قومی مطالبات کے عین مطابق ہے اور اس سے کوریا میں طویل جاپانی غلبہ کے تباہ کن اثرات کو جلد سے جلد مٹا دینے میں سہولت ہوگی

امریکی مسودے میں یہ تجویز تھی کہ چار طاقتوں (سوویت یونین، امریکہ، برطانیہ اور چین) کے نمائندوں کی انتظامیہ کاؤنسل مقرر کر دی جائے اور اس کو انتظامی قانونی اور عدالتی اختیارات عطا کر دئے جائیں۔ امریکی مسودے میں اب بھی کوریائی حکومت کی تشکیل کے لئے کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی۔

بہر صورت ماسکو کانفرنس نے تسلیم کیا کہ ایک عارضی کوریائی حکومت کا قائم کرنا ضروری ہے اور اس اہم معاملے کے لئے ایک مشترکہ سوویت امریکی کمیشن مقرر کر دیا۔ سوویت حکومت نے ابتدا سے برابر ایسے اقدامات کی حمایت کی جن کا مقصد یہ تھا کہ ایک واقعی آزاد، جمہوری متحدہ کوریا کا قیام عمل میں آئے۔

جمہوری پارٹیوں سے مشورہ لینے کا سوال بھی مسٹر ایچی سن نے (اگر ہم نرم لفظوں میں کہیں) سچائی کی راہ سے صریحی انحراف کرتے ہوئے اٹھایا تھا۔ مسٹر ایچی سن بس اسی بات کو دہرا دیتے ہیں جو کہ پہلے اس سلسلے میں اس وقت کے اسٹیٹ سیکریٹری مارشل نے کہی تھی اور پورے معاملہ کو لفظ "جمہوریت" کی تعریف کا سوال بنا کر چھوڑ دیا تھا۔ حالانکہ یہ صرف ایک لفظ کی تعریف کا معاملہ نہیں تھا بلکہ اہم اختلافات کا سوال تھا جو اس بات سے پیدا ہوتے تھے کہ امریکہ نے ماسکو کانفرنس کے مذکورہ بالا فیصلوں کو، جن میں کوریائی جمہوری پارٹیوں اور پبلک تنظیموں سے مشورہ لینے کی دفعہ رکھی گئی تھی، اندر ہی سے توڑ دیا۔

مشترکہ سوویت امریکی کمیشن میں امریکی وفد نے اس طرح کی مبینہ "جمہوری" پارٹیوں میں خاص طور سے سنگمن ری کیمپ کی پارٹیوں کو شامل کرنے کی کوشش کی۔

اس نے سچی جمہوری پارٹیوں کی فہرست میں سے جنوبی کوریا کی بہت سی بڑی بڑی تنظیموں مثلاً آل کورین کنفڈریشن آف لیبر، کل کوریائی کسان یونین، کوریائی قومی انقلابی پارٹی، کل کوریائی نوجوان لیگ وغیرہ کو چھانٹنے کی کوشش کی جس کے دسیوں لاکھ ممبر تھے۔ امریکی وفد نے مشورہ کے لئے ایسے چھوٹے گروہوں کو بلانے کی تجویز رکھی، جن کا ملک میں کوئی وقار نہیں تھا اور جو جنوبی کوریا کے رجعت پسند خیالات والے چوٹی کے تنگ حلقوں کی نمائندگی کرتے تھے۔

مسٹر ایچی سن نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہاں کہا کہ سوویت یونین نے ایسے گروہوں اور پارٹیوں کے مشورہ کے لئے بلائے جانے کی مخالفت کی جنہیں کہ ماسکو کانفرنس کی سوچی ہوئی منڈوبیت پر اعتراض تھا۔ سوویت یونین نے اس بات پر اصرار کیا کہ جن پارٹیوں یا پبلک تنظیموں کو

مشترکہ کمیشن کے ساتھ مشورہ کے لئے بلایا جائے وہ مشورہ کے لئے ایسے نمائندے مقرر نہ کریں جنھوں نے ماسکو کے فیصلے کی سرگرمی سے مخالفت کر کے خود کو اشتباہ میں ڈال دیا ہے۔

امریکی کمانڈر نے ان تجویزوں کو منظور کر لیا جیسا کہ ان کے ۲۴ ر دسمبر ۱۹۴۶ء والے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن انھوں نے کچھ تبدیلیاں بھی کر دیں۔

وی، ایم، مولوتوف نے ۷ رمئی ۱۹۴۷ء کو جی۔ مارشل کے نام ایک خط میں ان تبدیلیوں کو منظور کر لیا اور یہ امید ظاہر کی کہ اب مشترکہ سوویت امریکی کمیشن کے بلانے میں دیر لگانے کا کوئی سبب باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ بلانے میں اڑنگا محض مشورہ میں کوریائی جمہوری پارٹیوں کی شرکت کے سوالات پر اختلافات کی وجہ سے پیدا ہو رہا تھا۔ مگر امریکی فریق اپنی جمہور دشمن لائن پر اڑے رہے اور مشورہ میں شریک ہونے کے لئے رجعت پرست تنظیموں کی حمایت کرتے رہے اور جمہوری تنظیموں کو الگ رکھتے رہے۔

امریکی حکومت نے ان تمام پارٹیوں اور تنظیموں کو جسے کہ وہ ناپسند کرتی تھی اور جو سچ مچ جمہوری تھیں۔ محض جمہوری پارٹیوں اور تنظیموں کی فہرست سے باہر رکھنے پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس نے جنوبی کوریا کی سچی جمہوری پارٹیوں اور تنظیموں کے خلاف جو کہ ماسکو اور مشترکہ کمیشن کے فیصلوں کی حامی تھیں۔ جبر زبردستی کی ایک مہم شروع کر دی۔

جمہوری پارٹیوں اور تنظیموں کے نمائندے یکے بعد دیگرے گرفتار ہوتے گئے۔ جمہوری قومی محاذ کی مرکزی کمیٹی اور دارالاشاعت کے بہت سے ممتاز عہدہ دار اور کام کرنے والے اراکین اور اس کے ساتھ جمہوری قومی محاذ کی شہر اور ضلع کمیٹیوں کے ممتاز عہدہ دار ۱۹۴۷ء میں گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں کسان یونین کے صدر اور ممتاز اراکین، مزدور یونین کنفڈریشن کی مرکزی کمیٹی کے ممبر، جمہوری خواتین یونین، کوآپریٹو یونین، مصنفین یونین، وکیل یونین اور بہت سی دوسری یونینوں کے ممتاز عہدہ دار شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پارٹی آف لیبر کی لیڈر شپ بھی گرفتار کر لی گئی۔

قدرتی بات ہے کہ مشترکہ کمیشن کے اندر سوویت وفد اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس نے مطالبہ کیا کہ امریکی وفد فوری اقدامات کرے تاکہ جنوبی کوریا میں جمہوری تنظیموں اور پارٹیوں کے لئے زندہ رہنے اور کام کرنے کے لئے طبعی حالات پھر سے پیدا ہوں اور مشترکہ سوویت امریکی کمیشن کے کام کے لئے مناسب حالات پیدا ہوں۔

یہی بات وی۔ ایم۔ مولوتوف نے جی۔ مارشل کے نام اپنے خط مورخہ ۲۳ اگست سنہ ۱۹۴۷ء میں بتلائی تھی۔ اس میں اُنھوں نے زور دے کر کہا تھا کہ یہ صورتِ حال معمول کے بالکل خلاف ہے۔ اور اسے گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر جنوبی کوریا کے جمہوری سنگھٹنوں اور رہنماؤں پر یہ ظلم فوراً پوری طرح بند نہیں کر دیا جاتا تو اس صورت حال کے مطابق کوریا کے متعلق تینوں وزیروں کی ماسکو کانفرنس کے فیصلوں کو ٹھیک طور سے عملی جامہ پہنانے کے امکانات ہی ختم ہو جاتے ہیں۔

وی۔ ایم۔ مولوتوف کے جواب میں مسٹر لویٹ نے، جو کہ اس وقت ایکٹنگ سیکریٹری آف اسٹیٹ تھے۔ امریکی زون (منطقہ) میں ہوتے والی جمہوری پارٹیوں اور تنظیموں کے نمائندوں کی گرفتاری سے انکار نہیں کیا۔ انھوں نے ان گرفتاریوں کو اس بنیاد پر جائز ٹھہرانے کی کوشش کی کہ بعینہٖ تخریبی سرگرمیاں جن کا مقصد یہ ہے کہ قانونی نظامِ حکومت کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ اور امریکی منطقہ میں امن اور قانون درہم برہم ہو جائے۔ ان کی سرکوبی کرنا لازمی ہے۔ حقیقت میں کسی "تخریبی سرگرمی" کا سوال ہی نہ تھا۔ معاملہ صرف اتنا تھا کہ جنوبی کوریا کی جمہوری تحریک کو جس کا مقصد یہ ہے کہ کوریا کا حقیقی ایکا ہو اور ایک آزاد جمہوری کوریا کی ریاست قائم کی جائے۔ کچلا جا رہا تھا۔

مسٹر ایچی سن نے یہاں لویٹ کے خط کا ڈھنڈورہ پیٹا ہے کہ یہ امریکہ کی مبیّنہ جمہوری پالیسی کا ثبوت ہے جو یہ چاہتی ہے کہ کوریا میں ایکا قائم کیا جائے۔ اور اُسے آزادی اور ایک جمہوری نظام کی گارنٹی ملے۔ لیکن لویٹ کا خط خود واقعتاً ثابت کر دیتا ہے کہ امریکی حاکم کوریا کے اندر ایک حقیقی جمہوری حکومت قائم کرنے میں قطعی مدد دینے کی خواہش نہیں رکھتے۔ اتنا ہی یاد دلا دینا کافی ہوگا کہ لویٹ نے کوریا کے متعلق جس طرح کی امریکی تجویزیں پیش کی تھیں ان کا مطلب یہ تھا کہ عارضی نام نہاد منطقائی قانون ساز اسمبلیوں کی تشکیل کی جائے۔ جو کہ امریکی اسکیم کے مطابق ایک عارضی قومی یعنی کل کوریا کی قانون ساز اسمبلی کی تشکیل کریں۔ لیکن کیا یہ بات صاف نہیں ہے کہ اس طرح کوریا کے شمالی اور جنوبی حصوں یعنی سوویت اور امریکی منطقوں میں عارضی قانون ساز اسمبلیاں قائم کرنے کی تجویزوں سے کوریا کا موجودہ دو منطقوں میں بٹوارہ ختم نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف اس تجویز سے کوریا کی تقسیم دائمی بن جاتی۔

لازمی بات ہے کہ لویٹ کی تجویزوں کو سوویت حکومت نہیں منظور کر سکتی تھی جو کہ جمہوری بنیاد پر کوریا کے متحد کیے جانے کے متعلق ماسکو کانفرنس کی شرطوں پر سختی سے جمی ہوئی تھی۔ سوویت حکومت نے امریکہ کی بندر بانٹ تجویزوں کو مسترد کر دیا تو اسی کا بہانہ لے کر کوریائی مسئلہ پر سوویت یونین کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ توڑ دیا گیا۔

مسٹر ایچی سن نے یہاں کہا ہے کہ اس نکتہ پر پہنچ کر امریکی نمائندوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ سوویت یونین سے منھ در منھ بات کرنے سے کوئی نتیجہ نکلنے کی اُمید نہیں اور امریکی فریق اس نتیجے پر پہنچے کہ انھوں نے معاملے کو سُدھارنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر لی۔ لیکن دوسرے فریق پر اثر نہیں ہوا۔ لہٰذا امریکی حکومت نے انجمن اقوام متحدہ کے سامنے اس مسئلہ کو رکھ دیا۔

میں پہلے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ امریکہ نے حقیقت میں کیا کیا اور اس نے جو کچھ کیا اس سے بقول ایچی سن معاملہ سُدھر سکتا تھا؟ اس سوال کا جواب نفی میں دینا ہوگا۔ امریکہ نے معاملے کو سدھارنے یعنی اس بات کی گارنٹی دینے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ جنوبی کوریا میں جمہوری تحریک کو فتح حاصل ہوگی ملک کا اتحاد قائم ہوگا۔ اور اسے جمہوری بنایا جائے گا۔ اور اس کی قومی معیشت اور تہذیب پھر سے زندہ ہوگی۔ جیسا کہ اس وقت شمالی کوریا میں ہو رہا تھا جہاں وسیع سیاسی آزادی کی گارنٹی دینے اور باشندوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے زبردست جمہوری سدھار کئے گئے تھے۔

ایسے وقت میں جبکہ جنوبی کوریا میں رجعت پسندی کا دور دورہ تھا اور ابتدائی آزادی اور انسانی حقوق کو کچلا جا رہا تھا تو شمالی کوریا میں عام رائے دہندگی کا طریقہ رائج کیا گیا۔ عورتوں کی برابری کے متعلق ایک قانون نافذ کیا گیا۔ آزاد جمہوری چناؤ کی بنیاد پر مقامی حکومتی اقتدار کے ادارے قائم کئے گئے۔ اور شمالی کوریا کی پیپلز کمیٹی کی تشکیل ہوئی۔ زرعی اصلاح کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوا سات لاکھ کسان خاندانوں کو جن کے پاس زمین نہیں تھی یا برائے نام تھی۔ بلا معاوضہ دس لاکھ ہیکٹر سے زائد زمینیں مل گئیں جو پہلے جاپانی ملک گیروں اور ان کے کوریائی ساجھے داروں کی ملکیت تھی۔ اسی زمانے میں سابق جاپانی صنعتوں کو قومی ملکیت بنایا گیا۔ آٹھ گھنٹے کے دن، مزدوروں کے تحفظ اور سماجی بیمہ کا قانون لاگو کیا گیا۔ اسکولوں میں کوریائی زبان پھر سے رائج کی گئی اور اسکولوں کا سارے علاقے

میں تانا بانا سا بُن دیا گیا ۔ پبلک تعلیم میں اصلاح کی گئی ۔ اور طالب علموں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی ۔

ایسے وقت سنہ ۱۹۴۷ء ہی میں سوویت حکومت نے تجویز رکھی کہ سب سے پہلے مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں ۔

۱۔ کوریائی جمہوری پارٹیوں اور پبلک تنظیموں کی وسیع شرکت کی بنیاد پر ایک عارضی کوریائی جمہوری حکومت قائم کی جائے ۔ تاکہ ایک خود مختار غیر ملکی مداخلت سے آزاد ریاست کی حیثیت سے کوریا کو سیاسی اور اقتصادی طور پر متحد کرنے میں جلدی ہو ۔ جس سے کہ ملک کا دو منطقوں میں بٹوارہ ختم ہو جائے ۔

۲۔ عام اور برابر رائے دہندگی کے حق کی بنیاد پر آزاد چناؤ کے ذریعے پورے کوریا میں حکومتی اقتدار کے جمہوری ادارے قائم کئے جائیں ۔

۳۔ کوریا کو پھر سے ایک آزاد جمہوری ریاست بنانے اور اپنی قومی معیشت اور تہذیب کو ترقی دینے میں کوریائی عوام کو مدد دی جائے ۔

اسی وقت سوویت حکومت نے یہ بھی تجویز کیا کہ مشترکہ سوویت امریکی کمیشن کوریا کے متعلق ماسکو معاہدے پر سختی سے عمل کرنے کی بنیاد پر اپنا کام دوبارہ شروع کر دے اور عارضی کوریائی جمہوری حکومت کی تشکیل کے متعلق سفارشات مرتب کرنے کے کام میں وہ جس نتیجے پر پہنچے اسے جولائی یا اگست سنہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی سوویت یونین اور امریکہ کی حکومتوں کے سامنے غور کرنے کے لئے پیش کر دیا جائے ۔

جنرل اسمبلی کے دوسرے اجلاس سے عین پہلے مشترکہ کمیشن کے سوویت وفد نے عارضی کوریائی جمہوری حکومت قائم کرنے کے کام میں جلدی کرنے کی کوشش میں امریکی وفد کی یہ تجویز مان لی کہ کوریائی جمہوری پارٹیوں اور پبلک تنظیموں سے کسی قسم کا زبانی مشورہ نہ کیا جائے ۔ (یہ وہ مسئلہ تھا کہ جس نے اس کمیشن میں کشمکش پیدا کر دی تھی) سوویت وفد نے ایک نئی تجویز رکھی کہ ایک مشاورتی ادارے کی حیثیت سے ایک عارضی کل کوریائی پیپلز (عوامی) اسمبلی قائم کی جائے ۔ جس میں تمام کوریائی جمہوری پارٹیوں اور پبلک تنظیموں کے نمائندے شامل ہوں ۔ ان تجویزوں کو امریکی وفد نے ٹھکرا دیا ۔

یہ ہے اس وقت کے حالات کا نقشہ جبکہ امریکی حکومت نے طے کیا کہ کوریا کے سوال

پر سوویت یونین کے ساتھ ماسکو کانفرنس کے فیصلوں کی بنیاد پر تعاون کرنے میں اور بھی اڑنگے لگائے جائیں اور کوریا میں بندر بانٹ کو دائمی بنانے اور اپنی رجعت پرست جارحانہ اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور بھی مستعدی کے ساتھ کام کیا جائے۔

یہی اصلی سبب تھا کہ کوریا کے متعلق موجودہ بین الاقوامی معاہدوں کو توڑتے ہوئے کوریائی مسئلہ جنرل اسمبلی کے سامنے لایا گیا۔

مسٹر ایچی سن کی تقریر کا خاصے بڑے حصے میں شمالی کوریا اور سوویت یونین کو الزام دینے کی کوشش کے ساتھ ساتھ جنوبی کوریا میں تخریبی سرگرمیوں کا بیان ہے جن کا مقصد یہ بتلایا گیا ہے کہ سنگمین ری کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے۔ انھوں نے بتلایا کہ سوویت یونین اس وقت کوریائیوں میں سے ایسے مناسب کارکنوں کی جو سوویت یونین کے حامی ہیں اور پارٹی اور شمالی کوریا کے ریاستی اداروں میں ذمہ داری کے عہدوں پر تعینات ہیں ٹریننگ پر خاص توجہ دے رہا ہے۔ خیران کی تقریر میں، ڈیپارٹمنٹ آف اسٹیٹ (امریکی ریاستی محکمہ) کے معمول کے مطابق سوویت دشمنی کا اُبال تو تھا ہی جس میں شمالی کوریا کے اندر کام کرنے والی مبینہ سوویت خفیہ پولس اور شمالی کوریا کی حکومت پر "سوویت غلبہ" کا رونا رویا گیا ہے۔

یہاں یہ بتلانا غیر ضروری ہے کہ اس طرح کے بیانات کتنے بے بنیاد اور لغو ہیں۔ اس موضوع پر طول طویل تقریر کر کے مسٹر ایچی سن اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ پبلک کی توجہ ان جمہور دشمن طریقوں کی طرف سے ہٹ جائے جو کہ امریکہ نے جنوبی کوریا میں اپنے ایجنٹوں کا سہارا لیکر استعمال کئے تھے۔ یہ ایجنٹ کوریا کے بدترین رجعت پرست طبقے نیم جاگیری (سامنتی) زمینداروں میں سے تھے۔ یہی لوگ جاپانی ملک گیر علمداری کے سب سے بڑے سہارے تھے۔ یہ کئی سال تک ملک کو غلام بنانے میں جاپانی ملک گیروں کو سرگرمی سے مدد دیتے رہے۔ اور جاپانی سنگینوں کے سایہ عاطفت میں کوریا کو اور کوریائی عوام کو لوٹتے رہے۔

یہ بات کم سون سو اور کم یون سو جیسے بدنام "کپڑے کے کارخانوں کے رئیس" اور بڑے زمیندار، اور پاک ہن سک جیسے ہوائی جہازی کمپنی کے مالک اور رجعت پرست افسر شاہی کے نمائندے ان کے نزدیکی رفیق کار جیسے بدترین جاپانی ایجنٹوں کی ہے جنھوں نے قوم سے غداری کے معاوضے میں نو آبادیاتی ڈھانچہ کے اندر خدمت کرنے کا حق مول لے لیا۔

سب جانتے ہیں کہ سنگمین ری کو جس کی سرگرمیاں خود پکار پکار کر اس پرانے فاشسٹ کے سیاسی کردار کی گواہی دیتی ہیں ۱۹۴۵ء ہی میں امریکہ سے ہوائی جہاز کے ذریعے پہنچا دیا گیا تھا۔

ایچی سن نے اپنی تقریر میں یہاں کچھ ایسے ایماندار کوریائی محبانِ وطن کو برا بھلا کہنے کی کوشش کی ہے جنھوں نے کوریائی عوام کے مفاد کے لئے کام کرنے کی خاطر اپنی زندگی اور طاقت وقف کر دی ہے۔ اور جو سوویت یونین کے ساتھ دوستی اور تعاون کے رشتے مضبوط کرنے کے لئے ان تھک کام کرتے رہے ہیں۔ ان لوگوں کی طرف سوویت عوام نے ہمیشہ برابری کی دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ اور مستقبل میں بھی بڑھاتے جائیں گے کیونکہ دوسرے ملکوں کے ترقی پسند جو کہ اپنے جائز قومی مفاد، جمہوری اصلاحات اور اپنے وطن کی آزادی اور خودمختاری کے لئے جد وجہد کر رہے ہیں۔ سوویت عوام ان کے ساتھ دوستی کے اٹل علمبردار ہیں۔

لیکن سنگمین ری کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جو کہ کوریائی شہنشاہ کی خفیہ کونسل کا ایک رکن تھا اور جسے غدار جاپان پرست عناصر کے ساتھ سرگرمی سے تعاون کیا جسے ۱۸۹۸ء میں عمر قید بامشقت کی سزا ملی تھی۔ اور جو کوریا کے جاپانی وزیر کی سفارش پر ہی بچ سکا تھا۔

سب جانتے ہیں کہ سنگمین ری ۱۹۰۴ء میں امریکہ چلا گیا جہاں سے وہ کوریا ۱۹۱۰ء میں واپس ہوا جبکہ کوریا کو جاپانیوں نے فتح کر لیا تھا۔ اب اس نے پھر جاپانی سامراجی آقاؤں کی خدمت گاری شروع کر دی بعد کو پھر وہ امریکہ میں نئے آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرتا رہا۔ ۱۹۲۰ء ۔ ۱۹۲۲ء میں اس نے اپنے تعلقات اس کوشش میں استعمال کئے کہ کوریا کو امریکہ کا مندوبی علاقہ بنا دے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کا آدمی امریکی فوجی دخل کے حاکموں کے لئے بڑے کام کا آدمی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ سنگمین ری نوآبادیاتی نظم ونسق کے فن کا ماہر ہے۔ (جس کا مطلب ہے قوموں کے کچلنے کے نظام اور بے پناہ درندگی اور عوام کی لوٹ کھسوٹ اور وحشیانہ استحصال کے نظام کا باہمی جوڑ) ایسے آدمی کی حمایت کرنے میں ان کا مقصد کیا ہے۔

سنگمین ری مستثنیات میں سے نہیں ہے۔ جنوبی کوریا کے حکمران حلقوں میں اس طرح

کے پکے رجعت پرست بھی شامل تھے مثلاً لائی بم سک جو" ساتھ ہی ساتھ کوریائی قومی نوجوان" نامی فاشستی تنظیم کا لیڈر بھی تھا۔ امورِ خارجہ کا وزیر چیانگ تیاک سانگ، فساد و خونریزی کرنے والا بدنام سیول پولیس کا سابق افسرِ اعلیٰ۔ تعمیرات عامہ کا وزیر اور رجعت پرست ٹریڈ یونینوں کا لیڈر چون دژن خاں، وزیرِ انصاف اور جاپانی عدالت کا سابق افسر لائی ان اور امورِ خارجہ کا وزیر اور کوریا میں جاپان پرست تنظیموں کا سابق ممبر یون چی ین۔

جیسا کہ لندن کے رسالے "نیو اسٹیٹس مین اینڈ نیشن" نے ۱۹۴۵ء ہی میں خبر دی تھی کہ امریکی حاکم ان تمام حضرات، کھلے یا چھپے ہوئے گٹھ جوڑ کرنے والوں اور جاپانی ایجنٹوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نزدیکی تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔ اس نام نہاد حکومت کی مدد سے امریکی اجارہ دار جنوبی کوریا کی طبعی دولت، تنگ ستن، مولی بیئم اور جنگی اہمیت کی دوسری نایاب دھاتیں پوری طاقت کے ساتھ کوریا سے کھینچ کھینچ کر باہر لے جانے لگے اور اس طرح مالا مال ہونے لگے۔

ساتھ ہی ساتھ جنوبی کوریا میں کسانوں اور محنت کش عوام کی حالت بے انتہا بگڑتی جا رہی تھی۔ بے روزگاروں کی تعداد لگاتار بڑھتی جاتی تھی۔ کسی کسی زمانے میں تو یہ تعداد بیس تیس لاکھ تک پہنچ جاتی تھی۔ کسان بے انتہا لگان، ٹیکس اور ہر قسم کے محصول کے ناقابلِ برداشت بوجھ تلے دبے ہوئے محتاجی کے دن کاٹ رہے تھے۔ ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان مزروعہ زمین کا رقبہ ۱۳ فیصدی گھٹ گیا۔ اور چاول کی پیداوار بھی تقریباً اسی تناسب سے کم ہو گئی۔ جنوبی کوریا جو کہ ملک کا اناج گودام تھا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اناج کی شدید قلت کا شکار ہو گیا اور اس کی آبادی فاقہ کشی اور کنگالی میں مبتلا ہو گئی۔ لیکن ملک گیر دیں کے منافع اور زمینداروں کی آمدنی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔

وقت گذرنے کے ساتھ جنوبی کوریا کے لوگوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ یہ بات یو۔ این۔ او کا کوریا کمیشن بھی نہ چھپا سکا۔ جس نے ۱۹۴۸ء کے شروع کے چھ مہینوں کے متعلق اپنی رپورٹ میں کہا کہ جو اسباب جنوبی کوریا کی معیشت پر برابر تباہ کن اثر ڈالتے رہے وہ آج بھی کام کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۹۔۵۰ء کی رپورٹ (تا ۲ ستمبر) میں کمیشن نے زور دے کر کہا ہے کہ جنوبی کوریا کی مالی حالت مسلسل بگڑتی جا رہی ہے۔ کمیشن کے مطابق اس گراوٹ کا ایک اہم سبب وہ بے پناہ زائد خرچ ہے جو پولیس اور فوج کی پرورش میں لگتا ہے جو کہ

سنگمین ری کی عملداری کے خلاف عوام کے غصے کو دبانے پر تعینات ہے اور سنگمین ری کی عملداری سے کوریائی عوام ہی نفرت نہیں کرتے بلکہ جنوبی کوریائی سماج کے وہ حلقے بھی جنھیں امریکی فوجی حاکموں نے سنگمین ری کے ساتھ تعاون کرنے پر زبردستی مجبور کر دیا ہے۔ ان کا بھی کافی بڑا حصہ اس عملداری سے نفرت کرتا ہے۔ جیسا کہ یو، این، او کمیشن نے تسلیم کیا ہے کہ چاول جو باشندوں کی عام غذا ہے اس کا دام لگاتار بڑھتے رہنے سے متوسط شہری خوفزدہ اور بدحواس ہو رہے ہیں۔

امریکی حاکموں نے ۱۹۵۰ء کے ابتدائی چھ مہینوں میں جو نام نہاد "اقتصادی ٹھہراؤ" کا امریکی پروگرام جنوبی کوریا میں پورا کرنے کی کوشش کی۔ یہ پروگرام دھڑام سے زمین پر آگرا۔ اور سنگمین ری والے حاکموں کے بھرشٹاچار (اخلاقی پستی) ان کی ضمیر فروش اور رشوت خوری سے سرکاری ڈھانچہ بھی زنگ آلود ہو گیا۔ نام نہاد "رضاکارانہ چندہ" کے طریقے سے اتنی زبردست بدعنوانیاں پھیلنے لگیں۔ خود یو، این، او کمیشن بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا (جیسا کہ اس نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے) کہ ان طریقوں سے ٹیکس لگانے کا پورا انتظام ہی بُری طرح خطرے میں پڑ گیا تھا۔ حقیقت میں یہ چندہ پولیس، فوج حتےٰ کہ سنگمین ری کے سایہ عاطفت میں چلنے والی کچھ تنظیموں کی خاطر جبری غیر قانونی وصولی کے علاوہ کچھ اور نہ تھا۔

مسٹر ایچی سن نے اس بارے میں کچھ نہ کہنا ہی زیادہ بہتر سمجھا۔ کیونکہ اس طرح کے واقعات سے جو کہ خود یو، این، او کمیشن نے نوٹ کئے تھے۔ یہ بات بے نقاب ہو جاتی ہے کہ کوریا کی وہ تاریخ جسے یہاں امریکہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ نے بتلانے کا وعدہ کیا تھا کس بھونڈے طریقے سے جھٹلائی جا رہی ہے۔ اس طرح کے واقعات سے مسٹر ایچی سن کا منھ بند ہو جاتا اور وہ سنگمین ری کی حکومت کی قصیدہ خوانی نہیں کر سکتے تھے۔ اور امریکی حاکموں کے سایۂ عاطفت میں پھلنے پھولنے والی اس حکومت نے جنوبی کوریا کے عوام کو جو نقصان پہنچایا ہے اس پر وہ پردہ نہ ڈال سکے۔

اگر ہم وہ تمام ظالمانہ اقدامات جو عوام کی جمہوری تمناؤں کے ہر پہلو کو کچلنے کے لیے کئے گئے ہیں یا وہ اقدامات بھی جن سے سنگمین ری حکومت کا دامن تر ہے اسی کے ساتھ ساتھ جوڑ لیں تو مکمل سیاسی گراوٹ کی تصویر پوری طرح سامنے آجائے گی اور کسی خاص تشریح کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔

مسٹر ایچی سن جنوبی کوریا کے سیاسی نظام سے بالکل مطمئن معلوم ہوتے ہیں۔ یہ یو، این،

کمیشن برائے کوریا تو قابو کا ہے لیکن وہ بھی بھیانک رنگ کو ہلکا کرنے کی لاکھ کوشش کے باوجود ان حقیقتوں کو نہ چھپا سکا۔ جن سے پوری طرح یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ سنگمین ری کی حکومت بدترین رجعت پرست حکومت ہے۔ حقیقت میں فاشسٹ حکومت ہے۔ کمیشن نے پانچویں اجلاس کے سامنے جو رپورٹ پیش کی اس میں (مثال کے طور پر) وہ اس بات سے انکار نہ کرسکا کہ اپریل اور مئی ۱۹۵۰ء کی چناؤ مہم کے دوران میں جمہوری خیالات رکھنے والے تقریباً دوسو ووٹروں کو اس شبہ میں گرفتار کیا گیا کہ وہ جنوبی کوریائی پارٹی آف لیبر (جسے امریکی حاکموں کی مرضی سے نافذ کئے ہوئے بدنام قومی تحفظ ایکٹ کے بل پر خلاف قانون قرار دیدیا گیا تھا) کے حامی ہیں۔ اس سے تعلق رکھتے ہیں یا اس سے ہمدردی رکھتے ہیں۔"

میں مذکورہ بالا کمیشن کی رپورٹ میں سے یہ اقتباس سُنا رہا ہوں کہ "امیدواروں کے بہت سے حامیوں کو پولیس کے افسر اور دوسرے غیر شناخت شدہ آدمی، دونوں خوف دلانے کی کوشش میں دھمکیاں دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے۔ اتنی کافی تعداد میں لوگ ہم سے ہٹ گئے جس سے دباؤ ڈالے جانے کا پتہ چلتا ہے۔ کچھ گرفتاریاں تو چناؤ قانون کی دفعہ ۱۱ کی صریحی خلاف کرکے کی گئی تھیں۔

یو۔این کمیشن کا اپنا کردار سمجھنے کے لئے یہ نوٹ کرلینا چاہیئے کہ یہ کمیشن جس نے چناؤ قانون اور ابتدائی جمہوری حقوق اور آزادی کی علی الاعلان خلاف ورزی کو تبلایا۔ اس نے آخر میں کہہ دیا کہ چناؤ کا انتظام قابلِ تعریف تھا اور چناؤ مہم میں حاکموں کی جانب سے کوئی غیر قانونی مداخلت نہیں ہوئی۔ اچھا اب فرمائیے جناب اب کیا کہتے ہیں۔

اس وقت سے لیکر اب تک حالات بدلے ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اور بھی بدتر اور پریشان کُن ہوتے گئے ہیں۔

یو' این کمیشن کی رپورٹ (رپورٹ نمبر ا۔ اے۔ ۷ ۸ ا (۲) جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس کے سامنے پیش ہوئی ہے اس میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ سنگمین ری حکومت نے جنوبی کوریا میں اور بھی بدتر لاقانونیت کی عملداری کر رکھی ہے اور اُسے کسی بھی آدمی کو جس کے متعلق جمہوری خیالات رکھنے کا شبہ ہوتا ہے ہر ڈھنگ سے کچلنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔

حد یہ ہے کہ جنوبی کوریا کی نام نہاد قومی اسمبلی نے بھی سنگمین ری کی مخالفت شروع کردی۔

رپورٹ کے روسی مسودے میں صفحہ ۱۰۸ پر کہا گیا ہے کہ رفتہ رفتہ قومی اسمبلی کے بہت سے ممبر پریسیڈنٹ کی مطلق العنان اور (ان کے خیال میں) شخصی حکومت پر اس قدر برہم ہوئے کہ جب تک انھوں نے سنگمین ری کی جگہ پر کسی دوسرے کو منتخب کرنے کے لئے ووٹ دینے کا اپنا حق استعمال نہیں کر لیا انھوں نے آئین میں کسی طرح کی تبدیلی پر ووٹ دینے سے انکار کر دیا۔ سنگمین ری اور قومی اسمبلی کے درمیان ایک زبردست کش مکش چل رہی ہے۔

مئی سنہ ۱۹۵۲ء میں سنگمین ری کے پوسان میں مارشل لا نافذ کرنے کے دوسرے ہی دن قومی اسمبلی کے کل ۲۰۳ ممبروں میں سے پچاس گرفتار کر لئے گئے۔ اور کچھ ممبر گرفتاری کے ڈر سے روپوش ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا (جیسا کہ کمیشن کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے) کہ کورم پورا نہ ہونے کی وجہ سے قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو سکا۔ جب قومی اسمبلی کے ممبروں نے اسمبلی کے اجلاس میں شریک ہونا بند کر دیا تو پولیس انھیں سنگمین ری کے حکم سے زبردستی پکڑ کر اسمبلی میں لے آئی۔ انھیں بند کر کے قفل ڈال دئے گئے۔ اور سنگمین ری کی خواہش کے مطابق فیصلے منظور کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔

جنوبی کوریا کی صورتِ حال کا بیان ختم کرتے ہوئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ جس یونائیٹڈ کمیشن برائے کوریا نے سنگمین ری حکومت کے بھیانک جرائم پر لیپا پوتی کرنے کی بے انتہا کوشش کی۔ مگر اس کی رپورٹیں بتلاتی ہیں کہ اس حکومت نے جنوبی کوریا کے عوام کو مایوسی کے کس گڈھے میں ڈھکیل دیا ہے اور وہ سنگمین ری کی ٹولی اور اس کے سرپرستوں کی عملداری سے کس قدر نفرت کرتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے یو، این کمیشن کی رپورٹ کا صرف وہ حصہ پڑھ لینا کافی ہے جہاں دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء میں ہوہ جائی لی اور کوہ چان کی عام گولی باریوں کا ذکر ہے۔ جنوبی کوریائی حاکموں کی سرکاری رپورٹوں سے خود پتہ چلتا ہے کہ پہلی اکتوبر اور ۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۵۰ء کے درمیان ۱۹۱۳ آدمیوں کو جن پر سنگمین ری حکومت کو غیر مطمئن ہونے اور چھاپہ ماروں سے ہمدردی رکھنے کا شبہ تھا۔ موت کی سزا دی گئی۔ اسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سزا پانے والوں میں نوجوان مرد اور عورتیں شامل ہیں۔

مذکورہ بالا باتوں کی وجہ سے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ کمیشن جسے یونائیٹڈ نیشنز کمیشن کہا جاتا ہے اس کے شرمناک رویے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ سنگمین ری حکومت کی بھیانک بدانتظامی اور عام گولی باریوں کو دیکھنے کے بعد اس نے سنگمین ری حکومت کے اس فیصلے کو کہ آئندہ جنرل اسمبلی کی میٹنگیں گرمیوں میں نہیں بلکہ الگ الگ ہوں گی۔ قابلِ تعریف بتلاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ

کا خطاب دے دیا!

اس سلسلہ میں یہ یاد دلانا غیر ضروری نہ ہوگا کہ یہ رپورٹ جس کمیشن نے پیش کی تھی اس میں آسٹریلیا، نیدرلینڈ، پاکستان، تھائی لینڈ، ترکی، فلپائن اور چلی کے نمائندے شامل تھے۔

جیسا کہ رپورٹ میں کہا گیا ہے جنوب مشرقی کوریا میں کوچان کے قریب شن ون میون نامی گاؤں کے بہت سے باشندے چھاپہ مار دستوں کا ساتھ دینے اور ان کی مدد کرنے کے جرم میں فوجی عدالت (کورٹ مارشل) کے حکم پر ۱۹۵۱ء میں قتل کر دئے گئے۔ رپورٹ میں جن واقعات کا ذکر ہے ان کی ابتدا تو جون ۱۹۵۰ء ہی میں ہو چکی تھی جبکہ جنوبی کوریائی پولیس نے اس گاؤں کو برباد کرنے کے لئے کتنی بار ناکام کوششیں کیں۔ فروری ۱۹۵۱ء میں جنوبی کوریائی فوج کی ایک پلٹن اور پولیس دستوں نے گاؤں پر حملہ کیا۔ لیکن سیکڑوں ہتھیار بند چھاپہ ماروں اور پانچ سو غیر مسلح چھاپہ ماروں اور گاؤں والوں نے ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ یہ لڑائی دس گھنٹے تک چلتی رہی۔ رپورٹ بتلاتی ہے کہ گاؤں والے چھاپہ ماروں کی مدد کر رہے تھے۔ انھوں نے چھاپہ ماروں کے استعمال کے لئے کھیتوں اور پرائیویٹ مکانوں کے گوشوں میں پناہ گاہیں بنا دی تھیں۔

رپورٹ اس کے بعد یہ تبلاتی ہے کہ گاؤں والوں اور کمیونسٹوں کے درمیان باقاعدہ دیال بھی ہوئیں۔ لڑائی کے دوران گاؤں والوں سے جب پولیس کے لئے کھانا مانگا گیا تو انھوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ اور چھاپہ ماروں کو کھانا دے کر ان سے اپنی ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان تمام واقعات سے حتمی ثبوت ملتا ہے کہ گاؤں والوں اور کمیونسٹ چھاپہ ماروں کے درمیان باہمی تعاون تھا جس سے کہ رپورٹ کے مطابق فوجی اکائیوں کو اپنی جنگی کارروائیوں میں زبردست رکاوٹ پڑتی ہے۔ گاؤں والوں کے اس رویے پر آگ بگولہ ہو کر فوج اور پولیس لگاتار زوروں کے ساتھ ٹکریں لیتی رہی۔ اور اس نے تقریباً دو سو کمیونسٹ جان سے مارے جن میں چھاپہ ماروں سے تعاون کرنے والے گاؤں والے بھی شامل تھے۔

اس وحشیانہ انتقامی کارروائی سے تسلی نہ ہونے کے باعث جنوبی کوریائی تعزیری پلٹن کے کمانڈر اور کوچان پولیس انتظامیہ کے محکمہ جاسوسی کے افسر اعلیٰ نے ملکرشن ون گاؤں ایا شندوں کو اسی جگہ گولی سے اڑا دیا۔

کچلنے میں کون کے نہتے کسانوں کا اس جانبازی کے ساتھ سنگمین ری کی پولیس اور جاسوسوں کو کرنا (جو کہ سیکڑوں چھاپہ ماروں کو قتل کرنا چاہتے تھے) اور سنگمین ری کی پولیس

کا خود اعتراف کرنا کہ گاؤں والوں اور چھاپہ ماروں میں باہمی تعاون اور برادرانہ دوستی کا جذبہ موجود تھا بذاتِ خود اس کے واضح ثبوت ہیں کہ جنوبی کوریا میں سنگمین ری کی حکومت کے خلاف جو لڑائی چل رہی ہے اس کی جڑیں تمام جنتا کے بیچ دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

جنوبی کوریا کی چھاپہ مار تحریک سنگمین ری حکومت کے خلاف جنوبی کوریائی عوام کے بڑھتے ہوئے احتجاج اور اس حکومت کی حمایت کرنے والے امریکی افسروں کے خلاف احتجاج کے نتیجہ میں پیدا ہوئی تھی۔

اپنے طاقتور بدیسی سرپرستوں کی حمایت حاصل کرکے سنگمین ری کی فاشسٹ حکومت نے ان تمام لوگوں کو جو کسی حد تک بھی ترقی پسند یا جمہوری خیالات رکھتے تھے بُری طرح سے کچلنا شروع کر دیا۔ یو۔این کمیشن نے اپنی رپورٹ میں تسلیم کیا ہے کہ کچھ گرفتاریوں کے ساتھ ایذا رسانی بھی کی گئی۔ اور اکثر کوریائی شہریوں کو محض اس لئے گرفتار کیا گیا تھا کہ انھوں نے امریکیوں کی تنقید کرنے کی جسارت کی تھی۔ پھر اس میں تعجب کی بات کیا ہے اگر اس صورتِ حال کے باعث ہر طرف عوامی بے چینی بڑھنے لگی۔ اور جنوبی کوریا میں چھاپہ مار تحریک پھیل گئی۔ لازمی بات ہے کہ اس سے شمالی کوریا پر حملہ کی تیاری کرنے میں زبردست رکاوٹ پڑتی تھی۔

مسٹر ایچی سن نے کہا ہے کہ شمالی کوریا میں کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیوں کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی کوریائی حکومت کی جڑ کھود دی جائے۔ لیکن حقیقت میں جنوبی کوریائی حکومت کے وقار کی جڑ خود اس کی وحشیانہ غیر انسانی رجعت پرست پالیسی یعنی خود اپنی جنتا کے خلاف کھلی جنگ کرنے سے جس قدر کھُدتی تھی اتنی کسی اور چیز سے نہیں کھُد سکتی تھی۔

شمالی کوریائی حکومت پر حملہ کرتے کرتے مسٹر ایچی سن نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ کوریا کو پُرامن طریقے پر متحد کرنے کے لئے شمال والوں کی تجویز ایک قسم کی جارحانہ کارروائی تھی۔

لیکن جب دماغ جھلاہٹ کی آخری حد کو پہنچ جاتا ہے تبھی آدمی کو امن کی تجویزوں میں جارحانہ چالیں نظر آ سکتی ہیں!

اور پھر سچ مچ کیوں، مسٹر ایچی سن، سنگمین ری اور دوسرے جنوبی کوریائی سیاسی لیڈروں کے بالکل اُلٹے کھُلے جنگجویانہ بیانات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، دیکھئے تو ان حضرات نے شمالی کوریا پر حملہ منظم کرنے سے کچھ ہی پہلے کیا کہا تھا۔ کمیشن نے ۱۹۴۹ء میں جنرل اسمبلی کے پانچویں اجلاس کے لئے جو رپورٹ تیار کی تھی اس میں اس سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ

"کمیشن نے یہ بھی دیکھا کہ وقتاً فوقتاً پریسیڈنٹ، وزیر خارجہ اور دوسرے ممتاز اور با اثر رہنماؤں کی طرف سے بیانات شائع ہوتے رہتے تھے جن میں کہا جاتا تھا کہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور مایوسی کے عالم میں آخری حل کے طور پر جبری اتحاد کا راستہ اختیار کرنا پڑیگا" لہٰذا جس دن کوریائی ری پبلک کی حکومت کو جنرل اسمبلی سے منظوری ملنے کی پہلی سالگرہ تھی، تو وزیر خارجہ نے یہ "امید ظاہر کی کہ عوام اڑتیسویں عرض البلد کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے تاکہ اگلے سال ۱۲ر دسمبر تک کوریا کا قومی اتحاد پورا ہو جائے۔ اس مقصد سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ لوگوں کو پکا ارادہ کر لینا چاہیئے اور آج ہی سے اپنا خون بہانے کو تیار ہو جانا چاہیئے" اسی طرح ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۹ء کو ایک پریس کانفرنس میں پریسیڈنٹ سنگمین ری نے کہا کہ ہمیں نئے سال کے اندر اتحاد قائم کر لینا چاہیئے۔ اور مجھے یقین ہے کہ ہم کر سکتے ہیں۔ ہم اقوام متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز) کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے صبر اور وفاداری کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ ہم اپنی کوششیں جاری رکھیں گے کہ اتحاد کوریائی عوام کے باہمی سمجھوتہ کے ذریعے پیدا ہو جائے لیکن اگر نہ ٹلنے والا (ناگزیر) وقت آ گیا تو غالباً ہم بھی خونریزی اور غیر فوجی کش مکش سے نہ بچ سکیں گے۔ اگر ہم بدقسمتی سے اس سال اتحاد نہ پیدا کر سکے تو ہم اپنے علاقے کو اپنے آپ متحد کر لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

فروری ۱۹۵۰ء میں جنوبی کوریا کے وزیر دفاع کپتان سہن سنگ مُو نے کھلے بندوں اعلان کیا کہ "اگر اقوام متحدہ کو کوریا سے وہ "خنجر" ہٹانے میں کامیابی نہ ہوئی (جس میں اسے اب تک ناکامی ہوتی رہی ہے) تو کوریائی عوام کو خود اپنی کوششیں صرف کرنی ہونگی اور اس کام کے لئے طاقت استعمال کرنی ہوگی۔

اگر مسٹر ایچی سن کو ابھی تک کوریائی کمیشن کی رپورٹ ٹھکانے سے سمجھنے کے لئے وقت نہیں ملا ہے تو شاید انہیں اب چند گھنٹے ان انکشافات سے باخبر ہونے اور ان کا مطلب سمجھنے کے لئے مل جائیں۔ اس سے اس سوال کے سمجھنے میں بھی آسانی ہو گی کہ ۲۵ر جون ۱۹۵۰ء کے واقعات کیوں اور کیسے ہوئے؟

مسٹر ایچی سن نے اپنی تقریر کا ایک خاص حصہ یہ دکھلانے کی کوشش میں صرف کیا ہے کہ کوریا میں جارحانہ کارروائی کی تیاری اور اس پر عملدرآمد شمالی کوریا کی جانب سے ہوا۔ مسٹر ایچی سن نے اسے اس طرح پیش کیا گویا کہ اس اقدام سے کئی ہفتہ پہلے جنوبی کوریائی

حکومت کمیونسٹوں کو (جو بقول مسٹر ایچی سن شمال سے گھس آئے تھے) نکال باہر کر چکی تھی۔ اس نے اپنے ملک میں ایک بغاوت کو دبا دیا تھا اور جیسا کہ مسٹر ایچی سن بتلاتے ہیں سنگمین ری حکومت اپنی ہوشیاری کی پالیسی کے باعث شمال والوں کی تمام سازشوں کو چکنا چور کر چکی تھی۔ مسٹر ایچی سن کو ٹھیک ٹھیک پتہ ہے کہ کتنے نوجوان شمالی کوریائیوں کو سائبیریا میں ٹریننگ ملی تھی اور کس طرح بقول ان کے سنہ ۱۹۴۹ء کی سرگرمیاں ختم ہوتے ہوتے کوریائی پارٹی آف لیبر کے اندر صفائی ہوئی۔ لیکن مسٹر ایچی سن جنوبی کوریائی پارٹی آف لیبر کو چپکے سے نگل گئے۔ وہ جانتے ہیں کہ کس طرح شمالی کوریا میں (بقول مسٹر ایچی سن) ایک بھاری فوج بنائی گئی اور اسے کس طرح تعلیم اور ٹریننگ دی گئی اور اچھی طرح مسلح کیا گیا۔ اور سوویت حکومت نے اسے کس طرح حکمتِ عملی اور طریقہ کار کے متعلق مشورے دئے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس طرح شمالی کوریا کی تمام غیر فوجی آبادی کو بنیادی فوجی ٹریننگ دی گئی۔ مسٹر ایچی سن کو ان تمام باتوں کی چھوٹی سے چھوٹی تفصیل (جیسا کہ وہ خود اقرار کر چکے ہیں) بھگوڑوں اور شمالی کوریا میں یو۔ این۔ او کے عملہ جیسے ممبروں سے معلوم ہوئی ہیں۔

لیکن اس دوران میں جنوبی کوریا کے اندر کون سے فوجی اقدامات کئے جا رہے ہیں مسٹر ایچی سن اس کے بارے میں اس بات کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے کہ جنوبی کوریائی فوج جارحانہ کارروائیوں کے لئے قطعاً تیار نہ تھی اور محض بچاؤ کے لئے تعینات تھی۔ لیکن یہ بات ان اطلاعات سے بالکل مختلف ہیں جو کہ بھگوڑوں کے یہاں کئے ہوئے واقعات کے مقابلہ میں زیادہ مستند ہیں کیونکہ وہ اطلاعات ایسے لوگوں کی ہیں جو اس سلسلہ میں کافی مستند ہیں، میں مثال کے طور پر امریکی اقتصادی تعاون ایڈمنسٹریشن کے کوریائی ڈویژن کے ڈائرکٹر جانسن کا نام لوں گا جنھوں نے ۱۹ مئی سنہ ۱۹۵۰ء کو امریکی ایوان نمائندگان کی ایپروپری ایشنز (اخراجات) کمیٹی میں اعلان کیا کہ جنوبی کوریا کی ایک لاکھ کی فوج، جو امریکی ہتھیاروں سے مسلح ہے اور جسے امریکی افسروں نے سیول کے امریکی فوجی مشن کی ہدایات کے مطابق ٹریننگ دی ہے۔ اپنی تیاریاں مکمل کر چکی ہے۔ اور کسی وقت بھی جنگ شروع کر سکتی ہے۔

یہ بیان مسٹر ایچی سن کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ جنوبی کوریا کی ایک لاکھ کی فوج (جس کا وہ اپنی تقریر میں بھی ذکر کر چکے ہیں) جارحانہ کارروائیوں کے لئے مسلح نہیں تھی۔ شمالی کوریا کی "حملہ آوری" کے ثبوت میں مسٹر ایچی سن نے ایک طرح کی دستاویزیں

بھی پیش کی ہیں جن میں جنوبی کوریا پر حملہ کرنے کی اسکیم بھی شامل ہے ۔ یہ اسکیم اقوام متحدہ کی فوجوں کے ہاتھ آگئی تھی اور کہا جاتا ہے کہ اب یہ یو۔ این۔ او کے پاس محفوظ ہے۔ یہ معاملہ تفصیل سے بیان کرنے کے لائق ہے ۔

اڑتیسویں عرض البلد کے علاقہ میں تمام مسلح حادثات جنوبی کوریا والوں نے شروع کیے ۔ جون سنہ ۱۹۴۹ء سے پہلے تو واقعات شمالی کوریا کی سرزمین پر فائرنگ ہی تک محدود رہتے تھے مگر جون کے بعد سے جنوبی کوریا والوں نے اڑتیسویں عرض البلد کو توڑنا شروع کر دیا۔ پوری کی پوری ٹکڑیاں شمالی کوریا کے علاقہ کی لائنوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے اڑتیسویں عرض البلد پار کرنے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلح ٹکریں ہونے لگیں۔

جون سے اگست سنہ ۱۹۴۹ء تک جنوبی کوریا والوں نے جن خاص علاقوں کو توڑا وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ اونس (اونگدن) ہےجو (کائی سنگ) جیو یو (یایانگ)

اونس کے علاقے میں جنوبی کوریائی پولیس نے بار بار اڑتیسویں عرض البلد کو توڑا اور کئی بار شمالی کوریا کی سرزمین کی چوٹیوں پر قبضہ کیا۔

جون سنہ ۱۹۴۹ء میں جنوبی کوریائیوں نے سات پیدل بٹالین جن کے پاس ہلکی توپیں (ٹرنچ موٹر) تھیں اور ایک بھاری توپ خانہ کی پلٹن بھیج دی اور شمالی کوریا کے علاقہ میں کام کی لائنوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے حملہ کیا۔ یہ لڑائی تھوڑے عرصہ کے بعد دو مہینے تک چلتی رہی۔

۲۷؍جون کو جنوبی کوریائیوں کی ایک پلٹن نے چوٹی ۲۸۸٫۰ پر قبضہ کر لیا اور ۱۹؍جولائی تک ۱۱۲٫۰، ۱۳۱٫۷ اور ۱۲۳٫۰ کی چوٹیوں پر جنوبی کوریائیوں کا قبضہ ہو گیا یہ تمام چوٹیاں اڑتیسویں عرض البلد سے شمال کی طرف ایک کیلومیٹر (پانچ فرلانگ) کے اندر اندر تھیں ۱۴؍اگست کو شمالی کوریائیوں نے اپنے کھوئے ہوئے مقامات پھر سے حاصل کر لئے۔ اور شمالی کوریا کی سرزمین کو دشمنوں سے بالکل پاک کر دیا۔

کائی جو کے علاقے میں لڑائی ۲۲؍جولائی سے پہلی اگست سنہ ۱۹۴۹ء تک چلتی رہی ۔

۲۵؍جولائی کو جنوبی کوریائیوں کے ایک بٹالین نے توپ خانہ کی زوردار تیاریوں کے بعد (اڑتیسویں عرض البلد کے شمال میں) ۴۸۸٫۲ کی چوٹی پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ ۲۸؍جولائی ۴۹ء سے پہلی اگست تک کی لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنوبی کوریائی اکائیوں کو شمالی کوریا کی سرزمین

سے باہر کر دیا گیا۔

کائی جو کے علاقے پر حملے کے دوران میں جنوبی کوریائیوں نے بہت بڑی تعداد میں توپیں اور ہلکی توپیں (مورٹر) استعمال کیں۔ ۲۸ر جولائی کو ایک ہی دن میں جنوبی کوریائیوں نے ساڑھے تین سے زیادہ بھاری (دور انداز) ہاویٹ زر گولے اور ایک ہزار سے زیادہ مائن (سرنگ گولے) پھینکے۔

اس کے علاوہ جنوبی کوریائیوں نے اڑتیسویں عرض البلد کو دوسرے علاقوں مثلاً جیویو (مشرقی ساحل) کے علاقے میں بھی توڑا۔ اس علاقے میں جنوبی کوریائیوں نے ۲۸ر جون کو اڑتیسویں عرض البلد پار کر کے ۵۶ آدمیوں کے دو دستے توڑ پھوڑ کے ساز و سامان کے ساتھ بھیجے تاکہ وہ گنزاں (ون سان) جیویو علاقہ میں شمالی کوریائیوں کی کمیں گاہ کو کاٹ دیں۔ ۵ر اور ۶ر جولائی کو جنوبی کوریائیوں نے (جو تعداد میں تقریباً ایک توپ خانہ بٹالین کے برابر تھے) اڑتیسویں عرض البلد سے (ساڑھے چار کلومیٹر تقریباً تین میل) اُتر کی طرف بڑھ کر ایٹو کوری اور کودنری پر قبضہ کر لیا۔ اور جنوبی کوریا کے تقریباً ایک بٹالین نے اڑتیسویں عرض البلد سے ایک کیلومیٹر (پانچ فرلانگ) اُتر کی طرف کِدوموتری میں چوٹیوں پر قبضہ کر لیا۔ میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حملہ آوری کا سوال سنہ ۱۹۵۰ء ہی میں جنرل اسمبلی کے پانچویں اجلاس کے وقت اُٹھایا گیا تھا۔ جبکہ امریکی وفد نے کوریا کے سنگمین ری حکومت کی شمولیت میں امریکی حملہ آوروں کی حقیقت سے انکار کیا تھا۔ اس وقت بھی یہ کوشش بُری طرح ناکام ہوئی تھی۔ سوویت وفد نے جو ثبوت پیش کئے اس سے یہ ریاکاری سے بھری ہوئی اسکیم بے نقاب ہوگئی کہ وہ شمالی کوریائیوں پر حملہ آوری کا الزام لگا کر اپنی حملہ آوری پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم نے اسی وقت دکھلا دیا تھا کہ کس طرح سنگمین ری حکومت اور اس کے امریکی دوستوں نے شمالی کوریا پر حملے کی تیاری کی تھی۔ ہم نے اس سلسلے میں ناقابل تردید ثبوت پیش کئے جنھیں آج تک غلط نہیں ثابت کیا جا سکا۔ اس تیاری میں سنگمین ری نے ایک اہم پارٹ ادا کیا جیسا کہ امریکی پروفیسر آلیور کے نام اس کے خط مورخہ ۳۰ر ستمبر سنہ ۱۹۴۹ء سے صاف پتہ چلتا ہے۔ میں نے اس وقت اس خط میں سے اقتباسات پیش کئے تھے۔

پروفیسر آلیور نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انہیں وہ خط موصول ہوا تھا جس میں سنگمین ری نے کہا تھا "آج (ستمبر ۱۹۴۹ء) ہی وہ سب سے مناسب نفسیاتی لمحہ ہے جبکہ ہمیں چاہیئے کہ

ایک جارحانہ اقدام کریں اور شمال میں اپنی وفادار کمیونسٹ فوج سے مل کر بقیہ کا صفایا کر دیں۔"

سنگمین ری نے پروفیسر آلیور کو لکھا تھا کہ "ہم کم اِل سونگ کے کچھ آدمیوں کو پہاڑی علاقہ میں بھگا دیں گے اور انہیں آہستہ آہستہ بھوکوں مار ڈالیں گے۔"

اس نے پروفیسر آلیور کو اطمینان دلایا تھا کہ انہیں اور ان کے دوستوں کو خاموشی کے ساتھ واشنگٹن اور نیویارک میں کام کرنا چاہیئے۔ اور وہ خود (سنگمین ری) سیول اور ٹوکیو میں اسی نصب العین (یعنی "ملک کو صاف کرنا اور اپنے گھر کو ٹھیک کرنا") کے لئے کام کرتا رہے گا۔"

اسی مقصد کی کوشش امریکہ میں جنوبی کوریا کے سفیر چاؤگ بیون اوک نے کیں۔ اس نے سنگمین ری کو اکتوبر ۱۹۴۹ء میں لکھا کہ میں نے "شمالی کوریا کی کٹھ پتلی حکومت کا خاتمہ" کے متعلق پروفیسر آلیور کے نام آپ کا خط بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا ہے۔

چاوگ بیون اوک نے لکھا" میں نے اس معاملہ پر سفیر تیان اور ڈاکٹر آلیور سے بات چیت کی اور ہم اس متفقہ رائے پر پہنچے کہ اس معاملہ کو ہماری حکومت کی بنیادی اسکیم سمجھنا چاہیئے۔ جسے ہمارے تیار ہو جانے پر اور مناسب موقعے سے عمل میں لانا ہوگا۔

نومبر ۱۹۴۹ء میں چاوگ بیون اوک نے سنگمین ری کے نام ایک خط میں تبلایا کہ کوریا کا اتحاد حکومت کے آزاد اقتدار (Sovereign Power) کے ذریعے ہی قائم ہو سکتا ہے اور سنگمین ری حکومت کے سامنے اہم ترین کام یہ ہے کہ جنوبی کوریا کی فوجی اور اقتصادی کمربستگی کو اور بھی بہتر بنائے۔

۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو سنگمین ری نے نئے سال (۱۹۵۰ء) میں کھوئی ہوئی سرزمین کو پھر سے حاصل کرنے کے عزم کا کھلے بندوں اعلان کیا۔ (اس سے اس کا مطلب تھا شمالی کوریا پر قبضہ کرنا) اس نے انہیں کھلے بندوں آگاہ کیا کہ جنوبی کوریائی مستقبل میں پُرامن پالیسی پر عمل نہ کریں گے۔ اور اُنہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ "نئے سال کے اندر عالمی صورت حال میں تبدیلی کے سلسلے میں ہمیں (سنگمین ری والوں) جنوبی اور شمالی کوریا کو اپنی ہی قوتوں (فوجوں) کے ذریعے متحد کرنا پڑے گا۔"

یہ بات تو بالکل صاف ہے کہ اگر انہیں اپنے جارحانہ مقاصد میں امریکی حکمران حلقوں

کی حمایت نہ حاصل ہوتی تو سنگمین ری اور اس کے ساتھیوں کی یہ ہمت نہ پڑتی کہ وہ کوریا پر حملہ کی اپنی سکیم کے متعلق اتنا کھل کر بات کریں۔

اسی عرصہ میں امریکی ڈیفنس سیکریٹری جانسن، امریکی فوج کے چیف آف اسٹاف بریڈلے اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے مشیر جان فاسٹر ڈیلس مشرق بعید پہنچے۔ اور انھوں نے کوریا میں جنرل میک آرتھر کے ساتھ ایک خفیہ کانفرنس کی۔ اور جیسا کہ سبھی جانتے ہیں ڈلیز نے ۱۵ جون (جس دن کہ جنوبی کوریا کی مسلح فوجوں نے شمالی کوریا پر حملہ کیا) سے ٹھیک گیارہ دن پہلے جنوبی کوریا اور مجوزہ جنگی لائن کو جا کر دیکھا۔ ۱۹ جون کو جنوبی کوریا کی قومی اسمبلی کے سامنے اپنی تقریر میں ڈلیز نے سنگمین ری کی شمالی کوریا میں مسلح مہم کی اسکیموں کو سراہتے ہوئے اعلان کیا کہ امریکہ کمیونزم کے خلاف جنگ کے لئے جنوبی کوریا کو ہر قسم کی ضروری اخلاقی اور مادی امداد دے گا۔

۲۰ جون ۱۹۵۰ء کو (شمالی کوریا پر حملہ سے پانچ دن پہلے) ڈلیز نے سنگمین ری کو لکھا کہ اس ہونے والے عظیم الشان ڈرامے میں آپ کے ملک کو جو فیصلہ کن پارٹ ادا کرنا ہے۔ میں اُسے بہت اہمیت دیتا ہوں۔

ابھی تک ہم نے ڈلیز کی زبان سے نہیں سُنا ہے کہ آخر اس فقرے کا مطلب کیا تھا! اس وقت ہم نے ڈلیز کے لئے یہ فقرہ کوریا میں جنگ بھڑکانے کے سنگین الزام کی حیثیت سے پیش کیا تھا۔ اس الزام کی ابھی تک تردید نہیں ہوئی۔

اس وقت مسٹر ایچی سن اس معاملے پر کچھ نہیں بولے۔ اب انھوں نے اپنے بیانات دینے کا فیصلہ کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ووٹروں سے اپنی لاج بچانے کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ لیکن انھوں نے اقوام متحدہ کمیشن برائے اتحاد دآباد کاری کوریا کی رپورٹ کے سلسلے ہی میں اسباب مہیا کر دیے کہ ہم ان تمام اہم مسئلوں کو لیں۔ کیونکہ ان مسئلوں پر غور کرنے سے کوریائی واقعات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ جنوری ۱۹۵۰ء ہی میں جنرل رابرٹس نے سنگمین ری کے وزیروں کو ہدائتیں دیتے ہوئے اعلان کیا کہ شمالی کوریا کے خلاف مہم کی اسکیم طے ہوگئی ہے۔ رابرٹس نے آگاہی دیتے ہوئے کہا کہ وہ حملہ خود تو شروع کریں گے ہی مگر پھر بھی ضروری ہے کہ بہانے کے لئے کوئی مناسب وجہ ڈھونڈلی جائے۔ اور اقوامِ متحدہ کمیشن اسی قسم کی رپورٹ مناسب وقت سے اقوامِ متحدہ کے سامنے پیش کرکے اس کام کو پورا کر سکتا ہے۔

اسی طرح کے اور بھی بہت سے پختہ ثبوت موجود ہیں کہ سنگمین ری کی فوج شمالی کوریا پر

حملہ کی تیاری کر رہی تھی۔ ان ثبوتوں میں بڑی اہمیت اس فوجی نقشے کی ہے جو سنگمین ری حکومت کے خفیہ محافظ خانے میں ملا تھا اور اب شمالی کوریائی حکومت کے ہاتھوں میں ہے۔

پانچویں اجلاس میں میں نے تفصیل کے ساتھ نقشے کے اندر کی باتوں کے متعلق بتلایا تھا۔ نقشے میں اس اسکیم کا خاکہ ہے کہ کس طرح جنوبی کوریائی فوج شمالی کوریا پر بحیرۂ زرد کے ساحل سے کوران یو کے علاقے اور کوران یو سے مشرقی ساحل تک حملہ کرے گی۔ نقشے میں خاص حملوں کا رخ دکھلایا گیا ہے۔ ان چن سے فونگ یانگ کے خلاف جہاں جہاں جہازی فوجیں اتاری جانے والی تھیں وہ مقامات بھی نقشے میں دکھلائے گئے ہیں۔ اور تاند وچین، چوں چین، ہانچی اور دوسرے علاقوں سے حملے کے رُخ بتلائے گئے ہیں۔

یہ ناقابلِ تردید حقیقتیں ہیں یہ شمالی کوریا پر جنوبی کوریا کے اس سوچے سمجھے اور منظم حملے کے ناقابلِ تردید ثبوت ہیں۔ جو کہ امریکہ کی سرپرستی میں ہوا۔ جس کی امریکہ کی مسلح فوجوں نے تیاری کی اور بعد میں حمایت کی۔

یہاں مسٹر ایچی سن نے شمال کی طرف سے حملے کے متعلق جو کچھ بھی کہا ہے ذرہ بھر توجہ کے لائق نہیں۔ جن واقعات سے جنوب کی طرف سے حملے کا ناقابلِ تردید ثبوت ملتا ہے۔ ان میں سے ایک کو بھی غلط ثابت نہیں کیا گیا۔ (امریکی) اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اپنی بات کے لئے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ اس سلسلے میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ والے حضرات صرف ایک چیز پیش کر سکتے ہیں۔ وہ ہے سڑے ہوئے فقروں سے بھری ہوئی لعن طعن۔ غالباً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی بھی بات کا ثبوت دینے کی ذمہ داری سے آزاد ہیں۔ وہ مشین کی طرح ایک ہی فقرہ بار بار دہراتے ہیں کہ حملہ شمالی کوریا نے کیا اور ثبوت میں سیکورٹی (سلامتی) کونسل کا ۲۵ جون کا فیصلہ پیش کرتے ہیں۔ جس میں ایک دم کہہ دیا گیا ہے کہ شمالی کوریا سے جنوبی کوریا پر فوجوں کا مسلح حملہ ہوا تھا۔ اس فیصلے کی بنیاد کو اور زیادہ تفصیل کے ساتھ پرکھنا چاہیئے۔ حقیقت میں کن اطلاعات کی بنیاد پر سلامتی (سیکورٹی) کونسل نے یہ فیصلہ لیا۔ ۲۵ جون کو واقعاً کیا ہوا۔ سلامتی کونسل کے ممبروں کو ان واقعات کے مستند ہونے کا یقین کس طرح ہوا کہ انھوں نے ان کو ایک دم اپنے فیصلے کی بنیاد بنا لیا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ شمالی اور جنوبی کوریا کے درمیان سرحد پر جو واقعات رونما ہوئے ان کے متعلق سلامتی کونسل کو سب سے پہلے اطلاع جنوبی کوریائی حکومت سے ملی جس نے یہ الزام لگایا کہ شمالی کوریائی مسلح فوجوں نے جزیرہ نمائے اُنگ دن کے کچھ مقامات پر حملہ کیا تھا۔ اور کن تن

کے اُترا ور دکن کی طرف اُتر کر سیول کی سمت بڑھ رہی ہے۔

یہ بات معنی خیز ہے کہ ۲۵ رجون کی میٹنگ میں سنگمین ری حکومت کی بھیجی ہوئی رپورٹ کے مفہوم کے مطابق معاملات کو پیش کرتے ہوئے ژنگ وے لی نے اس رپورٹ اور کوریا میں دوسرے ذرائع سے ملنے والی اطلاعات کا ذکر کیا جس سے بقول ان کے، صاف صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ جنگ شمالی کوریا کی فوجوں نے شروع کی تھی۔ لیکن ۲۵ رجون سنہ ۱۹۵۰ء کو اقوام متحدہ کمیشن برائے کوریا نے جنرل سکریٹریٹ کو جو بحری تار بھیجا اس میں صرف سنگمین ری کی مذکورہ بالا رپورٹ شامل تھی جو کہ شمالی کوریائی حکومت کے خلاف تعصب اور عداوت سے بھری ہوئی تھی۔ اس وقت خود اقوام متحدہ کمیشن کو کوریائی حکومت کے بحری تار سے ملنے والی اطلاعات کے علاوہ شمالی اور جنوبی کوریا کی سرحد پر تبدیلیوں کی کوئی خبر نہیں تھی۔ یہ بحری تار مجلس اقوام متحدہ میں امریکی نمائندے گراس نے پیش کیا تھا۔ جو کہ اسے کوریا میں امریکی سفیر موچیو سے ملا تھا۔ جس نے وہ اطلاعات سنگمین ری کی حکومت سے حاصل کی تھیں۔ اس کے علاوہ کمیشن کے مشاہدین ۲۳ رجون سنہ ۱۹۵۰ء ہی کو سرحد کا دورہ کرکے سیول لوٹ آئے۔ اور انھوں نے کمیشن کی میٹنگ میں (جو کہ سیول میں ۲۶ رجون سنہ ۱۹۵۰ء ہی کو ہوئی) کمیشن کے سامنے اس دورے کے متعلق رپورٹ دی۔ اس کے بعد کہیں جاکر کمیشن نے انجمن اقوام متحدہ کو اپنا تار بھیجا۔

جیسا کہ خود کمیشن کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے، اڑتیسویں عرض البلد پر ہونے والے واقعات کی اطلاع کمیشن کو جنوبی کوریا کے وزیر امور داخلہ (ہوم منسٹر) اور جنوبی کوریا میں امریکہ کے سفیر موچیو سے ملی تھی۔ یہ وہی موچیو ہیں جنھوں نے جولائی سنہ ۱۹۴۹ء کے آخری پندرہ روز میں جنرل رابرٹس، ہیج، اور جنوبی کوریائی وزرا رسن سین مو، کوؤں سن آر، اور کم یی سیک کے ساتھ ایک کانفرنس کرکے انہیں بتلایا تھا کہ جولائی اگست میں ضروری ہے کہ شمال کے خلاف مہم کے لئے بڑے پیمانے پر تیاریاں کی جائیں۔ جہاں تک کمیشن کے مشاہدین کا تعلق ہے تو جس وقت تبدیلیاں ہونے لگیں وہ اڑتیسویں عرض البلد پر تھے ہی نہیں اور اڑتیسویں عرض البلد کے متعلق ان کے تمام مشاہدات ان کے اڑتیسویں عرض البلد کے علاقہ میں قیام کے آخری دن ۲۲ رجون یعنی لڑائی چھڑنے سے تین دن پہلے شروع ہوتے ہیں۔

یہ کوئی اتفاقیہ بات نہیں تھی کہ سلامتی کونسل کے ایک ممبر نے بتلایا کہ جو اطلاعات موجود ہیں ان میں تضاد ہے اور کافی صفائی نہیں ہے۔ اور شمالی کوریا کی حکومت کا کوئی بیان سُنے بغیر

کوئی یکطرفہ فیصلہ دیدینا قطعاً ناجائز ہے۔ یہ نمائندہ کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک کے ساتھ عداوت کا رویہ رکھنے کی وجہ سے مشہور ہے۔ مگر وہ بھی اس بات پر مجبور ہوگیا کہ واقعات کو اس طرح تیار کرے جس طرح کہ وہ ہیں اور انہیں اس طرح بیان کرے جس طرح کے وہ تھے۔

یہ واقعات یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ ان سے ناقابل تردید طور پر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ سلامتی کونسل کے پاس ناطرفدار ذرائع سے کوئی واقعاتی اطلاعات نہیں آئی تھیں کہ کوریا میں ۲۵ رجون سنہ ۱۹۵۰ء کی صبح کو کیا ہوا۔ لہٰذا سلامتی کونسل کو یہ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ شمالی کوریا کی مسلح فوجوں نے پہلے جنوبی کوریا پر حملہ کیا۔ اسے اس بات کا بھی کوئی حق نہیں ہے کہ اس معاملے میں اپنا فیصلہ دے۔ بہرحال سلامتی کونسل نے ذرا بھی توقف کئے بغیر زیادہ تر امریکہ کے دباؤ میں ایک فیصلہ کر ہی ڈالا۔ جسے کچھ لوگ ایسے فیصلے کی طرح پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں گویا کہ یہ اس سوال کا جواب ٹھیک ٹھیک دے دیتا ہے کہ کوریا میں حملہ کی ابتدا کیسے ہوئی۔ اور سچ سچ حملہ آور کون تھا۔

لیکن سچائی کھل کے رہے گی اب روز بروز مضبوط اور قوی آوازیں گونجتی جارہی ہیں جو سلامتی کونسل کے ۲۵ رجون سنہ ۱۹۵۰ء کے فیصلے کے جھوٹ کا سختی سے پردہ فاش کرتی ہیں۔ دن بدن لگاتار سوالات اُٹھتے جارہے ہیں جن کا جواب دینا ہوگا۔ اور جن کا جواب دئے بغیر اب رائے عامہ کو بے کھٹکے بہکانے کی امید نہیں کی جاسکتی۔

اقوام متحدہ کمیشن کے فیصلے کے متعلق جو کل بھی اتنا ہی منصفانہ تھا جتنا کہ آج ہے۔ مسٹر ایچی سن کا ڈرامائی بیان ان حقیقتوں کی روشنی میں مضحکہ خیز بن کر رہ جاتا ہے۔ کیا یہ بیان سنجیدگی کے ساتھ دیا گیا تھا؛

ایچی سن نے کہا "ایک منصفانہ فیصلہ" لیکن کیا منصفانہ فیصلے معقول بنیاد کے بغیر ہی دیدئے جاتے ہیں۔ کیا منصفانہ فیصلے مدعا علیہ کا بیان سُنے، اس کا جواب سُنے بغیر ہی مدعا علیہ کے خلاف دیدیئے جاتے ہیں۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کو آپ ایک منصفانہ فیصلہ کہتے ہیں۔

یہ قطعاً ناجائز ہے کہ فیصلہ جیسے بلند لفظ کا اس بے حُرمتی کے ساتھ بے جا استعمال کیا جائے۔ فیصلہ پنچوں (جیوری) کی رائے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ان ایماندار آدمیوں کی رائے کو ظاہر کرتا ہے جنھیں قانونی مقدموں کے طے کرنے کے لئے کہا گیا ہو۔ نہیں کوئی بھی منصفانہ فیصلہ نہ اقوام متحدہ کمیشن نے دیا اور نہ سلامتی کونسل نے۔ لیکن کسی بھی سچے منصفانہ فیصلے کی پہلی شرط

یہ ہوتی ہے کہ ایمانداری کے ساتھ واقعاتی تحقیقات کرلی جائے کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی فیصلے کو منصفانہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ چاہے قانونی محرر حضرات اس کے بارے میں لاکھ چیختے رہیں۔ سلامتی کونسل میں ۲۵ / ۲۷ / جون اور ۷ / جولائی کو جو کچھ بھی ہوا اس کی حیثیت امریکہ کی ہدایت کاری میں ہونے والے تماشہ سے زیادہ نہ تھی۔ امریکہ کئی برس سے کوریا میں اس قصے کے خونی انجام کی تیاری کر رہا ہے۔ اور اس مقصد سے کوریا کے پُرامن اتحاد میں روڑے اٹکا رہا تھا۔ اور سنگمین ری حکومت اور خود سنگمین ری کی جنگی اسکیموں کی باقاعدہ ہمت افزائی کر رہا تھا۔

۲۵ / جون کو جب سلامتی کونسل نے اپنا فیصلہ لے لیا اور وہ بھی غیر قانونی ترکیب کے ساتھ، تو ہر چیز ایک ہی سمت میں چکر کھانے لگی۔ "شمالی کوریا کی طرف سے حملہ" "شمالی کوریا کی طرف سے حملہ ..... " لیکن واقعات کیا بتاتے تھے؟ سلامتی کونسل کے پاس واقعات تھے ہی نہیں۔ سلامتی کونسل نے فیصلہ جنوبی کوریائی حکومت کے تار کی بنیاد پر لیا تھا جس نے کہ واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا۔ لیکن ہم کو یقین ہے کہ وہ وقت بھی آئے گا جبکہ شمالی کوریا پر جنوبی کوریا کے حملے کا راز پوری طرح کھل کر سامنے آجائے گا۔ آج اس کا عیاں ہونا جتنا ممکن ہے اس سے کہیں زیادہ عیاں ہو جائے گا۔ یہ ایک ایسا راز ہے جسے آج بھی کٹھ پتلی کے تماشے کا راز کہا جا سکتا ہے۔ اور جو ایک عرصہ سے کھلا راز بن کر رہ گیا ہے۔

کوریا کی جنگ اتفاقیہ نہیں ہے۔

کوریا میں جنگ کی امریکی سرمایہ داروں کو ضرورت تھی جو سامنے آتے ہوئے اقتصادی بحران کے آثار کو بدحواسی اور خوف کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ بڑی امید لگائے ہوئے تھے کہ کسی نئی تیزی لانے والی چیز سے امریکہ کی گرتی ہوئی معیشت کو اوپر چڑھا لیں گے۔ یہ تیزی لانے والی چیز کوریائی جنگ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اپنے ساتھ تباہ کاریاں اور لاکھوں انسانوں کی موت ہی نہیں لائی بلکہ موت کے بیوپاریوں کے لئے جنگ کے آرڈروں کا سیلاب اور بے پناہ منافع بھی لیتی آئی۔ اگر جنگ کوریا میں نہ چھڑ گئی ہوتی تو کہیں اور چھیڑنی پڑتی جیسا کہ کوریائی دخل اندازی کے ناظم اور روح رواں بار بار اعلان کر چکے ہیں۔ اتحادیوں کی زمینی فوج کے کمانڈر جنرل وان فلیٹ نے فلی پائن کے افسروں کے ایک گشتی وفد کو بتلایا کہ کوریا کی قسم کی چیز وہاں یا دنیا کے کسی دوسرے حصے میں ہونی لازمی تھی۔

یہ ہے کوریا میں جنگ کی جڑ۔ یہ ہے اس کے شروع ہونے کی بنیاد۔ یہ ہیں وہ حقیقتیں

جو نہ قانون دانوں کی خطابت سے مٹ سکتی ہیں اور نہ وکیلوں کی ستانی سے۔

ایچی سن نے کہا ہے کہ جنگ بندی کی گفتگو کے سلسلے میں امریکی کمان کا صرف ایک مقصد تھا کہ دوبارہ حملہ نہ ہونے کی زیادہ سے زیادہ گارنٹی حاصل کرے۔ لیکن گفتگو کے دوران میں امریکی کمان نے جو رویہ سچ مچ اختیار کیا اس سے اس بیان کی پوری پوری تردید ہو جاتی ہے۔ واقعات یہ ہیں:۔

۱۔ مثلاً ایچی سن نے کہا کہ یہ ضروری ہے کہ عملے کو بدلتے وقت فوجوں کی تعداد کو بڑھنے سے روکا جائے۔ اس تجویز پر کوریائی چینی کمان نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا بلکہ ایک قطعی جائز مانگ یہ رکھی کہ اس معاملے میں بدعنوانیوں کو روکنے کے لئے حالات پیدا کئے جائیں۔ اور عملے کے بدلنے کے بہانے دوسری طرف کی مسلح فوجوں کی طاقت سچ مچ بڑھا لینے کے امکانات باقی نہ رکھے جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ کوریائی چینی کمان کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ اس طرح سے بدلے جانے والے عملے کی تعداد پانچہزار سے زیادہ نہ رکھی جائے۔ لیکن امریکی کمان کا اصرار تھا کہ تعداد پچھتر ہزار رکھی جائے۔ اس نے اس مطالبے پر اتنا زیادہ اصرار کیا کہ کوریائی اور چینی کمان میں اس معاملے میں تعطل سے بچنے کے لئے یہاں تک منظور کر لیا کہ ہر طرف کے بدلے جانے والے سپاہیوں کی تعداد ۳۵ ہزار تک رکھی جا سکتی ہے۔ اس طرح سے کوریائی چینی کمان کی طرف سے بہت بڑی رعایت دے دی گئی۔

۲۔ امریکی کمان کا اصرار تھا کہ کوریائی چینی طرف کے عقب میں جو کچھ ہو رہا ہے اس پر اسے بھی نام نہاد غیر جانبدار کمیشن کی مدد سے کنٹرول کرنے کا حق ہو۔ یہ شمالی کوریا کے اندرونی معاملات میں کھلی مداخلت ہوتی اگر کہ ذریعہ اس نام نہاد غیر جانبدار کمیشن کا ہوتا ظاہر ہے کہ اس سے حملوں کے امکانات ختم ہونے کی گارنٹی نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس نئی نئی وارداتوں کے لئے راستہ کھل جاتا۔ جس سے کہ ہر قسم کی فوجی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

امریکی کمان کافی لمبے عرصہ تک حد بندی کے متعلق بحث کرتا رہا اس کی کوشش یہ تھی کہ لائن اس رُخ سے کھینچی جائے جس سے امریکیوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ اور جو علاقے اس کے قبضے میں آچکے تھے ان پر قبضہ برقرار رہے۔ امریکی کمان نے یہ مہمل مطالبہ پیش کیا کہ حد بندی کی لکیر کھینچنے میں شمالی کوریا کے علاقے کا کافی بڑا حصہ اس کے حوالے کر دیا جائے۔ اس غرض سے اس کا ڈھونگی بیان یہ ہوتا تھا کہ "اقوامِ متحدہ کا وفد اپنی تجویز پر اصرار کا مقصد یہ نہیں ہے

ہے کہ وہ "اقوام متحدہ کی فوجوں" کے مقبوضہ علاقے کو پھیلانا چاہتا ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ "اقوام متحدہ کمان" کو سہولت کی دفاعی لائنیں حاصل کرنی تھیں جنکی اڑتیسویں عرض البلد کے علاقے میں کمی تھی۔ اگر یہ مطالبہ مان لیا جاتا تو تیرہ ہزار مربع کلومیٹر (پانچہزار مربع میل) سے زیادہ رقبہ کا علاقہ یعنی کوریا کی پوری سرزمین کا بیسواں حصہ امریکی کمان کے کنٹرول میں آجاتا۔ ان کا اصرار تھا کہ حد بندی کی لائن خاص طور سے کائی سونگ کے شمال میں کوریا کے مشرقی ساحل تک پھیلی رہے۔ یہ علاقہ اڑتیسویں عرض البلد سے آٹھ کلومیٹر (پانچ میل) اُتر کی طرف تھا۔ جہاں تک جزیرہ نمائے اونگ دِن کے جنوبی حصے کا تعلق ہے۔ وہ اسے کوریائی عوامی جمہوریہ پبلک کے حوالے کرنے کو تیار تھے۔ کیونکہ جیسا کہ امریکی وفد کے ایک ممبر ہوڈس نے کہا۔ وہ اسے چاہے کسی کو (خواہ حبش ہو خواہ آسٹریلیا) دے دیں۔ لیکن ان کے لئے ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا تھا۔

۴۔ ہوا اور سمندر میں جنگ بند کر دینے کی رضامندی دیتے ہوئے امریکی کمان نے مطالبہ کیا کہ معاوضہ کے طور پر شمالی کوریا کی سرزمین کا کچھ حصہ انہیں دیدیا جائے۔

ان تمام امریکی مطالبات سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ حد بندی کی لائن کے بلئے میں سودے بازی کے پیچھے امریکی کمان کا اصلی مقصد کیا تھا۔ اور اس سودے بازی میں تقریباً پورا مہینہ کیوں لگ گیا۔

ایچی سن نے اس حقیقت پر چپی سادھ لی کہ کائی سونگ میں جنگ بندی کی بات چیت کے ساتھ ساتھ کائی سونگ کے غیر جانبدار علاقے میں باقاعدہ فوجی وارداتیں ہو رہی تھیں جو محض جنوبی کوریائی اور امریکی سپاہیوں کی چھیڑ خوانی کی وجہ سے رونما ہوتی تھیں۔ کہیں کوریائی چینی وفد کی موٹر گاڑیوں پر امریکی ہوائی جہاز باقاعدہ چوری چھپے گولے برساتے تھے۔ حالانکہ موٹروں پر سفید جھنڈے لگے ہوتے تھے۔ کہیں پان من جوں میں غیر جانبدار علاقے کی سرحد پر مشین گن چلائی جاتی تھی۔ جہاں سنتریوں پر فائرنگ کی گئی۔ کہیں امریکی ہوائی جہازوں سے جلنے والی چیزوں کے کنسٹر پھینکے جاتے تھے۔ اور جن علاقوں میں کوریائی عوامی فوج اور چینی والنٹیروں کا وفد ٹھہرا ہوا تھا۔ ان پر بم گرائے جاتے تھے اور جو عمارتیں بات چیت کے لئے مقرر کی گئی تھیں ان پر گولے برسائے جاتے تھے۔ ۲۳ سے ۳۱ اگست ۱۹۵۱ء تک آٹھ ہی دن کے اندر امریکی ہوائی جہازوں نے کائی سونگ کے علاقے کی فضا میں بارہ مرتبہ دخل اندازی کی۔ اور پہلی ستمبر کو تو جنرل نام اِر کی قیام گاہ کے قریب ہی بم گرادئے۔

ستمبر کے پہلے ہفتے میں امریکیوں نے کائی سونگ کے غیر جانبدار علاقے کے اوپر سے اُڑانیں کیں اور بات چیت کی جگہوں پر فائرنگ کی۔ ان حالات میں اپنے آپ کو روکنے کی بہت زیادہ ضرورت تھی تاکہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اور مختلف سوالات پر جنھیں امریکی کمان نے جان بوجھ کر اور بھی پیچیدہ بنا دیا ہے۔ سمجھوتہ کرنے کی خواہش ظاہر ہوتی رہی ہے۔ اس کے باوجود کوریا اور چین والے جنگ بندی کی بات چیت میں پڑنے والے بہت سے اڑنگوں کو دُور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کوریائی چینی طرف کی اسی لچکدار سچی امن پسند اور ایمانداری سے بھری ہوئی حکمتِ عملی کا فیض تھا کہ معاہدۂ جنگ بندی کی ساٹھ سے زیادہ دفعات پر سمجھوتہ ہو سکا۔

پھر بھی ایک اہم سوال پر سمجھوتہ نہ ہو سکا۔ اور اس سوال نے سچ مچ بڑی سخت شکل اختیار کر لی۔ یہ سوال جنگی قیدیوں کے تبادلے کا سوال ہے۔ یہ مسئلہ کافی اہم ہے لہٰذا اس کا گہرائی سے جائزہ لینا چاہیئے خصوصاً اس حالت میں جبکہ امریکی وفد پچھلے کئی مواقع کی طرح آج امریکی کمان کو اس رویہ کو اقوام متحدہ کے نظریے کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے جسے ہرگز ہرگز قبول نہیں کیا جا سکتا جو اس معاملے میں بین الاقوامی قانون کے بنیادی اصولوں کی تردید کرتا ہے۔

جیسا کہ مسٹر ایچی سن نے یہاں بتلایا جنگی قیدیوں کا سوال امریکی طرف والوں کے لئے قطعاً غیر متوقع سوال نہ تھا۔ حقیقت میں یہ سوال کائی سونگ کی جنگ بندی کی گفتگو میں شروع ہی سے ایجنڈے پر تھا۔

میں تفصیل میں گئے بغیر صرف جنگی قیدیوں کے سلسلے میں ہونے والی بات چیت کے اہم ترین منزلوں کا ہلکا سا ذکر کروں گا۔ ۱۲ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو کوریائی چینی طرف نے اس سوال کے متعلق مندرجہ ذیل تجویز رکھی:۔

طرفین کی حراست میں جتنے بھی جنگی قیدی ہیں سبھی چھوڑ دیے جائیں۔ جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد جتنا جلد ہو سکے طرفین کی حراست کے تمام جنگی قیدیوں کو گروپوں میں رہا کیا جائے۔ اور انہیں واپس بھیج دیا جائے۔ اور سب سے پہلے ان جنگی قیدیوں کو چھوڑا جائے جو بُری طرح گھائل یا سخت بیمار ہوں۔ فوجی جنگی بندی کمیشن کی ماتحتی میں ایک واپسی کمیشن بنایا جائے جس میں دونوں طرف کے نمائندے برابر تعداد میں شامل ہوں اور

ان باتوں پر سمجھوتہ ہو جانے کے فوراً بعد طرفین کی حراست کے جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی ایک فہرست مرتب کی جائے۔

ان تجویزوں کے اصل مُدعا کے متعلق کوئی جواب دینے کے بدلے امریکی طرف والوں نے الٹی میٹم کی شکل میں مطالبہ کیا کہ کوریائی چینی طرف والے جنگی قیدیوں کے متعلق اطلاعات پیش کریں اور نام نہاد بین الاقوامی ریڈکراس کمیٹی کے نمائندے جنگی قیدیوں کے کیمپوں کو جاکر دیکھیں۔ اور جب تک اس طرح کی اطلاعات پیش نہیں کی جاتیں چینی کوریائی طرف کی تجویز پر حقیقتاً بحث نہ ہوگی۔

کوریائی چینی طرف نے گیارہ ہزار پانچ سو اُنسٹھ جنگی قیدیوں کے لئے مطلوبہ اطلاعات پیش کیں۔ ادھر امریکی وفد نے ایک لاکھ ۲۷ ہزار چار سو ۴۷ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی فہرست داخل کی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ بین الاقوامی ریڈکراس کمیٹی کو ایک لاکھ ۷۶ ہزار چھ سو ۷۹ جنگی قیدیوں کی فہرست دے چکا تھا۔

مسٹر ایچی سن نے کہا کہ ۳۷ ہزار آدمیوں کو محض "دوبارہ درجہ بندی" کر کے چھوڑ دیا گیا کیونکہ پتہ چلا کہ وہ لوگ جنگی قیدی نہیں بلکہ غیر فوجی شہری تھے۔ بعد کو امریکی کمان نے اسی طرح گیارہ ہزار آدمیوں کی دوبارہ "درجہ بندی" کردی۔

کوریائی چینی طرف نے مطالبہ کیا کہ امریکی وفد یہ اطلاع دے کہ ایک ہزار چار سو ۵۶ جنگی قیدیوں کا حشر کیا ہوا۔ جن کے نام ۱۸ر دسمبر کو جنگی قیدیوں کی مجموعی تعداد میں شامل تھے لیکن بعد کی فہرستوں میں نہیں دیئے گئے۔ ساتھ ہی امریکی وفد ان ۴۴ ہزار دو سو پانچ جنگی قیدیوں کے انجام کے متعلق بھی بتلائے جن کے نام پہلے ان فہرستوں میں شامل تھے جنھیں امریکیوں نے بین الاقوامی ریڈکراس کمیٹی کے ذریعے پیش کیا تھا۔ لیکن ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۱ء کی فہرستوں میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ امریکی طرف نے کہا کہ ۴۴ ہزار جنگی قیدیوں کے متعلق اطلاعات بہت فرسودہ ہو چکی ہیں اور یہ جنگی قیدی چھوڑے جا چکے ہیں۔ لیکن اسے بعد کو اقرار کرنا پڑا کہ ان لوگوں کو امریکی کیمپوں میں رکھا گیا ہے اور ان کے نام ۱۸ر دسمبر والی فہرست میں شامل نہیں کئے گئے کیونکہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ غیر فوجی شہری تھے۔ رہنے والے جنوبی کوریا کے ہیں۔ اور زبردستی کوریائی عوامی فوج میں بھرتی کر لئے گئے تھے۔

۳۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو امریکی وفد نے ۳ر جنوری تک جنگی قیدیوں کے متعلق پوری اطلاعات بہم پہنچا دینے کا وعدہ کیا۔ ۳ر جنوری کو اس نے پھر اپنے وعدے کو دہرایا۔ لیکن کسی قسم کی اطلاعات پیش نہیں کیں۔ ۱۲ر جنوری کو اس نے کہا کہ جب تک جنگ بندی کا معاہدہ نہ ہو جائے جنگی قیدیوں کے متعلق اطلاعات بہم پہنچانے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۵ر جنوری کو اس نے اعلان کیا کہ کوریائی چینی طرف سے اگر جنوبی کوریائی جنگی قیدیوں کے متعلق زائد (فروعی) اطلاعات پیش کی جائیں تو اس کے بدلے میں وہ ابتدائی (بنیادی) اطلاعات پیش کرے گا۔ پھر ۱۸ر جنوری کو اس نے اعلان کیا کہ اطلاعات ابتدائی نہیں ہیں۔ اور انھیں ۴۴ ہزار ۲ سو پانچ جنگی قیدیوں کے متعلق اطلاعات شامل نہ ہوں گی۔

آخر کار ۲۸ر جنوری ۱۹۵۲ء کو امریکی طرف سے اطلاعات داخل ہوئیں۔ مگر صرف ایک لاکھ ۳۲ ہزار چار سو ۴۷ جنگی قیدیوں کے متعلق۔

اب مسٹر ایچی سن کہتے ہیں کہ امریکی کیمپوں میں لے دے کے کل ایک لاکھ ۲۱ ہزار کوریائی اور چینی جنگی قیدی موجود ہیں۔ ہمیں "رجوے" کے ہیڈکوارٹر کا ۳۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء والا اقرار نظر انداز نہیں کر دینا چاہیئے۔ جس میں انھوں نے کہا تھا کہ جنگ کے شروع میں ایک لاکھ چالیس ہزار جنگی قیدی ہاتھ آئے تھے۔ جن میں سے تقریباً سات ہزار امریکی کیمپوں میں مر گئے۔

ان تمام باتوں کا اثر گفتگو پر پڑنا لازمی تھا۔ اسی طرح کا منفی اثر امریکی طرف سے اُٹھائی جانے والی مانگوں سے پڑتا تھا۔ مثلاً یہ کہ جنگی قیدیوں کا تبادلہ ایک کے بدلے ایک کی بنیاد پر ہو۔ یا یہ امریکی تجویز کے نام نہاد بین الاقوامی ریڈکراس کمیٹی یہ طے کرنے کا کام اپنے ذمے لے کہ کہیں جنگی قیدیوں اور غیر فوجی شہریوں کی واپسی کا فیصلہ دباؤ میں تو نہیں ہو رہا ہے۔

یہ بھی ایک عجوبہ روزگار پوزیشن ہے! لوگ کہتے ہیں کہ ہم واپسی چاہتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک خاص کمیشن کو یہ تصدیق کرنے کی ہدایت دی جاتی ہے کہ آیا وہ لوگ سچ مچ واپس ہونا چاہتے۔ کیا یہ کسی دباؤ کے ماتحت تو نہیں ہو رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور تجویز امریکی کمان کی یہ تھی کہ جو کوریائی جنگی قیدی ۲۵ر جون ۱۹۵۰ء سے قبل جنوبی یا شمالی کوریا کے شہری تھے انھیں غیر فوجی شہری سمجھا جائے۔ اگر یہ تجویز مان لی جاتی تو ساٹھ ہزار کوریائی جنگی قیدی خود بخود غیر فوجی شہریوں کے زمرے میں آ گئے ہوتے۔

اس طرح کی چالبازی کی ترکیبیں ان تمام غیر قانونی تجویزوں کے پیچھے چل رہی تھیں۔

قدرتی بات ہے کہ کوریائی چینی طرف نے امریکی طرف کی ان غیر قانونی مطالبات کو سختی کے ساتھ نامنظور کر دیا۔ ان مطالبات کا مقصد محض یہ تھا کہ ایک لاکھ ۶۵ ہزار جنگی قیدی کوریائی عوامی فوج کے سپاہی، چینی عوامی والنٹیر اور کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک کے لاکھوں زبردستی جلاوطن کئے ہوئے غیر فوجی شہری روک لئے جائیں۔ اس کی کھلی غرض یہ تھی کہ ان جنگی قیدیوں کو چیانگ کائی شیک اور سنگمین ری کے رحم و کرم پر ڈال دیا جائے۔

جب جنگی قیدیوں کا مسئلہ دونوں طرف کے عملہ کے افسروں کے سامنے پیش کیا گیا اور ان افسروں نے اپنا کام شروع کر دیا تو امریکی طرف نے ایک بار پھر اپنی نام نہاد "رضا کارانہ واپسی" والی تجویز سامنے رکھدی۔ تب سے لیکر آج تک یہ مانگ امریکی طرف سے بلا ناغہ دہرائی جاتی رہی ہے۔ اور جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے یہ مانگ اور زیادہ دباؤ ڈالنے کا حربہ بن گئی۔ جسے امریکی وفد اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتا رہا۔ اور یہ ایسے مقاصد تھے جن کا معاہدہ جنگ بندی کرنے کے مقصد سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے۔

بہرحال، جب ۲۱ مارچ کو کوریائی چینی طرف نے جنگی قیدیوں کے مسئلہ پر سمجھوتہ کرنے کی ایک اور کوشش کی۔ اور تجویز رکھی کہ معاہدہ جنگ بندی پر دستخط ہو جائیں تو کوریائی عوامی فوج اور چینی عوامی والنٹیر اپنی حراست کے ساڑھے گیارہ ہزار جنگی قیدیوں کو تمام کے تمام رہا کر کے واپس کر دیں گے اور امریکی کمان کو چاہیئے کہ اس کی حراست میں جو ایک لاکھ ۳۲ ہزار چارسو ۷۴ جنگی قیدی ہیں انھیں بھی تمام کے تمام رہا کر کے واپس کر دے۔ ان جنگی قیدیوں کی فہرست کی آخری جانچ دونوں طرف کے افسر کریں گے۔ ۲۵ مارچ کو امریکی وفد نے اعلان کیا کہ کوریائی چینی طرف کی یہ تجویزیں تھوڑے بہت ردوبدل کے ساتھ اس مسئلہ کے حل کرنے کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

ایک بار پھر امید کی کرن جھلک اٹھی کہ جنگ بندی کی گفتگو کامیابی سے سرانجام ہو جائے گی۔

چونکہ امریکی طرف نے اصولی طور سے منظوری دیدی تھی لہذا کوریائی چینی وفد نے ٹھوس تجویزیں پیش کیں جن کا مطلب یہ تھا کہ جو غیر کوریائی جنگی قیدی کسی طرف کی حراست میں ہوں اور جن کوریائی جنگی قیدیوں کا گھر ان کے گرفتار کرنے والی طرف کے کنٹرول کے باہر ہو ان سب کو

واپس کردیا جائے۔ لیکن جن کوریائی جنگی قیدیوں کا گھر انھیں گرفتار کرنے والی طرف کے کنٹرول کے اندر ہو، انھیں واپس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر وہ گھر لوٹ کر پُرامن زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔

جنگی قیدیوں کے سوال پر جولائی، اگست اور ستمبر ۱۹۵۲ء کے دوران میں بحث ہوتی رہی گو کہ طرفین میں معاہدہ جنگ بندی کے مسودے کی دفعات ۵۱ و ۵۲ پر ۴ر جولائی پر سمجھوتہ ہوگیا تھا۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں۔ دفعہ ۵۱ میں یہ شرط رکھی گئی ہے کہ جیسے ہی معاہدۂ جنگ بندی پر ہونے لگے گا تو تمام جنگی قیدی جو اس وقت طرفین کی حراست میں ہوں گے۔ اس پیراگراف میں بیان شدہ فہرستوں کے مطابق رہا کردئے جائیں گے اور انہیں جلد سے جلد واپس کردیا جائے گا۔ ان فہرستوں کا تبادلہ ہوچکا ہے اور معاہدہ جنگ بندی دستخط ہونے سے پہلے ان کی آخری جانچ کرلینی ہوگی۔ دفعہ ۵۲ میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی جنگی قیدی کو پھر سے جنگ میں حصہ لینے کی اجازت نہ ہوگی اور تمام جنگی قیدیوں کو پُرامن کاموں میں لگ جانا ہوگا۔

بعد کو امریکی وفد نے اعلان کیا کہ وہ صرف ۸۳ ہزار کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی واپسی پر رضامند ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا بہت بڑی تعداد میں گرفتار شدہ کوریائیوں اور چینیوں کو روکے رکھنے کا ارادہ ہے۔ تب کوریائی چینی وفد نے کہا کہ یہ تجویز معاہدۂ جنگ بندی کے مسودے کی دفعات ۵۱، ۵۲ کے اصولوں کے خلاف ہے لہٰذا اس نے امریکی تجویز کو نامنظور کردیا۔ تب امریکیوں نے کہا کہ ان کی تجویز اٹل اور پختہ ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہ کہہ کر انھوں نے معاملے کے نفس مضمون پر بحث کرنے سے انکار کردیا۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ۵ فروری ۱۹۵۲ء کو امریکی وفد نے دفعہ ۵۲ کو مندرجہ ذیل شکل میں پیش کیا:۔

تمام جنگی قیدی جو طرفین کی حراست میں ہیں۔ موجودہ معاہدہ جنگ بندی کے عمل میں آتے ہی جلد سے جلد رہا کردئے جائیں گے۔ اس طرح جو تمام جنگی قیدی رہا کئے جائیں گے انھیں واپس یا دوسری طرف کے حوالے کردیا جائے گا۔ لیکن کسی قسم کی جبری واپسی یا جبر جبری

تبادلہ نہ ہوگا۔

جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوگیا کہ امریکی کمان حقیقت میں جنگی قیدیوں کو زبردستی روک رکھنے کے لئے اقدامات کر رہا تھا۔ مہینوں تک امریکی فوجی کمان جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں اقدامات کے ایک پورے سلسلے کی مشق کرتا رہا تاکہ جنگی قیدی دہشت زدہ ہوجائیں اور واپسی نامنظور کر دیں۔ امریکی کمان کیمپوں کے اندر سنگمین ری اور چیانگ کائی شیک کے ایجنٹوں کو ذمہ داری کی جگہوں پر تعینات کیا اور امریکی کمان کے حکم پر انھوں نے ان کیمپوں میں ہر قسم کے شدائد اور مظالم کئے۔ اس سلسلے میں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ گرفتار شدہ کوریائیوں اور چینیوں کو گودا جاتا تھا اور انھیں اپنے خون سے بیانات لکھنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ اور جو لوگ انکار کرتے تھے انھیں مارا پیٹا یا قتل کر دیا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا تھا کہ شکنجے میں جکڑے اور ستائے ہوئے جنگی قیدیوں سے اس قسم کے بیانات حاصل کرلئے جائیں کہ انھیں گھر واپس جانے سے انکار ہے۔

ساتھ ہی گفتگو کے دوران میں بھی امریکیوں نے جنگی قیدیوں پر "انٹروگیشن" (تفتیش) اور "اسکرینگ" (اندرونی چھان بین) کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

"انٹروگیشن" کا بار بار ہونا خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ابتدائی "انٹروگیشن" اس قدر غلط تھے کہ ان سے کسی قسم کا اعتماد پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔ ورنہ اس طرح کے متواتر "انٹروگیشن" کی ضرورت کیوں پڑتی ہے۔ ان انٹروگیشنوں کی چاہے جو بھی شکل رہی ہو چاہے ان کا طریقہ کچھ بھی رہا ہو، لیکن ان کا بار بار ہونا خود بین الاقوامی قوانین کے بنیادی اصولوں کی بدترین خلاف ورزی اور تحقیر تھی۔

بہت سے ناقابل تردید واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کوریائی اور چینی سپاہیوں کے ساتھ امریکی قید میں وحشیانہ برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ ان واقعات کی رپورٹوں سے آزاد اور خود مختار اخباروں کے کالم بھرے ہوتے ہیں اور خود امریکیوں اور ان کی ممدوح نام نہاد بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی نے ان واقعات کی تصدیق کردی ہے۔ میں یہاں تھوڑے ہی سے واقعات کا ذکر کروں گا۔

فروری اور مئی ۱۹۵۲ء میں کوجے کے جزیرے پر جو خونی واقعات رونما ہوئے ان سے یہ تصویر اچھی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ امریکی کیمپوں میں کس طرح کے ناقابل برداشت

حالات کا دور دورہ تھا بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کی رپورٹ جسے اس جزیرے کے کیمپ کمانڈر کرنل فز جیرلڈ نے پیش کیا تھا۔ ۱۸ رفروری کے واقعات کے متعلق معلومات بہم پہنچاتی ہے۔ کرنل نے ۱۸ رفروری کے واقعات کے بارے میں یوں لکھا ہے:۔

جب ہیڈ کوارٹر سے یہ ہدایات ملیں کہ جنگی قیدیوں اور نظر بند غیر فوجی شہریوں کو ذاتی طور سے خفیہ بیلٹ کے ذریعے بتلانا ہوگا کہ آیا وہ ایک اور اسکریننگ کروانا چاہتے ہیں یا نہیں۔ تو حلقہ نمبر ۶۲ کے جنگی قیدیوں نے اس طریقۂ کار کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس سلسلے میں معاملے پر پوری بحث ہوئی اور آخر میں یہ طے پایا کہ قیدیوں کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں توڑنے کے لئے فوجیں استعمال کرنی ہوں گی۔ فز جیرلڈ کی رپورٹ ہے کہ اس مقصد سے ایک اسکیم تیار کر کے پاس کی گئی اور اُسے عملی جامہ پہنایا گیا۔

اس کے معنی کیا ہوئے؟ وہ لوگوں سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم واپس ہونا چاہتے ہو یا نہیں اور اس تفتیش کے لئے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پولیس کا عام طریقہ ہے جو متعدد لوگوں کے ایک اجتماع کو توڑ کر الگ الگ افراد کی شکل میں بانٹ دینے کی کوشش کرتی ہے تاکہ ناقص لوگوں کے ساتھ اور زیادہ آسانی سے نبٹا جا سکے۔ اور ان سے اور زیادہ آسانی کے ساتھ یہ رضامندی لے لی جائے کہ وہ گھر واپس نہیں جانا چاہتے۔ یہ ایک بات ہی اس چیز کو اچھی طرح واضح کر دیتی ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا تھا کہ جاسوسی پولیس اور فوجی حاکم جو کچھ مطالبہ کرتے ہیں اس پر پستول اور توپ کا دہانہ دکھلا کر رضامندی حاصل کر لی جائے۔ اس کا اقرار کیمپ کے کمانڈنٹ کرنل فز جیرلڈ نے کیا ہے۔

یہ تھی معاملات کی اصل شکل۔ کیا ان حالات میں اس بات کا ماننا ممکن ہے کہ ان شرمناک اقدامات کے پیچھے وہ انسان دوستی کے مقاصد چھپے ہوئے تھے جن کے بارے میں یہاں مسٹر ایچی سن نے اتنی لمبی چوڑی باتیں کیں ہیں کہ یہ سب کچھ بقول ان کے جنگی قیدیوں کو قتل کر دیا گیا تاکہ وہ بچا لئے جائیں۔ یہ ہے ایچی سن کا فارمولا۔

فز جیرلڈ نے جو کچھ کہا ہے اس میں سے کچھ اور سن لیجئے۔

انھوں نے کہا ہے کہ حلقہ میں گارد لگا دی گئی اور قیدیوں کو چھوٹے چھوٹے گروپوں میں بانٹ دیا گیا۔ ہر چیز اطمینان سے اس وقت تک چلتی رہی۔ یہاں تک کہ کمیونسٹ تحریک

پسند، جن کی حلقہ میں اچھی خاصی تعداد تھی اقوام متحدہ کے سپاہیوں پر جنگی قیدیوں کی ایک بٹالین پر حملہ کرنے کے لئے مشتعل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

تمام قیدی لوہے کی سلاخوں، ڈنڈوں اور کانٹے دار تار کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ بڑی بڑی چٹانیں اور فوراً بنی ہوئی غزابیں سپاہیوں پر برسنے لگیں۔ اس حملے کو پسپا کرنے کے لئے فوجوں کو مجبوراً حفاظتِ خود اختیاری کے فیصلہ کن اقدامات کرنے پڑے۔ پورے مظاہرے کے دوران میں کمیونسٹ جھنڈے اور کتبے لہراتے رہے۔ اور تمام باتوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ حملہ اقوام متحدہ کی فوجوں کو بھگا دینے کے مقصد سے ہوا تھا۔

فرز جیرلڈ نے کہا ہے کہ وہ قیدیوں کے حملے کے دوران میں موجود نہیں تھے، کیونکہ وہ اسکیم کا پہلا حصہ سرانجام ہونے کے بعد ہی حلقے سے باہر چلے گئے تھے۔ جب وہ حلقہ میں واپس آئے تو انہیں واردات کی اطلاع ملی۔ انھوں نے تحقیقات کی اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس وقت اس کام کو پورا کرنا ناممکن ہے۔ لہٰذا انھوں نے فوجوں کے ہٹا لینے کا حکم جاری کر دیا تاکہ مزید خونریزی نہ ہو۔

سب سے پہلے غور کرنے کی یہ بات ہے کہ کرنل فرز جیرلڈ خود ان واقعات کے چشم دید گواہ نہیں ہیں۔ جنھیں کہ انھوں نے صحیح طور پر نہتے قیدیوں پر امریکی فوجوں کا حملہ بتلانے کے بجائے "قیدیوں کا حملہ" کہا ہے۔ لہٰذا ان کے بیان میں صرف اتنی سی بات سچی ہے کہ وہ نام نہاد "اسکریننگ" (اندرونی چھان بین) جسے مسٹر ایچی سن "پوچھ گچھ" (کش چیننگ) کا نام دینا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ امریکی ہتھیاروں کے بل پر کی گئی جبکہ قیدیوں کو زبردستی چھوٹے چھوٹے گروپوں میں بانٹ دیا گیا تھا تاکہ ان سے نبٹنا آسان ہو جائے۔

کرنل فرز جیرلڈ کا بیان نام نہاد بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کے نمائندوں کی اطلاعات سے جو رپورٹ کے دعوے کے مطابق براہ راست حاصل کی گئی ہیں بُری طرح تضاد رکھتا ہے۔

رپورٹ یوں کہتی ہے کہ:۔

۱۸ فروری کو قریب ۴ بجے صبح کے وقت پوری طرح مسلح فوجوں کا تقریباً ایک رجمنٹ حلقے میں کسی قسم کی آگاہی دیئے بغیر داخل ہو گیا۔ چند قیدیوں کو چھوڑ کر جو کہ خیمہ میں پہرے پر تھے تقریباً سبھی سو رہے تھے۔ فوجوں نے دوسرے خیموں کو گھیر لیا جن میں

قیدیوں کے نمائندے کا خیمہ بھی شامل تھا جو کہ کیمپ کے حاکموں سے مل نہ سکا تھا۔

قیدیوں کو سنگینوں کی نوک دکھلا کر خیموں کے اندر رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ تو معلوم تھا ہی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے دو ایک نے باہر نکلنے کی کوشش کی، اور ان پر گولیاں برسنے لگیں۔ ڈر کے مارے اور یہ خیال کر کے کہ وہ سبھی مار ڈالے جائیں گے قیدی اپنی جان بچانے کے لئے خیموں سے باہر بھاگ نکلے۔ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے فوجوں نے ان پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔

اصل میں واقعہ اس طرح تھا جس طرح کہ بیان کیا گیا۔ کرنل فز جیرلڈ نے اپنے جلادوں کو بری ثابت کرنے کے لئے جس طرح جھوٹ بولا ہے، حقیقت اس طرح کی نہیں ہے ریڈ کراس کی رپورٹ میں آگے چل کر کہا گیا ہے کہ پو پھٹتے ہی قیدیوں کے نمائندے نے ایک بار پھر فوجوں کے کمانڈر سے بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ وہ قیدیوں کو بھی قابو میں رکھنے کی ناکام کوششیں کرتا رہا۔ اس کے ساتھیوں میں سے جو ایک قیدیوں کے تیسرے بٹالین کا لیڈر تھا اور جس نے کہ اسے کمانڈر سے بات چیت کرنے کی کوشش میں مدد دی تھی گولی سے مار ڈالا گیا۔ اسی وقت تقریباً آٹھ بجے کرنل فز جیرلڈ موقع پر آ پہنچے۔ ان کی موجودگی میں کچھ اور گولیاں قیدیوں پر چلائی گئیں جو کہ گا رہے تھے۔

یہ ہے اس خونریزی کی داستان۔ جسے کہ قیدیوں کے نمائندے اور اس کے نائب یعنی جنگی قیدیوں کے تیسرے بٹالین کے لیڈر نے روکنے کی کوشش کی۔۔۔ ان کی کوشش بیکار ثابت ہوئی۔ لیڈر قتل کر دیا گیا اور قیدی جو کہ قومی گیت اپنا قومی ترانہ گا رہے تھے گولی سے اڑا دیئے گئے۔

ریڈ کراس کمیٹی کی رپورٹ بتلاتی ہے کہ کچھ اور قیدیوں کے قتل ہو جانے کے بعد کمانڈنٹ نے قیدیوں کو بیٹھ جانے کی ہدایت دی۔ اور قتل ہونے والوں کے لاشے ان کے سامنے پڑے تھے۔

رپورٹ میں آگے چل کر کہا گیا ہے کہ کرنل فز جیرلڈ بار بار کہتے رہے کہ فوجیں ہٹالی جائیں گی۔ لیکن فوجیں ہٹائی نہیں گئیں۔ تب قیدیوں کے نمائندے نے کرنل فز جیرلڈ سے ساتھ ساتھ مل کر معائنہ کرنے کے لئے کہا تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ سچ مچ ہوا کیا تھا وہ (کرنل

فرز جیرلڈ) اس بات کے لئے راضی ہو گئے اور انھوں نے قیدیوں کے نمائندے اور رہناؤں کے ساتھ مل کر دیکھا کہ کتنا نقصان ہوا ہے۔ اور ایک زخمی جو اُن کو مدد کے لئے بلا رہا تھا، اس کی باتیں سُنیں۔

وہ کھانا کھانے کی بارکوں میں گئے جہاں پورے کا پورا عملہ پہرے پر تھا۔ قیدیوں کے نمائندے نے درخواست کی کہ ان لوگوں کو چھوڑ دیا جائے۔ لیکن یہ درخواست نامنظور کر دی گئی۔ وہاں سے وہ سب لوگ اس سیکشن میں گئے جہاں اصطبل تھا۔ راستے میں انھوں نے چالیس قیدیوں کو دیکھا۔ جن کے ہاتھ سر کے پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ اور وہ پہرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک رائفل کے کندے کی چوٹ سے زخمی تھا۔ قیدیوں کے نمائندے کو معلوم نہیں کہ آیا کمانڈنٹ نے اس چیز کو دیکھا کہ نہیں دیکھا۔ سپاہیوں نے اس کے آدمیوں کو (مقتولین اور زخمیوں) کو اسپتال نہیں لے جانے دیا۔ بعد کو انھوں نے دوسرے قیدیوں کو دیکھا جو ابھی بھی خیموں کے اندر تھے۔ قیدیوں کے نمائندے کی درخواست پر کرنل نے ان کی رہائی کا حکم دے دیا۔ وہ اپنے خیموں سے باہر آئے اور انھوں نے زمین پر بیٹھ جانے کا حکم پورا کیا۔

ایک دوسرے افسر نے اعلان کیا کہ سپاہی لاپتہ ہیں۔ افسروں نے اس حلقے کی تلاشی لی۔ ایک بھی امریکی سپاہی نہیں ملا۔ لیکن کئی زخمی قیدیوں کا پتہ لگ گیا۔

قیدیوں کے نمائندے نے سپاہیوں کی لاشوں پر ٹھوکریں مارتے ہوئے دیکھا۔ لاشیں ٹرکوں پر لاد دی گئیں۔ اور ان کا ڈاکٹری معائنہ نہیں ہوا۔ قیدیوں کے نمائندے کا معروضہ ہے کہ کچھ لوگ جنھیں مُردہ سمجھ لیا گیا تھا اصلیت میں زندہ تھے۔ قیدیوں کا نمائندہ اور قیدی اسپتال میں لاشوں کی تعداد گننے سے قاصر رہے۔ جب فوجیں ہٹالی گئیں تو قیدیوں کے نمائندے نے کیمپ کمانڈنٹ سے کہا کہ اس سے ملے تاکہ جو واقعہ ہو چکا ہے اس پر غور کیا جا سکے۔ کمانڈنٹ نے کہا کہ وہ دس بجے واپس آئے گا۔ لیکن واپس نہیں آیا۔

اپنی رپورٹ میں ریڈ کراس کمیٹی کے نمائندے نے بتلایا ہے کہ جزیرہ کوجے کیمپ کے حلقہ نمبر ۶۲، جہاں ۱۸ر فروری کے واقعات ہوئے تھے۔ وہاں کے قیدی جنوبی کوریا کے رہنے والے تھے۔ لیکن شمالی کوریائی فوج کی صفوں میں جنگ کرتے ہوئے گرفتار کئے گئے تھے۔ اس سال جب ان سے ۱۸ر اور ۱۹ر فروری ۱۹۵۲ء کو ملاقات کی گئی۔ تو انھوں نے

کہاکہ معاہدہ جنگ بندی پر دستخط ہوجانے کے بعد وہ شمالی کوریا واپس نہیں ہونا چاہتے۔ انھیں جنوبی کوریا کا شہری تسلیم کر لیا گیا۔ اور وہ نظر بند غیر فوجی شہریوں کی طرح رکھ لئے گئے۔ مگر بعد کو انھیں قیدیوں میں سے کچھ نے خواہش ظاہر کی کہ معاہدہ جنگ بندی کے بعد انھیں شمالی کوریا بھیج دیا جائے۔ لہٰذا کیمپ کے اعلیٰ حاکموں نے ایک نئی اسکریننگ (اندرونی چھان بین) کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ ٹھیک ٹھیک معلوم ہو سکے کہ کون جنوبی کوریا میں رہنا چاہتا ہے اور کون چاہتا ہے کہ اُسے شمالی کوریا بھیج دیا جائے۔

قیدیوں نے اس نئی اسکریننگ پر اعتراض کیا۔ ریڈکراس کمیٹی کے نمائندوں نے قیدیوں سے بات چیت کے دوران میں کہاکہ چونکہ وہ ایک دستاویز اس مطلب کی لکھ چکے ہیں کہ وہ جنوبی کوریائی تسلیم کیا جانا چاہتے ہیں کہ لہٰذا اب جبکہ انھوں نے اپنی رائے بدل دی ہے تو انہیں ایک نئی دستاویز پر دستخط کر دینے چاہئیں۔ قیدیوں کے رہنما نے اعلان کیاکہ وہ لوگ دوسری اسکریننگ کے لئے تیار ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہاکہ پہلی اسکریننگ کے دوران میں ان پر سخت دباؤ ڈالا گیا تھا۔

یہ ہے اصلی تصویر۔ چاہے ریڈکراس کمیٹی کی رپورٹ وہ سب کچھ نہ کہے جو کہ ایک سچی بین الاقوامی ریڈکراس کمیٹی کہنے پر مجبور ہوتی۔ پھر بھی اس رپورٹ میں بہت کچھ موجود ہے۔ جس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہے امریکی کمان کے خلاف فیصلہ۔ یہ ایک فیصلہ ہے جس سے مسٹر ایچی سن کی جان بچ نہیں سکتی۔ جس کے بارے میں انھوں نے خاموش رہنا ہی زیادہ بہتر سمجھا تھا۔ شاید مسٹر ایچی سن اس فیصلے کے بارے میں اب کچھ نہ کہیں گے۔

یہ بات اپنی جگہ پر اہم ہے کہ ریڈکراس کمیٹی کی رپورٹ جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس کے نمائندے کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔ اور گمان غالب یہ ہے کہ اگر جنیوا کے گمنام رسالہ "ریویو انٹرنیشنال دلاکرائے روژ" (ریڈکراس کا بین الاقوامی ریویو) میں اپریل میں یہ رپورٹ چھپی نہ ہوتی تو شاید کسی کو اس کے بارے میں پتہ بھی نہ چلتا۔ یہ رپورٹ کہاں ہے؟ وہ نمائندوں کے پاس کیوں نہیں بھیجی گئی۔ کسی شخص کو بھی اس کے بارے میں خبر کیوں نہیں ہے وہ چھپا کیوں لی گئی ہے؟ اس کے لئے ذمہ دار کون ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کو اس کا جواب دینا چاہیئے۔ اور اس سے اس کا مواخذہ کرنا چاہیئے۔

رپورٹ بڑی صفائی سے بتلاتی ہے کہ امریکی کمان نے بقول مسٹر ایچی سن کوریائی اور

چینی جنگی قیدیوں کو ان کے لیڈروں کی مطلق العنانی اور انتقامی کارروائیوں سے "بچانے" کے لئے "پوچھ گچھ" کے لئے کیسے طریقے اختیار کئے ہیں۔

ایچی سن نے یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ واپس جانا منظور نہیں کریں گے۔ اور انھیں گھر بھیجنے کی جتنی بھی کوششیں ہوئیں انھوں نے سب کا زور دار مقابلہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ فروری کی صبح کو امریکی پیدل فوج نے پوری طرح مسلح ہو کر جزیرہ کوجے کے جنگی قیدیوں کے کیمپ پر حملہ کیا، تاکہ جنگی قیدیوں کا کوریا اور چین کی جانب تبادلہ روکا جا سکے۔ مگر یہ بات ایچی سن کے اس بیان سے میل نہیں کھاتی کہ انھوں (امریکی حکومت) نے جنگی قیدیوں کی جانچ میں زیادہ سے زیادہ احتیاط برتنے کی کوشش کی۔ اور جنگی قیدیوں کی ہمت افزائی کی کہ وہ واپسی پر راضی ہو جائیں۔

ایچی سن کو کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے قتلِ عام کو جائز ٹھہرانے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوئی۔ اور انھوں نے اعلان کیا کہ ضبط و نظم بحال کرنے کے لئے طاقت کا استعمال ضروری تھا۔ مسٹر ایچی سن کے اس بیان پر کسی کو تعجب نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ کہ انسانیت سوز جراثیمی ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ جو لوگ اخلاقِ انسانی کے معمولی سے معمولی تقاضے اور بین الاقوامی قانون کی باقاعدہ خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں ان سے نہتے جنگی قیدیوں کے قتل عام پر کسی دوسرے رویے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ یہ کوئی اتفاقیہ بات نہیں ہے کہ سات مئی کو جزیرہ کوجے میں کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کا قتل عام ایک بار پھر دہرایا گیا جنرل کولسن نے اقرار کیا ہے کہ ان واقعات سے پہلے ہی کیمپ میں خونریزی کی وارداتیں ہو چکی تھیں۔ جن میں کہ اقوام متحدہ کی فوجوں نے بہت سے جنگی قیدیوں کو ہلاک اور زخمی کیا ہے۔

جنرل کولسن نے کہا کہ وہ مزید تشدد اور خونریزی کا خاتمہ کرنے کے لئے اپنا پورا زور لگا دیں گے۔ جنرل کولسن نے کہا کہ وہ اس بات کی گارنٹی دے سکتے ہیں کہ وہ آئندہ جنگی قیدی کیمپ کے اندر بین الاقوامی قانون کے اصولوں کے مطابق انسانی برتاؤ کی امید کر سکتے ہیں۔ جنرل کولسن نے کہا کہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ جنرل ڈاڈ کے صحیح سلامت رہا ہو جانے پر جنگی قیدیوں کی مزید جبری اسکریننگ نہ ہوگی۔ نہ انھیں فوجی کام پر لگایا جائیگا۔

اور رسمی اسکریننگ تک کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی۔

یہ اقرار اس بات کا ثبوت ہے کہ جنگی قیدی کیمپوں میں امریکی کمان جبری اسکریننگ کا مجرمانہ طریقہ تشدد اور قتل کے ساتھ عمل میں لاتا رہا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے جائز احتجاج اور ان کی مخالفت کو کچلا جائے۔

ساری دُنیا اس لرزہ خیز دستاویز کو جانتی ہے جس کا عنوان ہے "ہماری جانیں خطرے میں ہیں۔ ہمیں اس امریکی جہنم سے جلد از جلد نکلنے میں مدد دو"۔ یہ دستاویز جزیرہ کوجے سے عوامی فوج کے سپاہیوں اور کمانڈروں کا پیغام ہے۔ یہ پوری دستاویز بہت گہری توجہ کی مستحق ہے۔ میں اس دستاویز میں دئے ہوئے واقعات میں سے صرف ایک ہی کو لوں گا۔

۱۹ رمئی ۱۹۵۲ء کو کیمپ نمبر ۶ ۲ میں اعلان کیا گیا کہ "تمام جنگی قیدی جو شمالی کوریا واپس ہونا چاہتے ہیں، جہاز پر سوار ہونے کے لئے تیار ہو کر اپنے بارکوں میں سات بجے شام کو لائن میں کھڑے ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ ہر شخص بلا اشتباہ گھر واپس جانا چاہتا ہے۔ جب ہم لائن میں کھڑے ہوئے تو امریکی سپاہیوں نے ہمارے اوپر مشین گنوں اور شعلہ پھینکنے والی توپوں سے فائرنگ شروع کر دی اور ہمارے مقابلے میں ٹینک بھی بھیج دئے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ۷ ۱۲ مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے"

۲۰ر اور ۲۱ر مئی کو امریکی کمان نے کوریائی عوامی فوج کے ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کو پوچھ گچھ اور نام نہاد "آزادانہ واپسی" کے متعلق تجویزیں سننے کے لئے طلب کیا بہت سے لوگ جب لوٹے تو ان کے چہروں سے خون بہہ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر چاقو کے زخم لگے ہوئے تھے اور انکی پیٹھ، بازو اور سینے پر جلتے ہوئے لوہے سے داغے جانے کے نشانات تھے۔

"۲۲ر اور ۲۳ر مئی کو امریکی گارڈوں نے حلقہ نمبر ۶۲ اور ۷۲ میں منظم قتلِ عام کیا۔ مشین گن اور عزآبوں سے ہمارے ۸۴ ساتھی قتل اور ۳۹ زخمی ہوئے"۔

"۲۳ر مئی کو امریکی جلادوں نے کیمپ نمبر ۷۶ میں ہمارے چار محبانِ وطن کی گردنیں اُڑا دیں اور تمام سرکشوں" کو دہشت زدہ کرنے کے لئے ان کے سر ایک درخت سے لٹکا دئے"۔

"اسی دن ۸ اور دوسرے قیدی بارک نمبر ۱۶ میں قتل کر دئے گئے"۔

"جس وقت کہ ہم یہ پیغام لکھ رہے ہیں ۲۴ مئی نہیں ہوئی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایک نئی خونریزی، نئی اذیتیں اور مصیبتیں ہمارا انتظار کر رہی ہیں۔ کیونکہ امریکی کمانڈر بوٹز نے اعلان کیا ہے کہ ہمیں ڈاڈ کی گرفتاری اور کولسن کے ہٹائے جانے کی قیمت بُری طرح چکانی پڑے گی"۔

جزیرہ کوجے سے آنے والے اس خط پر چھ ہزار ۲ سو ۲۳ جنگی قیدیوں کے دستخط تھے۔

بوٹز اکیلا آدمی نہیں تھا کہ جس نے مزید انتقامی کارروائیوں کی دھمکی دی ہو۔ جنرل مارک کلارک جو کہ جون کے مہینے میں جزیرہ کوجے پہنچے انھوں نے اعلان کیا کہ امریکی کمان جنگی قیدیوں کے خلاف زیادہ سے زیادہ طاقت استعمال کرنے کو تیار ہے اور انھیں یہ بات پسند نہیں کہ کمیونسٹ جھنڈے جنگی قیدیوں کے کیمپوں پر لہراتے رہیں۔

ان تمام واقعات سے مسٹر ایچی سن کی تردید نہیں ہوئی۔ انھوں نے نام نہاد "پوچھ گچھ" یا "اسکریننگ" (یعنی جنگی قیدیوں کی جبری نظر بندی) کے خلاف احتجاج کرنے والے جنگی قیدیوں کے وحشیانہ انسانیت سوز قتل عام کو جائز ٹھہرانے کی کوشش کی۔ خیر تو یہ ہے کہ انھوں نے اسے کریم النفسی کی بات ثابت کرنے کی کوشش کی۔

یہ تمام واقعات ایک اور مسلمہ حقیقت کا ثبوت دیتے ہیں وہ ہے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی مکمل یک جہتی۔ ان کی ہمت اور جانبازی جنھیں کہ بدترین سخت گیری کے اقدامات بھی نہ توڑ سکے۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ کوریائی اور چینی محبان وطن اپنے نصب العین اور اپنے وطن کے ساتھ غداری کر دیں۔

امریکی کیمپوں میں نہتے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں پر جو بے لگام تشدد اور دہشت انگیزی کی گئی ہے اسے جائز ٹھہرانے کے لئے مسٹر ایچی سن جتنی بھی کوشش کریں تمام کی تمام ان حقائق کے سامنے مٹی میں مل جاتی ہیں۔ جن پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ جو کہ ان کیمپوں میں ڈھائے جانے والے وحشیانہ مظالم کے خلاف زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں امریکی اخباروں کی تازہ ترین اطلاعات سے جزیرہ چیجو کی نئی فائرنگ کا پتہ چلتا ہے جہاں پہلی اکتوبر کو امریکی سپاہیوں کی دو پلٹنوں کے ہاتھوں ۵۲ جنگی قیدی قتل اور ۱۱۳ زخمی ہوئے۔ یہ پلٹنیں جنگی قیدیوں کی ایک ایسی بغاوت کو دبانے کے لئے آئی تھیں جو نیویارک

ٹائمز" کی رپورٹ کے مُطابق کوریا کی جنگ شروع ہونے سے لیکر آج تک کی سب سے سنگین بغاوتوں میں سے تھی۔

امریکی اخبارات کی رپورٹ سے یہ صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ غدر کی وجہ کیا تھی لیکن یہ بات صاف ہے کہ یہ غدر اس وقت ہوا جبکہ چینی چین کی عوامی ری پبلک کی تیسری سالگرہ کا جشن منا رہے تھے۔ ۲۴ ر اکتوبر کو ایسوسی ایٹڈ پریس کی رپورٹ کے مطابق ۹ کمیونسٹ جنگی قیدی یوسان کیمپ نمبر ۲ بی میں زخمی ہوئے۔ جنرل کلارک کے ہیڈ کوارٹر کے ایک بیان کے مطابق اس وقوعہ کا سبب یہ تھا کہ جنگی قیدیوں کے رہنماؤں کو دوسرے کیمپ میں منتقل کیا جا رہا تھا۔

کیا یہ واقعات پکار پکار کر ان دلائل کے مکمل دیوالیہ پن کا ثبوت نہیں دیتے جو کہ مسٹر ایچی سن نے جنگی قیدیوں کی نام نہاد "اسکریننگ" یا "پوچھ گچھ" کے جواز میں پیش کئے تھے۔

مذکورہ بالا مظالم کو کسی نہ کسی طرح جائز ٹھہرانے کے لئے مسٹر ایچی سن نے یہاں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جنگی قیدیوں کی واپسی کے متعلق امریکہ کا رویہ بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی رواج کے عین مطابق ہے۔ مسٹر ایچی سن نے بڑا زور لگا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ جس فریق کے جنگی قیدیوں کو گرفتار کیا گیا تھا اس کا جنگی قیدیوں کو اس بہانے کہ وہ اپنے گھر واپس جانے کو تیار نہیں ہیں جبراً مقید رکھنا جائز ہے۔ مسٹر ایچی سن نے اس بات کی کوشش کی کہ پہلی کمیٹی اور رائے عامہ کی توجہ واپسی کے دوران میں جبری اسکریننگ کے ناجائز ہونے کے سوال سے ہٹ کر "رضاکارانہ واپسی" کے سوال کی طرف آ جائے۔

مسٹر ایچی سن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ جنگی قیدی جو واپس نہیں جانا چاہتے۔ اب کوریائی معاہدہ جنگ بندی کی گفتگو میں مسئلہ بنے ہوئے ہیں لیکن یہ بات غلط ہے۔ مسئلہ، جیسا کہ ایچی سن نے کہا ہے یہ ہے کہ امریکی کمان کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو "واپسی نامنظور" کر دینے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ اور یہ بات ان سے "جبری" اسکریننگ کے ذریعے کروا رہا ہے۔

مسٹر ایچی سن نے اقرار کیا ہے کہ زیادہ کیمپوں میں امریکی کمان جنگی قیدیوں کی مخالفت

کے باعث پوچھ گچھ کروانے میں ناکامیاب رہا۔ مگر اس کے باوجود امرکی حاکم اظہار کئے جاتے ہیں کہ جس فریق نے جنگی قیدیوں کو گرفتار کیا ہے وہ سب کی واپسی کے پابند نہیں ہیں۔ اور جو لوگ کہ واپس نہیں ہونا چاہتے وہ ان کی "اسکریننگ" کر سکتا ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق ان سے نام نہاد پوچھ گچھ کر سکتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ جس کا نمونہ ہم جزیرہ کوجے، چیجو اور یوسان اور دوسری جگہوں میں دیکھ چکے ہیں۔

مسٹر ایچی سن نے دعویٰ کیا ہے کہ ایسا کرنا بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی رواج کے عین مطابق ہے۔ یہاں دراصل ہو یہ رہا ہے کہ اس ایک سوال کے بجائے۔ بین الاقوامی قانون جبری پوچھ گچھ اور اسکریننگ (جو دراصل جنگی قیدیوں کی جبری حراست ہے) کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ جنگی قیدیوں کو جبراً اپنے وطن واپس کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ نہ تو مسٹر ایچی سن کے لئے یہ ممکن ہوا اور نہ کوئی دوسرا اس بات کا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی رواج اس قسم کی جبری اسکریننگ کی اجازت دیتے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ جنگی قیدی اپنے واپس جانے کے حق اور موقع سے فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔ وہ پوچھ گچھ یا جبری اسکریننگ جو کی جا رہی ہے دراصل اس کے معنی ہیں جنگی قیدیوں کو جبراً مقید رکھنا۔ ایچی سن نے تجویز کیا ہے کہ اس سوال کو جانچا جائے کہ آیا امریکن کمان اس پوچھ گچھ اور اسکریننگ میں جنیوا کے انسانی اصولوں کو برتتے ہیں یا نہیں۔ اور آیا واپسی کے بارے میں امریکہ کا نقطۂ نظر اس میثاق کے عین مطابق ہے یا نہیں۔ ہم اس سوال کو جانچنے کے لئے تیار ہیں۔ ہم یہ ثابت کریں گے کہ امریکہ کا نقطۂ نظر میثاق جنیوا کے مطابق ہونا تو دور رہا اس میثاق کے تقاضوں کی اور بین الاقوامی رواج (جن کی بنیاد اس میثاق پر ہے) کی بُری طرح تردید کرتا ہے اور نہ صرف ۱۹۴۹ء کے میثاق بلکہ ۱۹۲۹ء کے میثاق اور ہیگ کے ۱۹۰۷ء کے میثاق خود امریکہ کے رواج کی بھی تردید کرتا ہے۔ جیسا کہ امریکہ کے دستخط کئے ہوئے کئی معاہدوں کو جانچنے سے ہم پر ظاہر ہو جائے گا۔

اس لئے آیئے اس سوال کو تین زاویوں سے جانچیں:- اخلاقی، سیاسی اور قانونی۔

۱۔ اخلاقی زاویہ سے یہ سوال جنگی قیدیوں کی رائے یا آزاد رائے کی پابندی کی

ضرورت کا سوال رہ جاتا ہے۔ لیکن اس سوال کا فیصلہ ان حالات کو نظرانداز کر کے نہیں ہو سکتا جن حالات میں کہ اس "آزاد رائے" کا اظہار ممکن ہے۔ اور نہ اس صورت حال اور نہ اس ماحول کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے جس کے اثر سے یہ رائے بدلی جا سکتی ہے اور دوسرے فیصلے لئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے اس سلسلے میں جو پہلا سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کی حراست اور موجودہ حالات کی نوعیت کیا یہ ہے کہ جنگی قیدی بلا کسی اثر کے اس معاملے میں کوئی آزاد فیصلہ کر سکیں۔ اس سوال کو سامنے رکھتے ہی ظاہر ہو جائے گا کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ قید کے حالات ایسے نہیں ہیں جن میں کوئی آزاد فیصلہ یا آزاد انتخاب ظاہر ہو سکے۔ اور خاص کر اس وقت جبکہ ایسا فیصلہ مشین گن کے دہانے کے سامنے کرنا پڑے۔

یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ جنگی قیدی بہت آسانی سے قید کرنے والی حکومت کے عہدہ داروں کے غیر قانونی دباؤ کا شکار ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ کوریا میں امریکن کیمپوں میں ہونے والے واقعات سے ظاہر ہے۔ جسمانی تشدد اور دباؤ کے شکار کے لئے آزادی رائے کا سوال اٹھانا بھی ناممکن ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اخلاقی زاویے سے جنگی قیدیوں سے واپس ہونے پر رضامندی یا غیر رضامندی کا سوال کرنا بالکل غلط ہے۔ مسٹر ایچی سن نے کہا ہے کہ عام طور پر یہ بات فرض کی جاتی ہے کہ جنگی قیدی وطن واپس جانا چاہتا ہے۔ اس حالت میں یہ سوال کرنا جائز ہے کہ پھر جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کی خواہش کی تصدیق کرنے کے لئے کسی قسم کی پوچھ گچھ کیوں ضروری ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ نہ تو اس کی کوئی ضرورت ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

۲۔ سیاسی زاویہ سے کسی قسم کی پوچھ گچھ یا جنگی قیدیوں کی اسکریننگ یا جیسا کہ کہا جاتا ہے واپسی پر رضامندی یا غیر رضامندی کے نقطۂ نظر سے ان کی درجہ بندی اس طرح تنقید کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ کیونکہ اس طرح کی کارروائی آسانی سے اشتعال انگیز ہو سکتی ہے بلکہ عملی زندگی میں اکثر ہوتی رہتی ہے۔ اور اس سے سنگین سیاسی نتائج پیدا ہوتے ہیں جن سے کہ متعلقہ حکومتوں کے معمولی تعلقات کے بنیادی اصولوں کو یعنی خود مختارانہ برابری اور اپنے اندرونی اور خارجی سیاسی تعلقات میں ایک دوسرے سیاسی حقوق کے خیال رکھنے کے اصول کو دھکا پہنچتا ہے۔

اس واقعہ کی کچھ کم مثالیں نہیں ہیں کہ نام نہاد پوچھ گچھ یا اسکریننگ ان جنگی قیدیوں کو ان کی حکومتوں کے مفاد کے خلاف جدوجہد پر آمادہ کرنے کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ ۱۸-۱۹۱۴ء کی عالمی جنگ ختم ہونے کے بعد شروع کے چند سالوں میں کوشش کی گئی کہ روسی جنگی قیدیوں کو جو جنگ کے بعد فرانس، برطانیہ، جرمنی۔ اسٹریا، ہنگری اور چند اور ملکوں میں رہ گئے تھے انھیں سوویت حکومت کے خلاف استعمال کیا جائے۔

۱۹۲۰ء میں فرانسیسی حکومت نے روسی قیدیوں کو سفید روسی فوج میں بھرتی کرنے کی پوری کوشش کی۔ اور نہتے قیدیوں پر بھونڈے طریقے سے تشدد کیا۔ حالانکہ روسی قیدیوں کے بارے میں فرانسیسی حکومت نے شروع میں وعدہ کیا تھا کہ وہ سب جنگی قیدیوں کو بلاشرط واپس کر دے گی۔

سوویت یونین کی امور خارجہ کی عوامی کیساریٹ اور یوکرین کی سوشلسٹ جمہوریہ کے عوامی وزیر خارجہ نے اپنے ۲۹ر جولائی ۱۹۱۹ء کے نوٹ میں اس قسم کے واقعہ کا ذکر کیا تھا کہ فرانس میں مقید روسی سپاہیوں کو جنگ کے بعد نوخیز سوویت حکومت کے خلاف لڑنے کے لئے ڈینیکن کے پاس بھیجے جانے کا خطرہ ہے۔ اور یہ بات مختلف بہانوں سے کیجا رہی ہے۔ اور جس کے متعلق سوویت نوٹ میں صحیح طور پر کہا گیا تھا کہ جنگی قیدیوں کو خرید فروخت اور میلہ میں تبادلہ کا مال بنا دینے کی کوشش ہو رہی ہے۔

فرانسیسی حکومت کے سوویت حکومت کے نام ایک ریڈیو ٹیلیگرام مورخہ ۲۶ر اگست ۱۹۲۰ء میں فرانس کے وزیر اعظم ملیراں نے واقعتاً یہ الفاظ استعمال کئے ہیں کہ میں نے آپ کے اس بیان کو نوٹ کر لیا ہے جو آپ نے مسٹر نان سین کو دیا ہے۔ ہم نے فرانسیسی حکومت کی اس تجویز پر آپ کی رضامندی بھی نوٹ کر لی ہے کہ جلد از جلد روس سے جتنے فرانسیسی جنگی قیدی ہیں ان کا تبادلہ ان روسی قیدیوں سے کر دیا جائے۔ جو فرانس میں ہیں۔

اس معاملہ میں بلغاریہ کی زاری حکومت بھی پھنسی ہوئی تھی۔ ۲۰ر مارچ ۱۹۲۰ء کو بلغاریہ کی فوج کا ایک کرنل ناکوف ورنا کے اس قیدیوں کے کیمپ میں پہنچا جہاں روسی قیدی مقید تھے۔ اور ان سے کہا کہ ان کو کریمیا جا کر سابق جرنل رینگل کی فوج میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ جس نے سوویت حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھا رکھا ہے۔ مقید جنگی قیدیوں نے مزاحمت کی۔ مگر اس کیمپ کو فرانسیسی اور بلغاری فوجوں اور بلغاری سوار پولیس نے گھیر لیا

اور مشین گنوں کا منہ قیدیوں کی طرف کر دیا گیا۔ اور جو لوگ بھاگ سکے ان کو چھوڑ کر گولی سے اڑا دینے کی دھمکی دے کر سب کو ایک جہاز پر لاد دیا گیا۔ اور اس کے بعد انھیں کریمیا بھیج دیا گیا۔

میں یہاں اس نوٹ کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو روسی سوویت وفاقی سوشلسٹ حکومت کے عوامی وزیر خارجہ نے فرانس، برطانیہ، امریکہ، جاپان اور اٹلی کو ۲۸ نومبر ۱۹۱۹ء کو بھیجا تھا جبکہ نام نہاد "روسی جنگی قیدیوں کی واپسی کا اتحادی کمیشن" روسی عوام کے خلاف انقلاب دشمن فوجی بھرتی کرنے کی کمیٹی بن گئی تھی۔ سوویت حکومت نے پُر زور طریقے سے اس وقت اس غیر قانونی کارروائی کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ یہ حکومتیں ان جنگی قیدیوں کے حشر کی پوری طرح ذمہ دار ہیں جنھیں وہ اپنے بھائیوں کے خلاف لڑنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ سوویت حکومت نے اس وقت ان حکومتوں کو متنبہ کیا تھا کہ اسے جوابی کارروائیوں کا حق حاصل ہے اور انھیں یاد دلایا تھا کہ اس کی حراست میں بہت سے جرمن جنگی قیدی ہیں جن کی وجہ سے سوویت حکومت کے لئے آسان ہوگا کہ روسی عوام کے مفاد کے لئے جوابی کارروائی کرے۔

اس موقع پر بھی جو نظریہ بازی کے شائق تھے انھوں نے جنگی قیدیوں کی آزادیٔ رائے کا ذکر کیا۔ اور پرچار کیا کہ وہ واپس جانے کو راضی نہیں ہیں۔ ان لوگوں کا اصرار تھا کہ وہ سرمایہ دار دُنیا کے نام نہاد "آزاد" ملکوں میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کی اصلی وجہ یہ تھی کہ روسی جنگی قیدیوں کو واپسی سے روکنے کی کوشش کی جا رہی تھی تاکہ انھیں ڈینیکن۔ رینگل۔ کولچک۔ یودے نک اور نوخیز سوویت ری پبلک کے ایسے ہی دوسرے دشمنوں کی فوجوں کو مضبوط کرنے کے لئے استعمال کیا جائے۔

اس میں شبہ کی مطلق گنجائش نہیں کہ کوریا اور چین کے جنگی قیدیوں کے سوال پر اسی قصہ کو پھر دہرایا جا رہا ہے اور جنگی قیدیوں کے واپس ہونے سے نام نہاد انکار کے پردے میں امریکن کمان کوریا اور چین کے جنگی قیدیوں کو اپنے پاس رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاکہ بعد میں انھیں فارموسا اور جنوبی کوریا بھیج کر ان کے وطن کے خلاف جنگ میں استعمال کیا جائے۔

۳۔ قانونی سوالوں کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ایچی سن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش

کی ہے کہ امریکہ کا نقطۂ نظر بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی رواج کے عین مطابق ہے۔

مسٹر ایچی سن نے کچھ ایسے معاہدوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھا جن پر سوویت یونین کی حکومت نے انقلاب کے پہلے سال میں دستخط کئے تھے۔ انھوں نے ۲۰-۱۹۱۸ء کے سوویت یونین کے کئی معاہدوں کا نام لیا۔ جن سے بقولِ مسٹر ایچی سن ظاہر ہوتا ہے کہ سوویت یونین نے ان جنگی قیدیوں کی واپسی پر اصرار نہیں کیا جو انہیں قید کرنے والی حکومت کے ملک میں رہ جانا چاہتے تھے۔ مسٹر ایچی سن نے خیال کیا تھا کہ ان کی یہ کوشش کامیاب ہوگی۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ انھوں نے ان معاہدوں کا تجزیہ تو کیا لیکن ان خاص حالات اور حقائق کو نظر انداز کر دیا جن میں کہ وہ معاہدے کئے گئے تھے۔ ان کے سامنے صرف ان معاہدوں کا متن تھا اور قانونی فارمولے تھے۔ لیکن وہ یہ بالکل بھول گئے تھے کہ وہ کون سے معاشرتی حالات اور تعلقات تھے جن کی وجہ سے یہ متن تیار ہوا تھا۔ اور اس وقت کے وہ کون کون سے واقعات تھے۔ مخالف سیاسی نظریات اور رجحانات اور معاشرتی اور طبقاتی مفاد کی وہ کون سی کش مکش تھی جن کا اثر ان معاہدوں کے متن پر پڑا۔

وہ معاہدے جن کا ذکر مسٹر ایچی سن نے کیا ہے اسی کش مکش کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ بات فطری ہے کہ چند مصالحتوں کا اثر ان پر پڑا۔ اور ایسا ہونا ضروری تھا۔ اس بات کا خیال ضروری ہے کہ تاریخی واقعات اور حالات کو نظر انداز کر کے کسی ایسی تاریخی دستاویز کی اہمیت کا اندازہ لگانا جس پر فریقین نے دستخط کئے ہوں، ناممکن ہے۔ جنگی قیدیوں کے بارے میں جن بنیادی اصولوں کو سامنے رکھ کر سوویت حکومت نے ان معاہدوں کو مرتب کیا اور منظور کیا انھیں سمجھنے کے لئے، اور جن کا ذکر مسٹر ایچی سن نے کیا ہے یہ ضروری ہے کہ اس دَور کے واقعات کے رُخ اور حالات کو سامنے رکھا جائے۔ اور کسی معاہدے کی اصلیت اور نوعیت خصوصاً اس دَور کے سوویت حکومت کے معاہدوں کی اصلیت اور نوعیت سمجھنے کے لئے سوویت یونین میں اس دَور کے خصوصی اندرونی اور بین الاقوامی حالات اور دوسرے ملکوں سے اس کے تعلقات (جن کا مقصد ہم سب کو معلوم ہے کہ نوخیز سوویت حکومت کو کچلنا تھا) کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ہم صرف ان معاہدوں کو جانچیں۔ بلکہ ہمیں دوسری دستاویزوں کو بھی جانچنا چاہیئے کہ جن سے اس دَور میں سوویت حکومت کے سیاسی اور بین الاقوامی حالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

تبھی ہم ان ناعاقبت اندیشی اور بے بنیاد نتائج سے بچ سکتے ہیں جو مسٹر ایچی سن نے اپنی ۲۴ اکتوبر کی تقریر میں نکالے ہیں۔

مسٹر ایچی سن نے سوویت حکومت کے ان معاہدوں کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سوویت حکومت ہمیشہ ایک اصول کو مانتی رہی ہے یعنی جنگی قیدیوں کی واپسی ان کی رضامندی کی بنیاد پر ہو۔ لیکن انھوں نے بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر ہم اس معاہدے کو جانچیں جو روسی سوویت وفاقی سوشلسٹ ری پبلک اور برطانیہ عظمیٰ میں جنگی قیدیوں کے تبادلے پر کوپن ہیگن میں سنہ ۱۹۲۰ء میں ہوا۔ اور مسٹر ایچی سن نے جس کا ذکر کیا ہے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ سوویت حکومت نے اس معاہدہ کی ساتویں دفعہ میں اس کا وعدہ کیا تھا کہ ہر وہ برطانوی قیدی جو واپس جانا چاہتا ہے وہ واپس کر دیا جائے گا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس معاہدہ کی پہلی دفعہ میں برطانوی حکومت پر یہ ذمہ داری رکھی گئی ہے کہ وہ سارے روسی قیدیوں کو واپس کر دے گی۔ چاہے وہ برطانوی سلطنت یا برطانیہ کے زیر اثر دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں۔ اور اس میں جنگی قیدیوں کی خواہش کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا۔ یہ بات ۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء کے امور خارجہ کی عوامی کمیساریٹ کے نوٹ سے بھی ظاہر ہے۔ اس مسئلہ پر نوٹ میں یہ کہا گیا ہے۔

"ہم شروع ہی سے برطانیہ کے ساتھ ایک عام تبادلے کی تجویز پیش کرتے رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ ہمارے تمام آدمی جو برطانیہ کی حراست میں ہیں جس میں ہمارے ایرانی مشن کے وہ ملازم بھی شامل ہیں جنھیں برطانیہ نے گرفتار کیا تھا ہمیں واپس کر دئے جائیں۔ اور اس کے بدلے میں ہم تمام برطانوی قیدیوں کو واپس کر دیں گے۔ اور اس کے علاوہ برطانوی حکومت کو ہمارے قیدیوں اور ہمارے شہریوں کی جرمنی اور غیر جانبدار ملکوں سے واپسی ہونے پر ساری رکاوٹوں کو ہٹانا پڑے گا اور ان ملکوں سے ہم قیدیوں کے تبادلے کے متعلق الگ الگ گفتگو کریں گے۔ آپ کے سامنے ایک بہت واضح حقیقت ہے۔ یعنی جنگی قیدیوں کی واپسی کا ایک معاہدہ جس کی دو دفعات ہیں۔ ہم روسیوں نے اس وقت بھی مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے سب جنگی قیدی ہمیں واپس کئے جائیں۔ لیکن ہم اس پر تیار ہیں کہ صرف وہ قیدی برطانیہ واپس جائیں۔ جو واپس جانا چاہتے ہیں۔ ایچی سن نے ان دو دفعات کا یہ ذرا سا فرق ملاحظہ نہیں کیا۔ غالباً انھیں خود اس معاہدہ کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ غالباً

انھوں نے اپنے سیکریٹریوں کا تیار کیا ہوا میمورنڈم ہی دیکھا ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ بہت ہی خطرناک راستہ ہے کہ وزرا، حکومت اپنے نائبوں کے تیار کئے ہوئے میمورنڈم کو بغیر جانچے ہوئے اپنی تقریروں میں استعمال کریں۔

اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ سوویت حکومت نے برطانوی حکومت کی اس تجویز کی مخالفت کی تھی کہ برطانوی حکومت سارے برطانوی جنگی قیدیوں اور شہریوں کے بدلے میں صرف وہ سو روسی واپس کرے جو شمال سے برطانیہ بھیجے گئے تھے۔

اسی سال ۲۰ رنومبر کے ایک نوٹ میں سوویت یونین نے اصرار کیا تھا کہ ہمارے اور اتحادی قیدیوں کے درمیان ایک عام تبادلہ ہو۔ لارڈ کرزن نے عام تبادلے کی اس اسکیم کو جو تمام اتحادیوں کے متعلق تھا رد کر دیا اور اس کے بدلے یہ تجویز پیش کی کہ جنگی افسر اور سپاہیوں کا ایک کے بدلے ایک تبادلہ ہو اور شہری قیدیوں کا تبادلہ بھی اسی اصول پر ہو۔

اگر ہم ان نوٹوں کو جانچیں تو پتہ چلے گا کہ سوویت حکومت کے نقطۂ نظر سے ان نوٹوں میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کہ صرف ان جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہو جو واپس جانا چاہتے ہیں۔

مسٹر ایچی سن نے روسی سوویت وفاقی سوشلسٹ ری پبلک اور فرانس کے معاہدہ مورخہ ۲۰ راپریل ۱۹۲۰ء کا ذکر کیا ہے۔

لیکن اگر وہ اس سوال کو زیادہ غور سے دیکھتے اور صرف اپنے سیکریٹریوں پر بھروسہ نہ کرتے جنھوں نے یہ میمورنڈم تیار کئے ہیں اور جو ان مسائل کو اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے تو انھیں روسی سوویت وفاقی سوشلسٹ ری پبلک کے امور خارجہ کی عوامی وزارت کے ریڈیو ٹیلیگرام مورخہ ۲۹ رجولائی ۱۹۱۹ء کو بھی دیکھنا پڑتا جو فرانس کے وزیرِ خارجہ مسٹر پیشوں کے نام ہے۔ پیشوں نے کہا تھا کہ "ان کا روسیوں کو واپس کرنے کا پکا ارادہ ہے۔ اور سوویت یونین کے ساتھ بات چیت سے اس پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔ اور فرانسیسی حکومت ان کو خود بخود ان کے گھر واپس بھیجتی رہے گی۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ بلا اسکریننگ کے تمام قیدیوں کی واپسی کے اصول کو مانتے تھے سوویت حکومت نے اسے پوری طرح منظور کر لیا تو اس کے بعد کے ریڈیو گراموں میں فرانس کی وزارتِ خارجہ کے اس وعدہ کو دہرایا گیا۔ اور تبادلہ کی کسی شرط کا ذکر نہیں کیا گیا۔ پیشوں کی حکومت نے اپنے وعدے کو پورا نہیں کیا اور اس پر امور خارجہ کی عوامی وزارت نے فرانسیسی حکومت سے بالکل ٹھیک احتجاج کیا۔ اور اعلان کیا کہ بعد کے واقعات خصوصاً

جو فرانس سے واپس آنے والے روسی سپاہیوں کے لے جانے سے ظاہر ہے کہ موجودہ فرانسیسی حکومت سے شرافت اور تشکر کے معمولی جذبات کی بھی امید نہیں کی جاسکتی۔ اور اس کے بیانات اور وعدوں پر خواہ وہ بار بار کئے گئے ہوں۔ کوئی بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

واقعہ یوں ہے کہ اگرچہ پیشوں نے روسی جنگی قیدیوں کو "بلاشبہ اور بلا کسی گفتگو کی پابندی کے" یعنی بلا کسی شرط کے واپس کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جب کچھ جنگی قیدی عدلیہ کی بندرگاہ پر پہنچے تو اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ تمام فرانسیسی جنگی قیدی جنھیں سوویت کی فوجوں نے یوکرین کے محاذ پر پکڑا تھا۔ فرانسیسی حکومت کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ غیر جانبدار ملکوں کے قیدی اور تمام غیر ملکی بھی سپرد کئے جائیں۔ پیشوں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ روسی فوجوں کو ڈینیکن کے پاس بھیج کر بحیرۂ اسود کے محاصرہ کو مضبوط کریں گے اور عدلیہ پر بم باری کریں گے۔

اس موقع پر سوویت حکومت اپنے اصولوں پر پابند رہی اور اس نے جنگی قیدیوں کے تبادلہ پر کوئی شرط نہیں لگائی۔ لیکن ساتھ ساتھ اس نے فرانس کی طرف سے تھکے ہوئے روسی سپاہیوں کی تباہ حالت سے فائدہ اُٹھا کر جو دھمکی دی گئی تھی اس پر احتجاج کیا۔

ان مثالوں سے ثابت ہو جائیگا کہ وہ مختلف نکات جو اچی سن نے سوویت حکومت کی طرف سے انقلابِ اکتوبر کے بعد پہلے سال میں کئے ہوئے جنگی قیدیوں کے تبادلہ کے معاہدوں سے پیش کئے ہیں۔ اس مسئلہ میں سوویت حکومت کے اصولی نقطۂ نظر کو ظاہر نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ معاہدے اس عہد کے خاص حالات کا نتیجہ ہیں جب سوویت روس اکتوبر کے سوشلسٹ انقلاب کے سامنے جو دقتیں تھیں ان پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات طے کرنے میں اور خاص کر جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں ان کے مطالبات کے مسئلہ پر اس وقت کے تاریخی حالات کے مطابق فیصلے لینے پر مجبور تھا۔

مسٹر اچی سن نے معاہدہ برسٹ لیٹوسک کا ذکر کیا ہے۔ لیکن وہ یقیناً جانتے ہیں کہ سوویت حکومت اس معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور تھی۔ حالانکہ وہ معاہدہ انتہائی جبر، زبردستی اور لوٹ کا قابل نفرت معاہدہ تھا۔ لہٰذا اس قسم کے معاہدے سے کسی قسم کا نتیجہ نکالتے وقت احتیاط برتنا ضروری تھا۔

بین الاقوامی قانون میں کونسا اصول کارفرما ہے۔ یہ اصول جیسا کہ لاتعداد بین الاقوامی میثاقوں سے ظاہر ہوتا اور مثال کے طور پر میثاق ہیگ کی دفعہ ۲۰ میں دیا گیا ہے۔ یوں ہے۔

"امن قائم ہونے پر سارے جنگی قیدیوں کی واپسی جلد از جلد عمل میں لائی جائے گی۔"

یا ۱۹۲۹ء کے میثاق جینوا کی دفعہ ۷۵ میں جو جنگی قیدیوں کے بارے میں ہے لکھا گیا ہے کہ ہر حالت میں جنگی قیدیوں کی واپسی قیام امن کے جس قدر بعد جلد ممکن ہوگا عمل میں لائی جائے گی۔

یا ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کی دفعہ ۱۱۸ میں لکھا ہوا ہے کہ

جنگی اقدامات رک جانے کے بعد جنگی قیدی بغیر کسی تاخیر کے رہا ہوں گے اور واپس کردئے جائیں گے ۔۔ یہ دفعہ بالکل صاف ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل پیراگراف سے ظاہر ہوگا۔

"کسی جنگ میں مخالف فریقین کے درمیان جنگ روک دینے کے لئے اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ نہ بھی ہو۔ یا اس طرح کا کوئی دوسرا معاہدہ نہ بھی ہو تو بھی حراست میں رکھنے والی طاقتیں از خود اور بلا تاخیر واپسیٔ وطن کی ایک اسکیم کو عمل میں لائے گی جس کی بنیاد اس اصول پر ہوگی۔ جو اس سے پہلے والے پیرے میں دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس دفعہ ۱۱۸ سے شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ فریقین کے درمیان کسی دوسرے معاہدہ کے موجود ہونے پر بھی کسی صورت میں اس بین الاقوامی میثاق کی پختگی کمزور نہیں ہوتی۔

اسی دفعہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کے نقل وحمل کے اخراجات کے تصفیہ کے بارے میں اگر کوئی معاہدہ نہ ہو تب بھی "کسی حالت میں جنگی قیدیوں کی واپسی میں کوئی تاخیر جائز نہیں"۔ اس قاعدے سے صرف ایک استثنار کا تذکرہ دفعہ ۱۱۹ میں ہے کہ صرف وہ قیدی روکے جا سکتے ہیں جن کے خلاف کسی جرم میں مقدمہ چل رہا ہو۔ یا جو کسی مقدمے میں اس سے پہلے ہی مجرم قرار دئے جا چکے ہیں۔

اس میثاق کی ساری شرائط کی صفائی ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کی دفعہ ۷ سے ظاہر ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:۔

"جنگی قیدی کسی حالت میں کلی یا جزوی طور پر ان حقوق سے دست بردار نہیں ہو سکتے جو انہیں اس میثاق یا ان خاص معاہدوں کی رو سے حاصل ہوتے ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے والی

دفعہ میں کیا گیا ہے۔

اس دفعہ نے اس بات کی مطلق گنجائش نہیں رکھی کہ جنگی قیدیوں کو اس بہانے سے حراست میں رکھا جائے کہ وہ واپس نہیں ہونا چاہتے۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں جنیوا کی بین الاقوامی کانفرنس میں آسٹریا کے وفد کی اس تجویز کی بحث پر کہ جنگی قیدیوں کے واپس نہ ہونے کے انکار کے حق کو تسلیم کیا جائے۔ کافی گرما گرمی ہوئی تھی۔

اس وقت سوویت وفد نے اس کی پرزور مخالفت کی تھی اور مجھے کہنا چاہیئے کہ امریکن وفد کے لئے یہ بات قابلِ تعریف ہے کہ اس کے نمائندے جنرل پارکر نے بھی آسٹریا کی تجویز کے خلاف سوویت حکومت کے نمائندے اور اکثریت کے ساتھ ووٹ دیا تھا۔

میں مسٹر لائڈ کو یاد دلاؤں گا کہ سنہ ۱۹۴۹ء کی جنیوا کانفرنس میں برطانیہ کے نمائندے نے کہا تھا کہ اس طرح کی ترمیم منظور کرنا نامناسب ہوگا۔ کیونکہ اس حکومت کی ذمہ داری جس کی حراست میں جنگی قیدی ہیں صرف اتنی ہی ہونی چاہیئے کہ وہ ان جنگی قیدیوں کو اس ملک کو واپس کردے جس کی طرف سے وہ قید ہونے کے وقت لڑ رہے تھے۔ آسٹریا کی ترمیم کانفرنس میں اکثریت نے نامنظور کردی تھی۔

یہ بین الاقوامی قانون کا بنیادی اصول ہے جس کے بارے میں مسٹر اچی سن نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ حالانکہ وہ تین گھنٹے تک اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے رہے اور اس ڈنڈے کے قانون اور زراجیت کو جائز ٹھہراتے رہے جو امریکی کمان نے کوریا اور چینی جنگی قیدیوں پر بین الاقوامی اور بین الاقوامی رواج کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نافذ کر رکھا ہے۔

یہی بات جنرل اسمبلی کی اس تجویز سے ظاہر ہے جو اس نے جنگی قیدیوں کے مسئلہ کے پُرامن حل کے بارے میں منظور کی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ تجویز سوویت دشمن مقاصد کی حامی ہے۔ اور مسٹر اچی سن کی تقریر اس کی تصدیق کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک کہ جنگی قیدیوں کے تبادلہ کا عام سوال اس تجویز میں دیا گیا ہے۔ مسٹر اچی سن انکار نہیں کرسکتے کہ وہ اس اصول کی تردید کرتی ہے جس کی حمایت کی کوشش انھوں نے یہاں کی ہے۔ تجویز میں ساری طاقتوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ بین الاقوامی تعلقات کے عام طور پر مانے ہوئے اصولوں اور سنہ ۱۹۴۹ء میثاق جنیوا کے مطابق عمل کریں۔ اور اس میں مرضی کا کوئی ذکر نہیں جس پر مسٹر اچی سن نے اپنی تقریر میں

اتنا زور دیا ہے۔

کیا ان سب واقعات اور دی ہوئی باتوں سے مسٹر ایچی سن کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ کوریا میں امریکن کمان اور امریکن حکومت کی کرتوتوں کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور یہ کہنا کہ یہ حرکتیں بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی رواج کے اصولوں کے مطابق ہیں کس قدر مہمل بات ہے۔

مسٹر ایچی سن متذکرہ بالا تجویز کے ذکر کے علاوہ کسی اور طریقے سے کوریا میں امریکن کمان کے جنگی قیدیوں کے بارے میں قطعی غلط نقطۂ نظر کی اس سے بہتر تردید نہیں کر سکتے تھے اور نہ ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کی علانیہ خلاف ورزی کا اس سے بہتر ثبوت دے سکتے تھے۔

مسٹر ایچی سن نے اپنی تقریر کو ان آراستہ الفاظ پر ختم کیا کہ امریکن حکومت کوریا کے سوال کے پُرامن اور ایماندارانہ حل کے حق میں ہے۔ لیکن اگر وہ جنگی قیدیوں کی جبری نظربندی پر اصرار کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ واقعی ان کا نقطۂ نظر کچھ اور ہے۔ اور جسے کسی حالت میں بھی ایمانداری پر مبنی نہیں کہا جا سکتا۔

نتیجہ —— بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی رواج کے بنیادی اصول کا تقاضا ہے کہ جنگی قیدیوں کا غیر مشروط اور مکمل تبادلہ ہو۔ اور مقید کرنے والا فریق ہر جنگی قیدی کی واپسی کی ضمانت کرے۔ اور کسی حالت میں بھی کوئی بہانہ۔ کوئی مصنوعی طریقہ۔ اور کوئی ایسا ڈھنگ نہ اختیار کرے جس میں بھونڈا تشدد اور ایذا رسانی یا جنگی قیدیوں کا قتل اس مقصد کے لئے ہو کہ ان جنگی قیدیوں کو ان کے وطن سے بہ جبر دور رکھا جائے۔ اور جنگی قیدیوں کی "آزاد رائے" کے ان طریقوں، جھوٹے اور ریاکاری سے بھرے ہوئے الفاظ کا پردہ ڈالا جائے۔ اور اپنی غیر قانونی حرکات کی مرضی سے واپسی کا سوال اُٹھا کر چھپایا جائے۔ سوویت یونین بین الاقوامی قانون کے اس اصول کی پُرزور حمایت کرتی ہے اتنی ہی حمایت جتنی ایک محب وطن اپنے وطن کی حمایت کرتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف اس اصول کی مخالفت ان کی طرف سے ہوتی ہے جو چند انفرادی گروہوں کے خودغرضانہ مفاد کو اپنے وطن کے مفاد اور قوموں کے پُرامن اشتراک عمل کے مفاد سے زیادہ بلند سمجھتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کو اس رویّہ کے خطرات سے متنبہ کریں۔ کیونکہ اس طرح انجمن اقوام متحدہ اپنا فرض ادا نہ کر سکے گی۔

اور یہ اقوامِ متحدہ کے نام پر ایک زبردست دھبّہ ہوگا۔

اس سلسلے میں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ مسٹر ایچی سن نے ۲۰-۱۹۱۸ء میں سوویٹ روس کے کئے ہوئے معاہدوں کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے ان معاہدوں کا تذکرہ نہیں کیا جو خود امریکہ نے کئے تھے حالانکہ ان کا جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال سے براہِ راست تعلق ہے۔ اس کا سبب صاف ہے کیونکہ یہ معاہدے (مثلاً امریکہ اور اسپین کے درمیان ۱۸۹۸ء کا معاہدہ صلح) نام نہاد "آزاد واپسی" کے اصول کے بجائے بین الاقوامی قانون کا عام طور پر تسلیم کئے ہوئے جنگی قیدیوں کی لازمی واپسی کے اصول پر مبنی ہے مسٹر ایچی سن ایک اور معاہدے کے بارے میں خاموش رہے ہیں۔ جو اس سلسلے میں ہماری توجہ کے قابل ہے یعنی وارسائی کا معاہدہ جس کے معمار امریکہ کے صدر ولسن تھے۔ اس معاہدہ کی دفعہ ۱۲۰ میں بھی عام لازمی واپسی کا ذکر ہے۔

کیا یہ بھی ضروری ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں جنگ بندی کے جو معاہدے امریکہ نے کئے ان کا بھی ذکر کیا جائے۔ اور جن میں اسی طرح جنگی قیدیوں کی عام اور بلا تاخیر واپسی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اور جن میں جنگی قیدیوں کی آزاد رائے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا؟ کیا یہ بھی ضروری ہے کہ اٹلی کے ساتھ جو معاہدۂ امن ہوا اس کی دفعہ ۷۱ کا ذکر کروں جو صاف طور پر کہتی ہے کہ:-

"اٹلی کے جنگی قیدی ان انتظامات کے مطابق جو قید کرنے والی طاقتوں اور اٹلی کے درمیان طے ہوں۔ جس قدر جلد ممکن ہوگا واپس کئے جائیں گے۔"

اسی طرح کی بات رومانیہ کے معاہدۂ امن (دفعہ ۲۰) بلغاریہ (دفعہ ۱۹) ہنگری (دفعہ ۲۱) میں ہے۔ جیسا سب جانتے ہیں ان معاہدوں پر امریکہ نے بھی دستخط کئے ہیں۔

اگر ہم ان اعلانات کو دیکھیں جو جرمنی کی شکست اور جاپان کے قبول اطاعت کے موقعہ پر کئے گئے ہیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان میں بھی بغیر کسی شرط کے جرمنی اور جاپانی حاکموں کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے کہ وہ اتحادی نمائندوں کو متحدہ اقوام کی فوجوں کے سارے جنگی قیدی سپرد کر دیں۔

جرمنی کی شکست کے بارے میں جو اعلان کیا گیا تھا اس کی دفعہ ۱۶ اس طرح ہے۔

(الف) جرمن حاکم اتحادی نمائندوں کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ان تمام

جنگی قیدیوں کو رہا کر دیں گے۔ جو اُن کی حراست میں ہیں۔ اور متحدہ اقوام کی مسلح فوج سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی پوری فہرست پیش کریں گے جن میں بتایا جائے گا کہ جنگی قیدی جرمنی یا جرمنی کی مقبوضہ اور کسی مملکت میں کہاں کہاں قید ہیں۔

جاپان کے قبول اطاعت کی دفعہ ۷ کہتی ہے۔

ہم جاپان کی شاہی حکومت اور جاپان کے شاہی فوجی جنرل ہیڈ کوارٹر کو حکم دیتے ہیں کہ وہ سارے اتحادی جنگی قیدیوں اور شہری نظر بندوں کو جو جاپانی قبضے میں ہیں، فوراً رہا کر دیں۔ اور ان کی حفاظت، ان کی ضروریاتِ زندگی اور ہدایات کے مطابق انھیں مختلف مقامات تک پہنچانے کا انتظام کریں۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر اچی سن نے محض ایسے دو طرفہ معاہدے کو دیکھ کر، جس میں واپسی سے انکار کے امکان کا ذکر ہے۔ فرض کر لیا کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ بین الاقوامی رواج میں اس قسم کے معاہدے موجود ہیں لیکن اس سلسلے میں دو باتوں کا دھیان میں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ کسی ایسے معاہدے کا وجود جس میں خاص طور پر واپسی سے انکار کے حق کو تسلیم کیا گیا ہو صرف اس کی تصدیق کرتا ہے کہ عام اصول یہ ہے کہ واپسی کے حق سے دست بر داری جائز نہیں ہے۔ یہ انگریزی مقولہ بلا وجہ نہیں ہے۔ "استثنار عام قاعدے کو ثابت کرتا ہے"۔

۲۔ اگر وہ اصول جس پر امریکی وفد مُصر ہے اور جس پر اس کی کوریا کے فوجی کمان کا نقطہ نظر بازگشت کرتا ہے۔ بین الاقوامی قانون کا عام اصول ہوتا تو اس اصول کو محدود کرنے کے لئے خاص معاہدے کرنے کی ضرورت نہ ہوتی بین الاقوامی قانون کی کسوٹی کافی ہوتی۔ مگر ایسی کوئی کسوٹی موجود نہیں ہے۔ ہاں ایک معیار ضرور موجود ہے جس میں کہ اس اُصول کا گذر نہیں۔ جس پر امریکہ عملدرآمد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ لیکن یہ حکومت اس عام مسلمہ معیار کو نہیں قبول کرنا چاہتی۔ کیونکہ ایسا کرنے میں اس کا فائدہ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں مفید ہوگا اگر ہم عالمی یعنی بین الاقوامی قانون کے ماہرین سے مشورہ کر لیں کہ اس مسئلہ پر ماہرین کی عام یا متفقہ رائے کیا ہے۔

مشہور برطانوی وکیل اور بین الاقوامی قانون کے ماہر پروفیسر اوپن ہائم، امریکی پروفیسر

چارلس فنوک ۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جارج ولسن ۔ مشہور فرانسیسی وکیل فاؤ کلے بین الاقوامی قانون کے ماہر اور روس کے بین الاقوامی قانون کے ماہر پروفیسر مارتن اور بہت سے عالموں کے بیانات سے ظاہر ہے کہ ان سب کا ایک ہی نقطۂ نظر ہے ۔ یعنی یہ کہ امن کے قیام کے بعد جنگی قیدیوں کی فوری واپسی لازمی ہے ۔ جیسا کہ ۱۹۰۷ء کے میثاق ہیگ میں کہا گیا ہے ۔ اور جیسا کہ اسپین اور امریکہ کے درمیان ۱۸۹۸ء کے معاہدۂ امن اور ۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء کے جرمنی کے معاہدۂ جنگ بندی کی دفعہ ۱۰ میں ہے ۔

اب یہ بدیہی نتیجہ نکلنا رہ جاتا ہے کہ بین الاقوامی قانون کے عام مسلمہ اصولوں اور معیاروں کا لحاظ کرنا لازمی ہے ۔ خاص طور پر جب وہ بین الاقوامی میثاقوں میں موجود ہیں جن پر مختلف حکومتوں کے دستخط ہیں اور جن پر ان کے ملننے کی نہ صرف اخلاقی بلکہ قانونی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے ۔ بین الاقوامی قانون کو ڈنڈے کی طرح ادھر ادھر پھرایا نہیں جا سکتا ۔ کسی عارضی مفاد یا خود غرضانہ مقصد کی بنیاد پر اس کی توقع نہیں کیجاسکتی کہ اس طرح کی نراجیت اور خلاف ورزی پر رائے عامہ ملامت نہیں کرے گی ۔ اور ایماندار لوگ احتجاج نہیں کریں گے ۔ اور اس سے ایسی مخالفت نہ اٹھ کھڑی ہوگی جو امن پسند لوگوں کے ضمیر کو ذلیل کرنے اور دہشت دلانے سے ہمیشہ پیدا ہوتی ہے ۔

کوریا کے سوال کے پُرامن حل میں جنگی قیدیوں کے تبادلے کا سوال ہی اب ایک رکاوٹ رہ جاتا ہے ۔ تاکہ کوریا کی لڑائی جو دو سال سے زیادہ سے چل رہی ہے ختم ہو جائے ۔ اور اس کی لائی ہوئی مصیبتیں اور تکلیفیں دُور ہوں ۔ جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال کو اگر حقیقت پسندی اور صبر سے جانچا جائے تو کوریا اور چین کے نقطۂ نظر کی معقولیت ثابت ہو جائے گی ۔ تمام امن پسند اور معقولیت پسند لوگ اس نقطۂ نظر کی حمایت کریں گے جس سے کوریا کی جنگ کے جلد ختم ہونے کا ایک راستہ کھلتا ہے ۔ اور کوریا کے سوال کا پُرامن حل سامنے آتا ہے ۔

امریکہ نے جو تجویز کا مسودہ پیش کیا ہے جسے بعد میں جنگ کوریا میں حصہ لینے والے بہت سے ملکوں کے وفدوں نے اپنایا ہے ۔ اس اہم ضرورت کو پورا نہیں کرتا ۔ اور اس لئے اسے بالکل بیکار سمجھ کر رد کر دینا چاہیئے ۔

کوریا کی موجودہ حالت کے متعلق بہت سے اہم سوالوں میں کوریا کا اتحاد اور

آبادکاری کا سوال بہت زیادہ اہم ہے۔ اس سوال کو حل کرنے میں مدد دینے کے لئے جو کمیشن بنایا گیا تھا وہ اپنا کام پورا کرنے سے قاصر رہا۔ اور وہ کوریا کے اتحاد اور آبادکاری میں مدد دینے جیسے اہم کام کو انجام دینے کے لئے بالکل ناموزوں اور نااہل ثابت ہوئے ہے۔ مزید برآں اس نے اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش بھی نہیں کی۔ کیونکہ وہ امریکی کمان کا آلۂ کار بن گیا تھا۔ اور یہ بات اس کی اپنی رپورٹ نمبر ۷ سے ظاہر ہے خاص طور پر اس پیراگراف سے۔

کوریا کے اتحاد اور آبادکاری کا کمیشن۔ جیسا کہ اس کی پوری کارروائی سے ظاہر ہے کوریا کو متحد کرنے اور اُسے پھر سے آباد کرنے کے لئے نہیں قائم ہوا تھا بلکہ اس کا مقصد تھا کہ دُنیا کی رائے عامہ کو اس دھوکے میں رکھا جائے کہ امریکہ کے حملہ آوروں نے اس کام کا بیڑا اُٹھا لیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ بیڑا نہیں اُٹھایا ہے اور وہ ایسا اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک وہ کوریا کے عوام کے خلاف یہ بہیمانہ جنگ لڑ رہے ہیں۔ جس میں شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں گرائے جا رہے ہیں۔ کوریا کی زمین تہس نہس کی جا رہی ہے۔ اور آبادی ختم کی جا رہی ہے۔ اس دعوے کا جھوٹ ظاہر ہے کہ امریکن حملہ آور جو بظاہر اقوام متحدہ کی جانب سے کام کر رہے ہیں اب کوریا کو متحد اور آباد کرنے کے کام میں لگ گئے ہیں۔ اتحاد کا تو اب سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ کوریا کے عوام پر جو جنگ مسلط کی گئی ہے اس نے کوریا کو اور بھی سختی سے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور شمالی کوریا کی فوجوں کے عقب میں جو بے رحمانہ بمباری ہوئی اس سے آبادکاری کا کوئی امکان ہی نہیں رہ جاتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ کوریا کے سوال میں سب سے خاص کام یہ ہے کہ جنگ بند ہو اور کوریا کے سوال کو پُرامن طریقے پر حل کیا جائے۔ پولینڈ کے وفد نے جو تجویزیں پیش کی ہیں وہ اس تقاضے کو پورا کرتی ہیں کیونکہ اس میں ایسے اقدامات کا پروگرام ہے جن کا مقصد سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ ضروری سوال یعنی کوریا میں جنگ اور امن کے سوال کا ایک موثر تصفیہ ہے۔ پہلی کمیٹی نے سوالوں پر بحث کے لئے جو غلط ترتیب مقرر کی ہے اس کی وجہ سے پولینڈ کی تجویز پر بعد میں بحث ہوگی۔ اس وقت ایجنڈے میں "اقوام متحدہ کمیشن برائے اتحاد و آبادکاری کوریا" کی رپورٹ ہے۔ اس ایجنڈے کے مطابق سوویت یونین کا وفد

پہلی کمیٹی کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ وہ سارے وفد جو خلوص کے ساتھ کوریا کے اتحاد اور آبادکاری کے لئے کوشاں ہیں اس کی حمایت کریں گے۔

ہماری تجویز کا مسودہ یوں ہے:۔

"جنرل اسمبلی

"کوریا کے اتحاد و آبادکاری کے کمیشن کی رپورٹ کو جانچنے کے بعد یہ ضروری سمجھتی ہے کہ:۔

"کوریا کے سوال کو پُرامن طریقے سے حل کرنے کے لئے ایک کمیشن قائم کیا جائے جن میں وہ فریق جن کا اس سوال سے براہ راست تعلق ہے۔ اور دوسری ریاستیں منجملہ ان ریاستوں کے جنھوں نے کوریا کی جنگ میں حصہ نہیں لیا شریک ہوں۔

مذکورہ بالا کمیشن کو ہدایت ہو کہ ایسے اقدامات فوراً کرے جن سے مذکورہ بالا کمیشن کی نگرانی میں خود کوریائیوں کے ہاتھوں کوریا کا اتحاد عمل میں آنے کی خاطر کوریا کا مسئلہ حل ہو سکے۔"

کوریا کے سوال پر پہلی کمیٹی میں

مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۵۲ء کو ویشنسکی کی تقریر

۱۔ کوریا میں امریکہ کے جارحانہ اقدام کو جائز ٹھہرانے کی کوشش ناکام

دستاویزوں میں تحریف کی گئی ہے

پہلی کمیٹی میں آج تک کوریا کے سوال پر جو بحث ہوئی ہے اس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ امریکہ کے حکمراں حلقے کوریا میں جنگ کا خاتمہ کرنا اور کوریا کے سوال کا پُرامن حل نکالنا نہیں چاہتے۔ وہ جلد از جلد کوریا میں صلح کی بات چیت کو انجام تک پہنچانا اور کوریا میں جنگ کو ختم کرنا نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ بات چیت میں گڑبڑ پیدا کریں اور یہ غیر منصفانہ اور جارحانہ جنگ، جو اب اپنے تیسرے سال میں ہے، طول پکڑے۔

کوریا کے حالات اور صلح کی بات چیت کی رفتار کے بارے میں، امریکی سرکار کے بار بار تشویش کا اظہار کرنے کے باوجود بہت سے واقعات سے کوریا کی طرف امریکہ کی جارحانہ پالیسی کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک سال سے زیادہ ہوا جب امریکی حکومت نے سوویت حکومت کے پاس ایک بیان بھیجا تھا کہ امریکہ کائی سونگ میں صلح کی بات چیت کی کامیاب تکمیل چاہتا ہے تو سوویت حکومت نے یہ کہا تھا کہ یہ بیان کائی سونگ میں امریکی نمائندے کے طرزِ عمل سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ امریکی کمان اور امریکی حکومت دونوں باقاعدہ طور پر، کوریا اور چین کی طرف سے آنے والی ان تمام تجویزوں کو مسترد کر رہے ہیں جن کا مقصد واقعی کوریا کے سوال کا ایک پُرامن حل

نکالنا ہے۔ یہ تجویزیں اس وقت آرہی ہیں جبکہ کوریا میں امریکی فوج کا کمانڈر رجوتے بات چیت کے راستے میں باقاعدہ ہر طرح کے روڑے اٹکاتا رہا ہے۔ جس نے کسی قسم کی حرکت باقی نہیں رکھی۔ جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ بات چیت میں الجھاؤ پیدا ہوا۔ اور فطری طور پر بات چیت کی کامیاب تکمیل میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔

پھر بھی کوریا اور چین کے امن پسند طرزِ عمل کے فیض سے کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ اور صلح نامے کے مسودے میں درج زیادہ تر نکتوں پر مصالحت ہوگئی۔ کوریا کی صلح کی بات چیت کے دوران میں تمام مشکلات کے باوجود ان حالات نے ہمیں یہ امید دلائی کہ جلد ہی یہ بات چیت مکمل صلح کی صورت میں انجام پائے گی۔

لیکن بہرحال، یہ امیدیں صحیح ثابت نہیں ہوئیں۔ اس لئے کہ یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ امریکی کمان صلح کی بات چیت کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جیسا کہ امریکہ کے حکمراں حلقوں میں کھلم کھلا اعلان کیا جاتا ہے۔ وہ کوریا میں جنگ کو ایک پُر امن صلح کے ذریعے نہیں بلکہ "فوجی فیصلے" کے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں وہ فوجی طاقت کے ذریعے، میدانِ جنگ میں کسی بھی قیمت پر فتح حاصل کر کے ہی جنگ کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق اس امریکی تجویز سے بھی ہوتی ہے جو ۲۴ اکتوبر کو مسٹر ایچی سن نے یونائیٹڈ نیشنز کمیشن برائے اتحاد و آبادکاری کوریا کی رپورٹ کے متعلق پیش کی تھی۔ اس تجویز کی حمائت ان دوسرے ملکوں نے بھی کی تھی جو کوریا میں امریکہ کی فوجی مداخلت میں شریک ہیں۔ ہاں اس حقیقت سے قطع نظر کہ تجویز پیش کرنے والے، اور دوسرے موقعوں کی طرح اس بار بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ انجمن اقوام متحدہ کے پرچم کے نیچے کام کر رہے ہیں۔ اور ایمانداری سے کوریا کی جنگ کو باعزت شرائط پر طے کرنا چاہتے ہیں۔

بنیادی طور پر، یہ (مسودہ) تجویز صرف ایک سوال سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ ہے جنگی قیدیوں کی واپسی کا سوال ——— ! یہ ایک ایسا سوال ہے جس سے پان من جان کی بات چیت میں تعطل پیدا ہوا اور جس کا حل ہونا موجودہ حالات میں کوریا کے مکمل صلح کے لئے تمام بات چیت کی کنجی بن گیا ہے۔

(مسودہ) تجویز میں کہا گیا ہے کہ امریکی کمان جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں

جو اصول برت رہا ہے اسے جنرل اسمبلی مان لے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امریکی کمان اس اصول پر اصرار کرکے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی بڑی تعداد کو اپنے علاقے میں زبردستی دباؤ کے ذریعے، جبری "اسکریننگ" اور "تفتیش" کے ذریعے ظالمانہ اذیتیں پہنچا کر یعنی کہ قتلِ عام کر کے روکے رکھنا چاہتی ہے۔

امریکی نمائندوں نے یہ (مسودہ) تجویز پیش کرتے ہوئے صاف طور پر اس کی منظوری پر اصرار کیا۔ حالانکہ وہ پہلے سے یہ جانتے تھے کہ اس قسم کی نام نہاد تجویز قطعی طور پر ناقابلِ قبول ہے۔ انھیں اندازہ تھا کہ یہ تجویز کوریا اور چین کی طرف سے مسترد کر دی جائے گی۔ لہٰذا اس طرح کے "اصول" پر ہٹ دھرمی سے صلح کی بات چیت کا ناکامیاب ہونا اور جنگ لمبی کھنچ جانا لازمی تھا۔

پہلی کمیٹی کی تازہ بحث نے یہ بات صاف کر دی ہے کہ کچھ وفدوں نے 'امریکی (مسودہ) تجویز بنانے میں ہاتھ تھا۔ کوریا میں امریکی مداخلت میں ساجھی ہونے کے باعث جنرل اسمبلی کے اجلاس میں کوریا کے سوال کا واقعی منصفانہ اور صحیح حل ڈھونڈ نکالنا اپنا فرض نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کے برخلاف انھوں نے امریکہ کے حکمراں حلقوں کو اس دلدل سے باہر نکالنے میں مدد پہنچائی۔ جس میں وہ کوریائی عوام کے خلاف ایک جنگ چھیڑ کر پھنس گئے ہیں۔ ایک ایسی جنگ جو دوررس مقاصد اور ارادوں کے ساتھ چھیڑی گئی تھی ــــ لیکن جو بُری طرح ناکام ہوئی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ ڈھائی سال سے امریکہ ایک چھوٹے سے ملک کوریا کو ستا رہا ہے اور اس نے انتہائی بہیمانہ طریقے جنگ کے استعمال کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ لیکن پھر بھی اپنے جارحانہ ظلم و ستم کے شکار کو اپنے قابو میں نہیں کر پا رہا ہے۔

لیکن حملہ آور اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ وہ پوری ہٹ دھرمی کے ساتھ اس امید میں کوریا پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس طرح مشرق بعید اور ایشیا میں تسلط جمانے کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اس کے بعد ساری دنیا کو اپنی مٹھی میں کرنے کا خواب بھی پُورا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خواہش بھی انہیں اس کی ترغیب دیتی ہے۔ اس لئے کہ وہ جنگ کو منافع کمانے کا اور کروڑہا کروڑ بڑھانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

یہ بالکل واضح ہے کہ کوریائی عوام کے خلاف ایک جارحانہ جنگ اس وقت تک نہیں چھیڑی جاسکتی تھی. جب تک شمالی کوریا پر حملے کے متعلق رائے عامہ کو مغالطے میں ڈالنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ اس لئے کہ پچھلے پچیس سال میں جنگوں کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ خاص طور پر ہمارے دور میں ایک غیر منصفانہ جنگ چھیڑنا ناممکن ہے. ایک تباہ کن جنگ اس وقت تک نہیں لڑی جاسکتی جب تک کہ اس کی اصلی نوعیت کو حیلہ باز نعروں کے پیچھے چھپا کر اس خاص جنگ کے نیک مقاصد کے دعوے نہ کئے گئے ہوں۔ جارحانہ جنگ کرنے والوں کے خلاف ایک جدوجہد کا نام دئے بغیر اور اسے اس پردے کے پیچھے چھپائے بغیر یہ جنگ چھیڑی ہی نہیں جاسکتی۔ موجودہ معاملے میں بھی اصلی جنگ باز شمالی کوریا پر یہ الزام رکھ رہے ہیں کہ اسی نے یہ جنگ چھیڑی ہے۔ حالانکہ ناقابلِ تردید واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ دراصل شمالی کوریا اس جارحانہ جنگ کا شکار ہوا ہے. جس کی تیاری امریکہ کے حکمراں حلقے نے بہت پہلے ہی کر لی تھی۔

ہم نے بار بار یہ واقعات پیش کئے ہیں۔ یہ ایسے واقعات ہیں جنکی آج تک ذرہ برابر بھی تردید نہیں ہوسکی ہے۔

ان واقعات کو غلط ثابت کرنے اور شمالی کوریا کی طرف سے جنگ کے شروع کئے جانے کے جھوٹے دعوے کو سچ ثابت کرنے کی بجائے امریکہ کے نمائندوں اور کچھ دوسرے ملکوں کی حکومتوں نے (جو امریکہ کی حمایت کر رہی ہیں) جنھیں انکار کرتے رہنے پر اکتفا کیا۔ حالانکہ اس انکار کے پیچھے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھا۔ اور یہ چیز اس حقیقت کے باوجود کی جاتی ہے جبکہ جنگ کے ابتدائی دور ہی میں ہم آج سے دو سال پہلے ایسے ٹھوس اور ناقابلِ تردید اعداد و شمار پیش کر چکے ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ امریکہ کے فوجی ہدایت کاروں سے ٹریننگ اور ہدایت پاکر سنگمین ری کی فوج سے جون ۱۹۵۰ء میں کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کے علاقے پر حملہ کیا۔

واقعی یہ چیز ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کہ امریکہ کی (مسودہ) تجویز کے دوسرے شرکار جنھوں نے یہاں تقریر کی. مسودے کو پورے جوش وخروش سے سراہا. کوریا میں امریکی کمان کے گن گائے اور وہ سب کچھ کہا جو آپ سننا چاہتے ہوں۔ البتہ انھوں نے ان واقعات میں سے ایک کو بھی نہیں چھوا۔ بلکہ انہیں سیدھے سیدھے نظر انداز کر دیا اور کہنا چاہئے کہ

ان واقعات سے اپنا دامن صاف بچالے گئے۔

امریکہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ نے اپنی تقریر میں بڑی چرب زبانی سے شمالی کوریا پر جنوبی کوریا کے خلاف حملہ کرنے کا الزام عاید کیا۔ لیکن اپنے الزام کے ثبوت میں انھوں نے کوئی بھی واقعہ پیش نہیں کیا۔ امریکی نمائندے کی حمایت کرتے ہوئے برطانوی وزیر ریاست مسٹر لائیڈ نے بھی کوریائی عوام کی جمہوری ری پبلک کے خلاف الزام لگائے۔ لیکن انھوں نے بھی اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لئے کوئی واقعہ پیش نہیں کیا۔

فرانس کے نمائندے مسٹر ہوپی نو نے بھی اسی رنگ میں تقریر کی۔ انھوں نے نہ صرف کوریائی عوام کی جمہوری ری پبلک کے خلاف الزام کو ثابت کرنے کے لئے کوئی واقعہ پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان کی تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ انھیں بالکل یقین نہیں تھا کہ اس قسم کا کوئی ثبوت بھی ہے۔ جیسی کہ توقع کی جا سکتی تھی۔ کوریائی عوام کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے ملکوں کے نمائندوں نے جو خاص طور پر معاشی حیثیت سے، امریکہ کے دست نگر ہیں، اچی سن کی حمایت کی۔

ان وفدوں کی کوریا میں امریکی مداخلت پر لیپا پوتی اور شمالی کوریا پر جارحانہ اقدام کا الزام عاید کرنے میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش میں خوش آئند یک جہتی، غیر متوقع طور پر اس وقت درہم برہم ہو کر رہ گئی جب سنگمین ری کے دلال نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ وہ کوریائی عوام کا نمائندہ ہے۔ ان حضرت کو یا تو اتنا وقت نہیں ملا تھا کہ وہ اپنی تقریر اپنے امریکی آقاؤں کو دکھا کر منظوری لے لیتے۔ یا ان کے آقا خود ہی دوسرے کاموں میں زیادہ مصروف رہے ہوں گے ـــــ یاد رہے کہ انھوں نے صدر کے انتخاب سے عین پہلے تقریر کی تھی۔ بہرحال، ان کی تقریر نے اس ناقابل تردید حقیقت کی تصدیق کر دی کہ امریکی کمان کی سرکردگی میں سنگمین ری کی فوجوں نے ہی شمالی کوریا پر جارحانہ حملہ کیا تھا۔ اور اس طرح اس چیز نے امریکہ کے اس الزام کی دھجیاں اڑا دیں۔ "جارحانہ حملہ شمالی کوریا کی طرف سے شروع ہوا"۔ ہر شخص نے سنگمین ری کے دلال کو اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے سنا کہ سنگمین ری کی سازشی ٹولی واقعی شمالی کوریا پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ اور جو لوگ کہ سنگمین ری کے ہیں اور ان کے سرپرست جنھوں نے کوریا میں جنگ کا جوا کھیلا ہے ان کے دماغ میں شمالی کوریا کے خلاف جارحانہ منصوبے پہلے بھی تھے اور آج

بھی موجود ہیں۔ اگرچہ امریکہ کے نمائندے اور اس کے ساتھیوں نے پوری قوت سے اس الزام سے انکار کرنے کی کوشش کی کہ سنگمین ری اور امریکہ کے حکمران حلقے کوریا کی طرف جارحانہ مقاصد اور منصوبے رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات خود برائیڈ لے اور رابرٹس جیسے جنرلوں کی موجودگی اور ڈلیز، موچو، گراس اور دوسرے سیاسی مدبروں کے جنگ پرست بیانات سے ثابت ہو جاتی ہے۔ لیکن سنگمین ری کے دلال نے کوریا میں جارحانہ حملے کے متعلق سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا۔

جیسا کہ ہم نے سنا کہ امریکی تجویز کی حمایت کرتے ہوئے برطانیہ، فرانس اور دوسرے ملکوں کے نمائندوں نے اپنی تقریروں میں برطانیہ کے اسٹیٹ منسٹر سیل وین لائڈ کی طرح یہ دکھلانے کی کوشش کی کہ سنگمین ری کے فوجی دستوں نے کوریا کی جمہوری ری پبلک کے علاقوں پر جو ان گنت چھاپے مارے۔ ان کی حیثیت معمولی سرحدی واردات سے زیادہ نہیں ہے انھوں نے اعلان کیا کہ جب تعلقات کشیدہ ہوں تو ایسی وارداتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ لہٰذا ان پر توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایسی وارداتوں کی حیثیت اور ہے اور بڑے پیمانے کے حملے کی حیثیت اور ہے۔

مسٹر لائیڈ نے بہرحال یہ نہیں بتایا کہ یہ نام نہاد "سرحدی وارداتیں" سنگمین ری کی باقاعدہ فوجوں کی پوری پوری بٹالینوں کے حملے تھے اور یہ کہ انہیں حملوں کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ سنگمین ری کی فوجیں درجنوں خندقی توپیں، مشین گنیں۔ سیکڑوں رائفل، ہزاروں کارتوس اڑتیسویں عرض البلد کی شمالی جانب اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھیں۔

بہت پہلے ۹ر جولائی ۱۹۴۹ء ہی کو کوریا کے عوام کی جمہوری ری پبلک کی وزارت داخلہ نے شمالی کوریا کی عام آبادی کے خلاف سنگمین ری کے نیشنل ڈفنس اور پولیس دستوں کے باقاعدہ حملوں اور بہیمانہ جرائم کے متعلق ایک بیان شائع کیا تھا۔ اس بیان میں بتایا گیا تھا کہ اپنے شہریوں کے جان و مال کو سنگمین ری کی فوجوں کے وحشیانہ جرائم سے بچانے کے لئے کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک وزارت داخلہ کے حفاظتی دستوں کو سنگمین ری کی فوج کے ان دستوں کے خلاف قدم اٹھانا پڑا ہے۔ جنھوں نے کہ اڑتیسویں عرض البلد کو توڑا تھا۔ ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سنگمین ری کی فوج اپنے پیچھے، دو سو مردہ سپاہی ۳۱ قیدی، ۴ خندقی توپیں۔ بہت سی بھاری اور ہلکی مشین گنیں، ایک ریپڈ فائر گن،

تقریباً سو رائفل اور بہت سے گولے اور کارتوس اڑتیسویں عرض البلد کے شمالی علاقے میں یعنی کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک کی سرزمین پر چھوڑی گئی ہیں۔

اس طرح کی نام نہاد "وارداتیں" ۲۵ر جون ۱۹۵۰ء تک جاری رہیں۔ جیسا کہ جنوبی کوریا کے "نام نہاد" قومی دفاع" کی فوجوں نے بڑی طاقت کے ساتھ شمالی کوریا پر حملہ کر دیا۔

کوریائی عوام کی جمہوری ری پبلک کے حفاظتی دستوں نے 'عوامی فوج کے دستوں کے ساتھ مل کر سنگمین ری کی فوجوں کے حملے کو جو کہ اڑتیسویں عرض البلد کے شمال میں گھس آئی تھیں پسپا کر دیا۔ اور اس کے بعد ایک جوابی حملہ شروع کیا۔ اور ۲۵ر جون کو وہ اڑتیسیں عرض البلد کے جنوب میں دس کلومیٹر (تقریباً چھ میل) تک بڑھتے چلے گئے۔

فرانس کے نمائندے مسٹر ہوپی نو نے وہی باتیں دہرائی ہیں جو کوریا میں امریکی سفیر موچیو اور اسٹیٹ کے اسسٹنٹ سکریٹری گراس نے "شمالی کوریا کے جارحانہ حملے" کے بارے میں پھیلائی ہیں۔ ہم نے جو بے شمار واقعات پیش کئے تھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کوریا میں امریکہ نے جارحانہ حملہ کیا تھا۔ ان میں سے کسی بھی واقعہ کی تردید کرنا تو بڑی بات ہے ایک حد تک ندامت کے ساتھ انھیں الٹے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ صرف جارحانہ حملے کے بیانات ہی نہیں دئے گئے بلکہ سنگمین ری اور امریکہ کے افسروں کی طرف سے جارحانہ اقدامات بھی کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ۲۵ر جون ۱۹۵۰ء کے واقعات کے بارے میں بولتے ہوئے مسٹر ہوپی نو امریکی بیان کی حمایت میں ایک بھی دلیل نہیں دے سکے کہ کوریا میں جارحانہ اقدامات کا مجرم کون ہے — وہ صرف اتنی سی رٹی رٹائی بات کہہ کے رہ گئے کہ کہا جاتا ہے کہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ "جنوبی کوریا کی فوجوں نے پہلے اڑتیسویں عرض البلد کو نہیں پار کیا" جو جنوبی کوریا کو شمالی کوریا سے الگ کرتا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی بات کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ انھوں نے کہا کہ واقعہ محض اتنا ہے کہ "چاہے ۲۵ر جون ۱۹۵۰ء سے پہلے اڑتیسویں عرض البلد کے جنوب میں دوسری جگہ ہونے والی وارداتوں کی جو بھی تاویلیں کی جائیں —— چاہے جو بھی عذر پیش کئے جائیں یا اس نامساعد دن سے پہلے کے واقعات یا بیانات پر جتنے بھی تاسف کا اظہار کیا جائے۔"

ہم جانتے ہیں کہ جن بیانات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سنگمین ری، چاؤ بیاں اوک، موچیو، ڈلیز، رابرٹس اور دوسرے امریکی افسروں اور سنگمین ری کے عہدہ داروں کے تیار کردہ بیانات

ہیں۔ یہ ایسے بیانات ہیں جن میں انھوں نے شمالی کوریا پر حملے کی اپنی تیاریوں اور منصوبوں کو نہیں چھپایا ہے۔ یہ بات تو متوقع جنگ کے ان اہم فوجی نقشوں میں دیکھی جاسکتی ہے جو سنگمین ری کے ہیڈ کوارٹر میں ملے ہیں۔

ہم کو معلوم ہے کہ مسٹر ہوپی تو نے جن واقعات کا ذکر کیا ہے وہ سنگمین ری کی طرف سے شمالی کوریا کی سرزمین پر وہ لاتعداد حملے اور مداخلتیں ہیں جو کافی عرصے سے کئے جارہے ہیں اور جن سے سنگمین ری کی فوج کو حملے کی مشق کرنے اور شمالی کوریا پر بڑے پیمانے پر حملے کی تیاریاں کرنے میں مدد ملی ہے۔

مسٹر ہوپی تو کے اس بیان سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کچھ سراسیمگی کے ساتھ پیچھے ہٹے ہیں۔ اس لئے یہ کوئی اتفاقیہ بات نہیں ہے کہ اپنی تقریر میں معاملے کو بالکل ایک دوسری سطح پر لے گئے ہیں۔ اور اس پر زور دیا ہے کہ کسی فریق کو جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کی توہین کی گئی ہے۔ یا جسے اشتعال دلایا گیا ہے یا دھمکی دی گئی ہے اس کا حق نہیں پہنچتا کہ تشدد میں سبقت لے جائے۔ اور اس طرح شمالی کوریا پر حملہ آور سنگمین ری کی فوجوں کو پیچھے ہٹا کر شمالی کوریا کی حکومت نے اس قانون کو توڑا ہے اور اس لئے اس قانون کے بل بوتے پر مجلس اقوام متحدہ کو اس کے خلاف قدم اُٹھانے اور فیصلے کرنے کا حق حاصل ہے۔

اس طرح کی دلیل دے کر مسٹر ہوپی تو نے یہ ظاہر کردیا ہے کہ انھیں یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ جنوبی کوریا کی حکومت نے اپنا طرز عمل کچھ ایسا رکھا ہے جو شمالی کوریا کے لئے دھمکی اور خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ جیسا کہ انھوں نے کہا۔ یہ طرزِ عمل اہانت آمیز اور اشتعال انگیز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شمالی کوریا کی حکومت کو اس بات کی ذمہ داری لینی پڑے گی کہ اس نے کیوں خود اپنی مداخلت کے لئے ایسے اقدامات کئے۔ اور مجلسِ اقوام متحدہ سے مدد کی درخواست کئے بغیر حملہ آوروں کو اپنے علاقے سے مار بھگایا۔ کیوں اس نے اس وقت تک انتظار نہیں کیا جب امریکہ اور اس کے حواریوں کے لئے شمالی کوریا میں اشتعال انگیز مداخلت کو روکنے کے لئے قدم اُٹھانے کی سہولتیں اور فرصت نہ مل جاتی۔ امریکہ کے حکمران حلقوں نے کوریا کی خانہ جنگی میں جو ملک میں فوجی مداخلت کی غرض سے چھیڑی گئی تھی، مداخلت کرکے اس کا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ لیکن فرانسیسی نمائندے کی حالت قابلِ رحم بہانہ بازی کی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اصلی جارحانہ حملے کے اثرات پر پردہ ڈالا جائے

اور اصلی حملہ آور کو بری کر دیا جائے اور اس جارحانہ حملے کے شکار کو اقوام متحدہ کے چارٹر (منشور) کے تحت اپنا بچاؤ کرنے کے قانونی حق سے بھی محروم کر دیا جائے۔

برطانوی نمائندے مسٹر لائیڈ نے بھی حقیقتوں کو توڑ مروڑ کر امریکی حملے کے لئے جواز پیدا کرنے کی ایک ناکام کوشش کی ہے۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے جو ہر قسم کی تنقید سے ہی پرے ہے۔ اپنے نام نہاد "ثبوت" کے اسلحہ خانے سے انھوں نے کمیشن برائے اتحاد کوریا کی ۲۴ر جون ۱۹۵۰ء والی رپورٹ نکالی ہے۔ اس رپورٹ کا خاص مقصد جیساکہ ہر شخص جانتا ہے یہ ہے کہ ضرورت پڑنے پر یہ ثابت کیا جا سکے کہ شمالی کوریا پر حملے سے پہلے سنگمین ری کی پالیسی صرف "مستعد دفاع" کی پالیسی تھی۔

پولستانی (پولنڈ) وفد کے صدر، وزیر خارجہ سکرزوسکی نے اس چیز کی طرف صحیح اور مضبوط وجوہ کی بنیاد پر اشارہ کیا ہے کہ ظاہراً اس رپورٹ کا مقصد صرف "عذر غیر موجودگی" پیش کرنا ہے۔ یعنی اس دستاویز کا مقصد جرم کی تیاریوں یعنی کوریا میں جارحانہ حملے کو جائز قرار دینا ہے۔

لیکن یہ "عذر غیر موجودگی" کچھ اس طرح گڑھا گیا ہے کہ اس میں بہت سی خامیاں رہ گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تاریخی حملے کی تاریخ کو جھٹلانے والے بے نقاب ہو کر رہ گئے مندرجہ ذیل واقعہ مثال کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اقوام متحدہ کمیشن کی رپورٹ دراصل انجمن اقوام متحدہ کے نام نہاد مقامی مشاہدین کی رپورٹ ہے۔ ان مشاہدین نے یہ رپورٹ ۲۴ر جون کو تیار کی تھی۔ اور یہ وہ دن تھا جبکہ وہ اڑتیسویں عرض البلد سے لوٹ چکے تھے۔ جبکہ جنگ شروع نہیں ہوئی تھی۔ ان مشاہدین نے اعلان کیا کہ انھیں اس کا بالکل موقعہ نہیں ملا کہ اس دستاویز کو اس وقت چھپوائیں اور اسے مطلوبہ جگہ پر بھجوا دیں۔ اس لئے انھوں نے ۲۶ر جون ۱۹۵۰ء کو سیول میں اس کی ایک مختصر رپورٹ کمیشن کی میٹنگ کے موقع پر پیش کی۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر کمیشن نے جو فیصلے کئے وہ اس تار میں شامل کر لئے گئے، جو کمیشن نے جنرل سیکریٹریٹ کو اسی دن بھیجا تھا۔ اور جو بعد میں سلامتی کونسل کی دستاویز نمبر سی/۱۵۰۷ کی شکل میں شائع ہوا تھا۔

یہ دستاویز (سی/۱۵۰۷) ۲۷ر جون ۱۹۵۰ء کی سلامتی کونسل کی سرکاری رپورٹ نمبر ۱۶ میں شائع ہوئی تھی۔ اگر اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ کمیشن نے

اڑتیسویں عرض البلد پر فوجی اقدامات کے بارے میں ان ہی رپورٹوں سے اپنے نتائج اخذ کئے ہیں جو کہ فوجی مشاہدین نے دی تھیں۔ اور جن کی براہ راست معلومات فوجی مشاہدین سے حاصل ہوئی تھیں۔ یہ بات دستاویز سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ بہرحال، مشاہدین ۲۵ رجون کو رُونما ہونے والے واقعات سے ۴۸ گھنٹے پہلے اڑتیسویں عرض البلد کے قرب وجوار سے واپس ہو چکے تھے۔ لہٰذا وہ ان واقعات کے بارے میں براہ راست معلومات بہم نہیں پہنچا سکتے تھے۔ جو اڑتیسویں عرض البلد پر ہوئے۔ اس لئے کہ انھوں نے خود ان کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ اس وقت سیول پہنچ چکے تھے۔

اس لئے اڑتیسویں عرض البلد پر ۲۵ جون کو رونما ہونے والی جنگ وجدل کی نوعیت اور اصلی واقعات کے بارے میں، جیسا کہ کمیشن کے تار میں کہا گیا ہے، کمیشن کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ اس نے مشاہدین کی دی ہوئی معلومات کی بنیاد پر اپنے نتائج اخذ کئے ہیں۔ یہ دعویٰ غلط ہے۔ اور ظاہر ہے انجمن اقوام متحدہ کا نام لے کر یہ غلط بیانی اس حقیقت کو چھپانے کے لئے کی گئی ہے کہ یہ معلومات سنگمین ری کے خاص ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں۔

یہی ایک چیز یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ جنرل سکریٹریٹ کے نام کمیشن کے تار میں معلومات کی نوعیت، ارادی عصبیت پر مبنی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس کا واحد مقصد یہ تھا کہ کمیشن کی معلومات کو سند اور خارجی مشاہدے کا رنگ دیا جائے۔ حقیقت کو رائے عامہ سے چھپایا جائے۔ اور اس طرح کوریا میں امریکہ کی فوجی مداخلت کے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے راستہ صاف کیا جائے۔ اس طرح امریکہ کو موقع دیا جائے کہ وہ سلامتی کونسل کو اپنے جارحانہ مقاصد کے لئے استعمال کرنے اور ساتھ ہی انجمن اقوام متحدہ کے بہت سے ممبروں کو انجمن اقوام متحدہ کے جھنڈے اور نام کے پردے میں کوریائی عوام کے خلاف جنگ میں شریک کیا جائے۔

اس طرح سلامتی کونسل نے ۲۵ رجون اور ۲۷ رجون سنہ ۱۹۵۰ء کو جو فیصلے کئے ان کے لئے اس کے پاس کوئی بنیاد نہیں تھی۔ وہ فیصلہ جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ ۲۵ رجون کو فوجی حملہ شمالی کوریا کی فوج کی طرف سے ہوا تھا۔

ہمیں ان خاص حالات کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے جن میں کہ سلامتی کونسل نے غیر قانونی طور پر فیصلے کئے۔ حفاظتی کونسل کے دو ممبر سوویت یونین اور چینی جمہوری پبلک

کی شرکت کے بغیر یہ فیصلے کئے گئے۔ جن کی شرکت کے بغیر سلامتی کونسل کے فیصلے نہ تو جائز ہیں اور نہ جائز ہو سکتے ہیں۔

ایک اور بات توجہ کی مستحق ہے۔ میں صدر ٹرومین کے اس فرمان کا حوالہ دے رہا ہوں جس کے ذریعے امریکی ہوائی اور بحری فوج کو سنگمین ری کی فوجوں کی مدد کا حکم دیا گیا تھا یہ فرمان سلامتی کونسل کے ۲۷ جون سے پہلے ہی جاری کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اس فرمان میں ساتویں بحری بیڑے کو حکم دیا گیا تھا کہ فارموسا پر کسی کو حملہ نہ کرنے دے۔ جس کا صحیح معنوں میں مطلب یہ تھا کہ فارموسا پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہ چینی جمہوری ری پبلک کے خلاف ایک جارحانہ اقدام کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی فرمان میں اس کی بھی ہدایت کی گئی تھی کہ فلی پائن میں فوجوں کو زیادہ کمک پہنچائی جائے۔ اس طرح ان دنوں امریکہ کے حکمراں حلقے مشرق بعید میں جنگ وجدل برپا کرنے کے لئے بڑے شد و مد سے سرگرم عمل تھے۔

۲۷ جون کو امریکی حکومت نے سلامتی کونسل کے سامنے ایک سرانجام شدہ واقعہ پیش کیا۔ اس نے سیدھے سیدھے اپنی تجویز مسلط کر دی۔ یہ دراصل کوریا میں امریکہ کی طرف سے ایک جارحانہ جنگ چھیڑنے کے راستے میں دوسرا قدم تھا۔ اس طرح کوریا کا المیہ شروع ہوا۔

جیسا کہ واقعات ثابت کرتے ہیں کوریا کی جنگ ایک خاص وسیع منصوبے کا ایک حصہ ہے اور جو ایک نئی عالمگیر جنگ چھیڑنے کا پیش خیمہ ہے۔ امریکہ کے حکمراں حلقے کوریائی جنگ شروع کرنے کے بعد آج بھی اسی خارجی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اس منصوبے کا تقاضا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے۔ لہٰذا اگر اس کے لئے کوئی جواز موجود نہ ہو تو پھر اس کے لئے جواز پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔

امریکہ کے بحری اسٹیٹ سکریٹری کمبال نے بڑی صاف گوئی سے ۲۷ اکتوبر کو نیوی لیگ کی دعوت کے موقع پر اپنی تقریر میں اعلان کیا کہ امریکہ کو کہیں نہ کہیں تو حدِ فاصل کھینچنا ہی ہے۔ اس کے لئے انھوں نے کوریا کو چُنا ہے۔ ان کے خیال میں اگر کوریا میں امریکہ جنگ نہ کرتا تو آج اسے پھر کہیں دوسری جگہ لڑنا پڑتا ــــ شاید جاپان میں، فلی پائن میں یا اور کہیں۔

یہ حالات ہیں جن میں مسٹر ایچی سن اور ان کے دوسرے خوشامدی ساتھیوں نے

جن میں برطانیہ کے نمائندے مسٹر لائیڈ کا پہلا نمبر آتا ہے۔ بدنام کن اور بے بنیاد جھوٹ گھڑے اور یہ الزام لگایا کہ شمالی کوریا کو سوویت یونین نے اشتعال دلاکر اُبھارا ہے مسٹر لائیڈ نے ہماری طرف جھوٹ اور ملامت کے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر پھینکا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سوویت یونین کوریا میں جنگ کو طول دینا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ سوویت یونین، اس بات سے مطمئن ہے کہ امریکہ اور مغربی سرمایہ دار ممالک مسٹر لائیڈ کے قول کے مطابق وہاں اپنی جانیں اور سامان تباہ اور برباد کر رہے ہیں۔

انھوں نے چینی جمہوری حکومت کے سلسلے میں بھی ایسے ہی بدنام کن الزامات تراشے اور الزام لگایا کہ وہ بھی جنگ کو طول دینا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے یہ ایسے ملک کے لئے مفید ہے جو انقلابی تبدیلیوں سے گذر رہا ہو۔

۲۔ امریکہ اہم بین الاقوامی قوانین اور بین الاقوامی رواجوں کی بڑی بیدردی سے خلاف ورزی کر رہا ہے

مسٹر لائیڈ نے یہ تجویز پیش کی کہ کوریا کے سوال پر بحث اس نکتے سے شروع ہونا چاہیئے کہ واقعی تمام ممالک صلح چاہتے ہیں۔ اور دوسرے فریق پر الزام رکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ جب مسٹر لائیڈ بڑے دُکھ کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے تو ظاہر ہے وہ کوریا میں امریکی جوئے پر اور زیادہ بے نقاب ہونے سے ڈر رہے تھے۔

ایک ایسی تجویز، بہرطور، ناقابلِ قبول تجویز ہے۔ مجلس اقوام متحدہ کو چاہیئے کہ وہ جارحانہ جنگ کرنے والوں کو پورے طور پر بے نقاب کرے۔ اور ایسے عملی اور پُراثر قدم اُٹھائے جس سے اس جارحانہ اقدام کے اٹھائے جانے اور ایک نئی عالمگیر جنگ کے چھڑ جانے کا خطرہ ختم ہو۔ ساتھ ہی ساتھ مجلس اقوام متحدہ کو ایسے قدم اُٹھانے چاہئیں جن سے کوریا میں جنگ بند ہو۔ مجلس اقوام متحدہ کو پان من جان کی صلح کی بات چیت کو بہتر اور کامیاب بنانے کے لئے سب کچھ کرنا چاہیئے۔ راستے کی رکاوٹوں پر عبور حاصل کرنا چاہیئے اور بات چیت میں جو جمود پیدا ہو گیا ہے اسے ختم کرنا چاہیئے۔

اسی سلسلے میں وہ خاص سوال جس کے حل کرنے کی ضرورت ہے جنگی قیدیوں کے تبادلے کا سوال ہے۔ امریکی مسودہ تجویز کے مُصنفوں اور ان کے شرکار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس سوال کا حل انہی اصولوں کے مطابق نکالا جا سکتا ہے جو کہ مذکورہ بالا تجویز میں پیش کئے ہیں اور غیر مشروط طور پر امریکی کمان کے نقطۂ نظر کی حمایت اس حقیقت کے باوجود کرتے ہیں کہ یہ اصول عام طور پر مانے ہوئے بین الاقوامی قوانین کے اصولوں اور ان اصولوں پر مبنی بین الاقوامی مروجہ دستور کی نفی کرتے ہیں یا خاص طور پر ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کی۔

ظاہر ہے کہ اس دعوے کو کسی بھی قیمت پر صحیح ثابت کرنے کے لئے جو میثاق جنیوا کے اصل مواد اور مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔ مسٹر لائیڈ زبانی بازی گری پر اُتر آئے ہیں ان کے نزدیک دفعہ ۱۱۸ —— "جنگی قیدیوں کو عملی جنگ و جدل کے ختم ہوتے ہی رہا اور واپس کر دیا جائے گا"، کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو دوسرے فریق کو ان کی مرضی کے خلاف نہیں واپس بھیجنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس کا مطلب جنگی قیدیوں کی رہائی نہیں ہوگا بلکہ اس کا مطلب ہوگا کہ وہ پھر نظر بند کر دئے گئے ہیں۔ اور انہیں مسلح محافظ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

مسٹر لائیڈ کچھ ایسا بنتے ہیں جیسے انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ دفعہ ۱۱۸ میں "قید سے رہائی" کا ذکر ہے نہ کہ عام رہائی کا۔ اور یہ کہ اس طریقے سے رہا ہونے والے جنگی قیدیوں کو دوسرے فریق تک پہنچنے تک ایک خاص مدت کے لئے فطری اور ناگزیر طور پر مسلح حفاظت میں رہنا ہوگا۔

مسٹر لائیڈ کے دلائل کا کھوکھلا پن خاص طور پر اس وقت اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جب ہم دفعہ ۱۱۸ کے اس جملے کو دفعہ ۱۱۸ کے مکمل متن سے الگ کر کے دیکھنے کے بجائے اس دفعہ کے مکمل متن کے پس منظر میں دیکھتے ہیں۔ اس دفعہ میں جنگی قیدیوں کے غیر مشروط تبادلے اور واپسی کے بارے میں بہت صاف اور واضح نکات درج ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ جنگی قیدیوں کی مرضی ہے یا نہیں ہے۔ بلکہ متعلقہ فریقین کے درمیان قیدیوں کی واپسی کے بارے میں اگر کوئی معاہدہ ہوا ہے اس سے بھی قطع نظر۔

دفعہ ۱۱۸ میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ قطع نظر اس سے کہ قیدیوں کے تبادلے اور واپسی کا

معاہدہ ہو گیا ہو یا نہ ہو گیا ہو۔ قید رکھنے والا ہر فریق بغیر کسی تاخیر کے "مذکورہ بالا پیرے میں متعینہ اصولوں کے مطابق قیدیوں کی واپسی کا پلان" خود مرتب کرے گا۔ اور اس پر عمل پیرا ہوگا۔

یہ صاف ہے کہ قید میں رکھنے والا فریق سارے جنگی قیدیوں کو بغیر کسی شرط اور عذر کے واپس کرنے پر مجبور ہے۔

مسٹر لائیڈ نے جنیوا کنونشن کی ایک اور خاص اہم دفعہ ۷ کی بھی توڑی مروڑی ہوئی غلط تاویل پیش کرنے کی اسی طرح ناکام کوشش کی ہے۔

اس معاملے میں مسٹر لائیڈ اور کولمبیا کے نمائندے اور دوسرے نارتھ اٹلانٹک بلاک کے نمائندوں نے قانونی منطق پر ہیجانی اور جذبات انگیز ڈرامائی تقریروں کو ترجیح دی ہے۔ لائیڈ اور دوسرے اسی ذہنیت کے لوگوں نے ہر طرح کے بے ہنگم اور فضول بیانات دئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال کو قیدیوں کی پشت میں سنگینیں پیوست کر کے عمل میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور یہ کہ مجلس اقوام متحدہ کی فوجیں اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ جنگی قیدیوں کو سنگینوں کی مدد سے واپس کیا جائے —— وغیرہ وغیرہ —— !

اچھا تو، مسٹر لائیڈ، اب اچھی طرح جانتے ہیں کہ امریکی کمان ہی حقیقت میں جزیرہ کوجو اور دوسری جگہوں میں جنگی قیدیوں کے خلاف سنگینیں اور مشین گنیں استعمال کر رہی ہے۔ اور روزانہ کوریائی اور چینی محب وطن کو موت کے گھاٹ اتار رہی ہے جو امریکہ کی فوجی کمان کے مظالم کے خلاف احتجاج اور جنگ کر رہے ہیں۔ جو اپنی دہشت پسندی اور تشدد کے ذریعے جنگی قیدیوں کی واپسی سے انکار کرنے پر مجبور کرنا چاہتی ہے۔

مسٹر لائیڈ اس دفعہ کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ "جنگی قیدی کسی حال میں بھی ان حقوق سے مکمل یا جزوی طور پر دست بردار نہیں ہو سکتے جو انھیں اس میثاق سے ملے ہیں۔ یا اگر کوئی خاص معاہدہ ہو تو اس کے ذریعے ملے ہوں جن کا حوالہ مذکورہ بالا دفعہ میں دیا گیا ہے۔" لیکن وہ اس کا اعتراف نہیں کرنا چاہتے۔ کہ یہ دفعہ امریکی فوجی کمان کی ساری کوششوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کی کوششوں کو بھی ناکام کرتی ہے جو امریکی کمان کی زبردستی اسکریننگ

کے اُصول کی حمایت کرتے ہیں۔ ایسا اصول جو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور جو سابئے جنگی قیدیوں کی واپسی کے مطالبے کی تعمیل نہ کرنے کو صحیح ثابت کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے۔ حالانکہ یہ مطالبہ اس دفعہ میں موجود ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جنگی قیدیوں کو کسی بہانے سے زبردستی روک رکھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اور یہی وہ چیز ہے جو امریکی کمان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر لائیڈ کو یہ ماننا چاہیئے کہ میثاق میں یہ چیز اسی لئے تو شامل کی گئی تھی کہ اگر جنگی قیدیوں کو ہر طرح کی زبردستی اور تشدد کے ذریعے اپنے ملک واپس نہ جانے پر مجبور کیا جائے تو ان کی حفاظت کی جاسکے۔

اس حقیقت کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ بالکل اسی طرح کا دباؤ آج امریکی کمان کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے خلاف استعمال کر رہی ہے بلکہ پوری بربریت کے ساتھ گولیاں تک چلاکر ان کو کچل رہی ہے۔ مسٹر لائیڈ اور ان کے ہم خیال اس معاملے میں دفعہ ۷ کے اطلاق کے امکان سے ہی انکار کر رہے ہیں۔ وہ اس معاملے کو اس طرح رکھتے ہیں کہ اس دفعہ کے اطلاق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سیاسی قیدیوں کو زبردستی سیاسی ایذارسانی کے لئے حوالے کر دیا جائے۔ اور ان سے سیاسی وجوہ کی بنا پر پناہ ڈھونڈنے کا حق چھین لیا جائے۔ اس لئے انھوں نے یہ کہا کہ بس اس دفعہ کو بالکل نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کی لفظی ترتیب کو نظر انداز کرکے میثاق کے اصل مدعا کی رہنمائی میں چلنا چاہیئے۔ جو میثاق کی موجودہ لفظی ترتیب سے زیادہ اہم ہے۔

لیکن یہ محض ایک چال ہے۔ یہ میثاق کے عائد کردہ ضابطوں پر سختی سے عمل کرنے کی ضرورت سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ایک بہانہ ہے جبکہ میثاق نے اپنی مختلف دفعات کے اندر مطالبات اس طرح رکھ دیئے ہیں کہ ان کا لحاظ کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا لازمی ہے۔ میثاق کی دفعات اس کی اصل مدعا کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔ ۱۹۴۹ء کے میثاق کی دفعہ نمبر ۷ پوری طرح اس میثاق سے مطابقت رکھتی ہے جس کے بارے میں کچھ نمائندوں نے کافی تفصیل سے تقریر کی ہے۔ اس کا اصل مُدعا یہی ہے کہ ان حالات کو روکا اور ختم کیا جائے جن کے ذریعے جنگی قیدیوں کے خلاف جبر و تشدد استعمال کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے ذرائع سے ان پر دباؤ ڈال کر انہیں ترک وطن پر مجبور کیا جاتا ہے۔

کچھ لوگ دفعہ ۷ کو ترک کرنے والی دلائل کی حمایت میں کہتے ہیں کہ اس دفعہ کے اطلاق

سے جنگی قیدیوں کے حق میں بُرا اثر پڑے گا۔ اس لئے کہ ان کے قول کے مطابق، اس طرح آزادئ خیال و عمل کے اصول کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگی قیدیوں کا اپنے ملک، اپنے خاندان اور پُرامن محنت و مشقت میں واپس جانا ان کے حق میں نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کہ قید میں رکھنے والی حکومت کے افسروں کا فرض قیدیوں کی واپسی کی گارنٹی کرنا نہیں بلکہ اس کے برخلاف کسی نہ کسی بہانے اور حیلے سے ان کے مستقبل کے بارے میں ان کے اندر کسی نہ کسی طرح کا "مواد" پیدا کرکے، کسی نہ کسی طرح کے "شبہات" اور اندیشے اُبھار کر ان کو واپس جانے سے باز رکھنا ان کا فرض ہے۔ اور چاہے اس کے لئے براہ راست جبر اور تشدد کا ہر ممکن اور انتہائی بہیمانہ طریقہ ہی استعمال کرنا کیوں نہ پڑے۔

مسٹر لائیڈ نے اپنی لایعنی دلیلوں کو ثابت کرنے کے لئے ذاتی تجربوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے انھوں نے جنگی قیدیوں کے کیمپ کا معائنہ کیا ہے۔ لائیڈ نے بہت سے جنگی قیدیوں کے بیانات کی مثال دی ہے جن سے انھوں نے واپسی کے مبینہ انکار کے بارے میں بات چیت کی ہے۔ غالباً انھوں نے وہی مثالیں پیش کی ہیں جو اُن کے خیالِ شریف میں سب سے پُراثر اور یقینی ہیں۔ ملحوظ رہے کہ مسٹر لائیڈ کے بیان کے مطابق یہ وہ جنگی قیدی ہیں جو اسکریننگ کے مرحلے سے گذر چکے ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس طریقے سے امریکیوں کے ہاتھوں جبری اسکریننگ کے خوفناک عذاب سے گذرنے کے بعد، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جنگی قیدیوں نے واپسی سے انکار کیا ہے۔ اور ان کا انکار جبر و ظلم کا نتیجہ نہیں ہے۔ تو بھی انھوں نے انکار کر کے کوئی سنجیدہ اور اہم اسباب نہیں بتائے۔ البتہ ایک جنگی قیدی نے، جس سے مسٹر لائیڈ نے بات کی، یہ بتایا کہ وہ "نشان زدہ آدمی" ہے۔ لیکن اس نے کسی طرح یہ نہیں بتایا کہ آخر اس کے دعوے کے کیا کیا وجوہ ہیں۔ آخر اس کے اس خوف کی کیا وجہ ہے کہ اسے سزا دیجائیگی یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ اسے کبھی ماضی میں بھی سزا کا شکار ہونا پڑا ہے کہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ مسٹر لائیڈ کو ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ان کے خیال میں محض اس شخص کا سیدھا سادہ بیان ہی اس چیز کا یقین کرنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اس خاص حکومت کا معتوب ہے جیسا کہ برطانیہ کے وزیرِ ریاست نے بتایا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے پیچھے کوئی سنجیدہ اور اہم وجوہ نہیں ہیں۔

ایک اور شخص جس سے مسٹر لائیڈ کی بات چیت ہوئی ایک طالب علم ہے جو اپنی سیاسی دلچسپیوں کی وجہ سے اپنی تعلیمی زندگی سے الگ ہوگیا ہے۔ اس نے بھی مسٹر لائیڈ کے بیان کے مطابق یہ بتایا کہ وہ بھی ایک نشان زدہ آدمی ہے۔ اس سلسلے میں بھی مسٹر لائیڈ نے کوئی مربوط اور ٹھوس بات نہیں کہی۔ یہ سب کچھ ایک راز بن کر رہ جاتا ہے کہ آخر یہ "سیاسی دلچسپیاں" کیا ہیں جن کی وجہ سے اسے اپنی تعلیمی زندگی کو ترک کر دینا پڑا۔ اور ان کی وجہ سے "اسے کان میں بھیج دیا گیا" اور پھر آخر اس طالب علم کو اپنے مستقبل کے بارے میں خوف زدہ ہونے کی کیا وجہ تھی۔

کیوں، ــــ مسٹر لائیڈ نے کوریا میں جنگی قیدیوں سے بات چیت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ سنجیدہ آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ان تین آدمیوں کی واپسی سے انکار کے اسباب کیا ہیں جن سے مسٹر لائیڈ نے بات چیت کی ہے اور جو سیاسی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے سیاسی امان ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل بکواس ہے۔ یہ ساری باتیں گڑھی ہوئی ہیں۔ اور بے بنیاد اور جھوٹے مقدمے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ دماغی اپج ہے لیکن بہت بھونڈی۔ ان حالات میں مسٹر لائیڈ کو یہ کہنے کی جرأت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کی زندگی اور آزادی خطرے میں ہے اور ان لوگوں کو اس "جبر و ظلم" سے بچانا چاہیئے جو واپسی پر انہیں پیش آنے والے ہیں۔ لہٰذا اس معاملے میں کوئی بھی حربہ اُٹھا نہیں رکھنا چاہیئے۔ چاہے اس کے لئے کسی خاص میثاق کے دفعات کی خلاف ورزی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔

یہ ہے ان تین مثالوں کی حقیقت۔ لیکن مسٹر لائیڈ کا کہنا ہے کہ ہر شخص جس سے ان کی بات چیت ہوئی اس کا بھی معاملہ ایسا ہی تھا۔ تب تو اس حالت میں مسٹر لائید اور ان کے ساتھی جن تجویزوں کی حمایت کر رہے ہیں ان کی اور بھی تردید ہو جاتی ہے۔

مسٹر لائیڈ نے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی حکومت کی ہدایت پر کوریا گئے تھے۔ اور انھوں نے ایک جنگی کیمپ بھی دیکھا تھا۔ ان کی سرکار نے ان کو ہدایت کی تھی کہ جنگی قیدیوں کی واپسی سے جبری واپسی کی مخالفت کرنے سے جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے اس سلسلے میں حالات کا صحیح اندازہ لگائیں۔ مسٹر لائیڈ نے کیا پتہ چلایا؟ کوریا میں کیا ہو رہا ہے؟ انھوں نے جو کچھ پتہ چلایا ہے اگر وہ اتنا ہی ہے جو کہ انھوں نے کمیٹی میں ہم کو بتایا اور جو ہم خود ان کے الفاظ کے حوالے کے ساتھ اوپر بتا چکے ہیں تو مسٹر لائیڈ کو اپنی حکومت کے مشن کو کامیابی سے پیدا کرنے پر مشکل

سے ہی مبارکباد پیش کی جا سکتی ہے۔

ہم نے دیکھ لیا کہ مسٹر لائیڈ نے تین جنگی قیدیوں کے متعلق جو اپنے آپ کو "سیاسی تارک وطن" کی شکل میں پیش کرتے ہیں کھلی بات چیت کرنے کے علاوہ اور کسی چیز کا پتہ نہیں لگایا ہے ہم نے دیکھ لیا کہ یہ کس قسم کے "سیاسی تارک وطن" ہیں۔ اگر انھوں نے واقعی کسی معنی خیز اور اہم چیز کا پتہ چلایا ہے تو پھر انھوں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں کیا۔ اور اس کے بجائے ہر طرح کی بے معنی اور فضول قسم کی گڑھی ہوئی کہانیوں پر وقت ضائع کرنا زیادہ بہتر سمجھا۔ اس سلسلے میں ان سے یہ پوچھنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کیا وہ خود بھی یہ یقین رکھتے ہیں۔ جیسا کہ انھوں نے کہا کہ کچھ جنگی قیدیوں کے لئے اپنے وطن واپس جانے میں خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیا یہ ذاتی طور پر حاصل کردہ تجربات کی بنا پر جن کا ذکر وہ ڈینگیں مار کر کرتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ان کے دماغ میں صاف کہ۔ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے واپسی سے انکار کرنے کے بارے میں جو ذکر امریکی فوجی حاکموں نے کیا ہے وہ محض ایک چکمہ ہے۔ ایک اشتعال انگیز جھوٹ ہے جو صلح کی بات چیت کو توڑنے کے خاص مقصد سے تمام میں پھیلایا گیا ہے۔ تاکہ اس طرح جنگ لمبی کھنچے اور امریکہ کے سرمایہ دار اور بھی زیادہ سے زیادہ منافع کما سکیں۔

جب وہ لوگ جو کوریا کے سوال پر امریکی کمان کے رویئے اور سیاسی کمیٹی میں پیش کردہ (مسودہ) تجویز کی حمایت کرتے ہیں۔ اور عام لوگوں کی توجہ جبریہ اسکریننگ سے ہٹا کر نام نہاد جبریہ واپسی کی طرف لے جاتے ہیں۔ تو ان کی اس تکرام کا جھوٹ پوری طرح کھل جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا واحد مقصد دنیا کے عام لوگوں کی توجہ ان امریکی مظالم سے ہٹانا ہے جو امریکی کیمپوں میں امریکی کمان کے خاص طور پر جبریہ اسکریننگ کے دوران میں کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں پر ڈھائے جا رہے ہیں۔

یہ نام نہاد مشترکہ کمان جو واقعتاً امریکی کمان ہے "اسکریننگ" یا پوچھ گچھ کے اس مرحلے کو بالکل بے ضرر بنا کر پیش کرتا ہے اور اس طرح اس طرز عمل کی بھیانک نوعیت کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کی مدد سے امریکی کمان جنگی قیدیوں کو ترک وطن پر مجبور کرتا ہے۔ اس وحشیانہ طرز عمل پر پردہ ڈالنے کے لئے امریکی کمان بتلاتا ہے کہ اسکریننگ کے دوران میں اس طرح سوالات کئے گئے جن سے جنگی قیدیوں کی اکثریت واپسی کی مخالفت نہ کرے بلکہ واپس جانے پر آمادہ ہو جائے۔ جیسا کہ امریکی کمان کی رپورٹ میں درج ہے اس

دعوے کی تردید سیدھے طور پر ان اشتعال انگیز سوالوں کی نوعیت ہی سے ہو جاتی ہے خاص طور سے جس طرح کے اشتعال انگیز سوالات ہوتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے :- کیا تم جبری واپسی پر مزاحمت کروگے۔ کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ تم اپنی جبری واپسی کی مخالفت میں تشدد سے کام لوگے ؟ یا :- لیکن تم اس وقت کیا کروگے اگر انجمن اقوام متحدہ کی کمان تمہاری مرضی کے خلاف تمھیں تمہارے ملک واپس کر دے ؟

اس معاملے کو صحیح اور واقعاتی طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس طرح کے سوالات کی اجازت نہ دی جائے۔ قانونی طور پر بھی ایسے سوالات کو جائز طور پر "ترغیب" دلانے والے سوالات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور اس لئے ان سوالات کی اجازت نہیں اور ان سوالات کے جواب میں جو کچھ کہا جائے اسے شہادت کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ان سوالات کا مقصد ٹھیک اس کا اُلٹا تھا۔ جیسا کہ مذکورہ بالا رپورٹ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات اس چیز سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو ۲۴ گھنٹے قبل ہی اس بات کی آگاہی دیدی گئی تھی کہ ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی اور پوچھ گچھ یہ جاننے کے لئے کی جائے گی کہ وہ جبری واپسی کی مزاحمت تو نہیں کریں گے۔ اس طرح کی آگاہی دے کر امریکی کمان نے اس فیصلے کی اہمیت کو ظاہر کر دیا اور یہ بتا دیا کہ یہ فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔ انہیں اس کی بھی آگاہی دی گئی کہ جب تک کہ انفرادی طور پر پوچھ گچھ ختم نہ ہو جائے خود ان کی بہتری اور سلامتی اسی میں ہے کہ وہ اس مسئلے پر کسی اور سے بات نہ کریں اور نہ اپنا فیصلہ کسی دوسرے کو بتائیں۔ اس طرح کی پُر اسرار اور سخت آگاہی کا اثر ہونا لازمی تھا۔ امریکی کمان کو امید تھی کہ ان آگاہیوں کے بعد کچھ جنگی قیدیوں کی طرف سے اس کے سارے سوالات کا مطلوبہ جواب مل جائے گا۔ یہ صورتِ حال ان جوابات کو سمجھنے اور پرکھنے میں سہولت پہنچاتی ہے جو مسٹر لائیڈ کو ان تین آدمیوں سے ملے جن سے انھوں نے بات کی اور جو اس کے علاوہ اس نام نہاد "اسکریننگ" کے مرحلے سے گذر چکے تھے۔

امریکی کمان اپنی رپورٹ میں یہ کہتا ہے کہ اس سے زیادہ انسانی، غیر جانبدارانہ اور اخلاقی طرزِ عمل ممکن نہ تھا۔ مسٹر لائیڈ اور چند دوسرے نمائندوں نے بھی اس طرزِ عمل کے گن گائے اور یہ کہا کہ یہ سوالات منصفانہ اور صحیح تھے۔ وہ اس سلسلے میں بالکل انجان بن گئے کہ ان سوالات کی نوعیت مخصوص طور پر اشتعال انگیز تھی۔ اور یہ سوالات اس طرح کئے جاتے

تھے جن سے جنگی قیدی اپنے ملک اور حکومت کی طرف ایک مخالفانہ اور معاندانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔

کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ امریکی کیمپوں میں کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو جس طرح "پوچھ گچھ" اور "اسکریننگ" کا شکار بنایا گیا ہے۔ اس سے ان میں ہر شخص کو صحیح معنوں میں اخلاقی اذیت پہنچائی گئی ہے۔ وہ ہر ایماندار محب وطن کے لئے شدید ترین توہین ہے۔ اور انسان کے جذبات کی انتہائی تضحیک ہے۔ یہ بالکل فطری بات ہے کہ اس طرز عمل نے جائز طور پر کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں میں اس طرزِ عمل کے خلاف غصے اور ڈٹ کر جنگ کرنے کے جذبات ابھارے۔

اس سلسلے میں، امریکی رسالہ "فیکٹس آن فائیل" میں شائع شدہ اعداد و شمار کا حوالہ دینا بھی ضروری ہے جن کے مطابق "پوچھ گچھ" اور "اسکریننگ" کا سلسلہ شروع ہونے سے اب تک تقریباً دو سو کوریائی اور چینی محبانِ وطن موت کے گھاٹ اتارے گئے اور ایک ہزار مجروح ہو چکے ہیں۔

آٹھ مہینے کے عرصے میں کم سے کم ستائیس اٹھائیس واقعات سامنے آئے جن میں کہ امریکی اور جنوبی کوریائی فوجوں نے "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" کے خلاف جنگی قیدیوں کے احتجاج کو سفاک تشدد کی مدد سے کچلا ہے۔ ۳۰ اکتوبر کو بہت سے جنگی قیدی جو کوانجو کیمپ سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے، مرے اور زخمی ہوئے۔ اس موقع پر تقریباً ایک گھنٹے تک باضابطہ جنگ ہوتی رہی۔ ۳۱ اکتوبر کو سرکاری طور پر اعلان کیا گیا کہ کوجے اور چی جو جزیروں میں جنگی قیدیوں کے عام مظاہرے پر گولیاں چلائی گئیں۔ جن میں کئی مارے گئے اور ۱۷۸ مجروح ہوئے۔ گولیوں کے چلنے کا سلسلہ کیمپوں میں جاری ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ابھی پچھلے ہی دنوں پھر جنگی قیدیوں پر گولیاں چلائی گئیں جس کے باعث بہت سے مجروح ہوئے۔ یہ دیکھئے یہاں حقیقت میں سنگینیں اور گولیاں نہتے قیدیوں کے خلاف استعمال ہو رہی ہیں۔ جن کی بہر حال منظوری ان نمائندوں نے بھی دیدی ہے جو مکاری کے ساتھ کوریائی اور چینی کمان کے "جبریہ واپسی" پر اصرار کرنے کے خلاف طعنہ زن ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں جنگی قیدیوں کے متعلق میثاق جنیوا کی سختی سے پابندی

کا مطالبہ ایک خاص اہمیت اختیار کر لیتا ہے۔ جس کی خلاف ورزی امریکی حکام کھلم کھلا کر رہے ہیں۔

ان واقعات کی روشنی میں جبکہ امریکی کمان باقاعدہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے خلاف ہتھیار استعمال کرتا ہے۔ اور اسے ان کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بھی تسلی نہیں ہوتی اور جبکہ اسے جنگی قیدیوں کی معمولی جسمانی ورزش بھی گراں گذرتی ہے۔ حالانکہ جسمانی ورزش کی اجازت خود میثاق جنیوا کی دفعہ ۳۸ میں ملی ہوئی ہے۔ تو پھر یہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ مسٹر ایچیسن لائیڈ اور ان کے دوسرے ہم خیال حضرات بین الاقوامی قوانین اور اصولوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرنے میں ذرا نہیں چوکتے۔

آخر ماوام ای۔ روزویلٹ نے، جو جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس میں امریکی وفد کی ایک باضابطہ رکن رہی ہیں۔ کھلم کھلا نیویارک ورلڈ ٹیلیگرام اینڈ سن" کے مضمون میں یہ لکھنے میں جھجک محسوس نہیں کی کہ امریکہ تمام قواعد اور اصولوں پر پورے ضابطے سے انتہائی سختی کے ساتھ عمل درآمد نہیں کر سکتا۔

یہ بیان امریکی وفد کے ایک یا دوسرے نمائندے کی محض ذاتی رائے کو نہیں ظاہر کرتا بلکہ امریکہ کے حکمراں حلقوں کے طرز عمل کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو کہ عموماً بین الاقوامی معاہدوں کو کہیں بھی کسی طرح اپنے لئے مضر یا اپنی خارجی پالیسی کے لئے ناسازگار دیکھتے ہیں۔ انہیں بلا تکلف بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔

بین الاقوامی معاہدے، بہرحال، بین الاقوامی قانون ہیں۔ اور اس قانون کی تعمیل ان تمام لوگوں کے لئے لازمی ہے جو ان معاہدوں پر اپنے دستخط کرتے ہیں۔ امریکہ کا طرز عمل براہ راست بین الاقوامی معاہدوں سے متعلق قوانین کے ایک بنیادی اصول کی تردید کرتا ہے جس کا اظہار اس مشہور قانون سے ہوتا ہے۔ " پکتا سروندا ست " —— یعنی —— صلح ناموں پر عمل لازمی ہے۔

ان ظالموں کے ان وکیلوں کے نک چڑھے پن اور جنون انگیزی پر حیرانی ہوتی ہے۔ جو ان جابروں اور ظالموں کی وکالت کرتے ہیں جو روزانہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو ان کے "اسکریننگ" یا "پوچھ گچھ" کے خلاف احتجاج کرنے پر قتل کرتے رہے ہیں۔ اس نک چڑھے پن پر حیرانی ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو نیکی اور شرافت کا پیکر بنا کر

پیش کرتے ہیں۔ اور ابھی ان کے بہیمانہ مظالم کے شکار دفن بھی نہیں کئے جا چکتے کہ وہ اخلاقی وعظ شروع کر دیتے ہیں اور اخلاقیات کا سبق پڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی اس جسارت پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دعوے کرتے ہیں کہ امریکی کمان جنگی قیدیوں کو شمال یا جنوب میں جانے کی اجازت دیتا ہے۔ اور اس بنیاد پر معاہدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

"آزاد انتخاب" ـــــ ایسی حالت میں جبکہ جنگی قیدیوں کو پہلے "اسکریننگ" کے مرحلے سے گذرنا پڑے اور اس کے ساتھ ساتھ، جیسا کہ اچھی طرح معلوم ہے۔ ان کو طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا جائے۔ ان کے جسم پر نشانات لگائے جائیں۔ اور اسی طرح کے دوسرے طریقے استعمال کئے جائیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنگی قیدیوں کے جسم پر ان کے انکار اور ذلت کا نشان چھوڑ جائیں۔ یہ وہ طریقے ہیں جو جنگی قیدیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے قید و سلاسل کی زندگی گذارنے کے لئے دشمنوں کے کیمپ میں ڈال دیتے ہیں۔

ہم نے پہلے بھی اعلان کیا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ اس طرح کی "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" مسلمہ اصولوں اور مروجہ بین الاقوامی قوانین کے منافی ہے جو قید میں رکھنے والی حکومتوں سے قیدیوں کے ساتھ انسانی سلوک کا مطالبہ کرتے ہیں ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۷ء کے میثاق ہیگ سے لیکر ۱۹۲۹ء اور ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا تک سے سارے بین الاقوامی میثاق یہی مطالبہ کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ بین الاقوامی قانون کی سائنس بھی یہی مطالبہ کرتی ہے بین الاقوامی پبلک قانون کے ایک سب سے بڑے ماہر فرانسیسی سائنسداں فاؤشل ہیں جنھوں نے کئی جلدوں پر مشتمل اپنی کتاب "ترتیی دے درائت انٹرنیشنل" (رسالہ بین الاقوامی قانون) میں مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے۔ "جنگی قیدیوں کے ان جذبات کا احترام کرنا لازمی ہے۔ جو وہ اپنے ملک یا اپنے ملک کے دوست ملکوں کی طرف رکھتے ہیں۔ اس لئے کسی طرح کے ایسے دباؤ یا پروپیگنڈے کا استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ جس سے دوست ملکوں کے قیدیوں کے تعلقات آپس میں خراب ہوں۔ اور نہ ان کو اپنے ملک یا حکومت سے علیحدہ کرنے کے لئے پروپیگنڈا اور دباؤ استعمال کرنا چاہیئے۔ جن سے ان کے اخلاقی استقامت کو صدمہ پہنچے۔

اپنے اس نقطۂ نظر کے مطابق فاؤشل جنگی قیدیوں کے سوال پر مشہور امر کی ہدایات

جیسی بین الاقوامی قانونی دستاویز پیش کرتا ہے جو ۱۸۶۳ء میں میدان جنگ میں فوج کے نام جاری کی گئی تھیں۔ ان ہدایات کے بارے میں فائوشل نے کہا ہے کہ یہ موجودہ تمدن دنیا کے خیالات اور محسوسات کا بہترین اور صحیح مظہر ہیں۔" وہ کہتا ہے کہ یہ ہدایات اپنے "غیر معمولی انصاف پسندی کے جذبے اور انسانیت" کے لئے ممتاز ہیں۔

جیساکہ ان گنت واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے امریکی کیمپوں میں امریکی کمان ان احکامات پر ذرا بھی عمل نہیں کرتا جو عام طور پر مسلمہ بین الاقوامی قوانین کے اصولوں کے ماتحت عمل میں آتے ہیں۔ اس نظام کو ایک بالکل کھلم کھلا اور بے لگام دہشت پسندی کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ جس کا مقصد کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی اخلاقی استقامت کو صدمہ پہنچانا، ان کے حوصلے توڑنا، ان کو خود اپنی حکومت کے خلاف کھڑا کرنا اور اپنے ملک واپس جانے سے انکار کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ یہ چیز امریکی کمان کے ہاتھ میں صلح کی بات چیت کو توڑنے اور جنگ کو طول دینے کی خاطر بڑا ہی آسان حربہ بن گئی ہے ایک طرف تو امریکی اور اس کے ساتھ امریکہ کے سرکاری نمائندے اور امریکہ کے دوسرے حمایتی ملک مل کر جنگی قیدیوں کو باقاعدہ بربریت سے بھرے ہوئے سلوک کا شکار بنائے ہیں۔ اور ان پر ہر طرح کے مظالم روا رکھ رہے ہیں۔ اور دوسری طرف مسلسل "انسانیت" کا نعرہ لگائے جارہے ہیں اور اس طرح جنگی قیدیوں کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے نام پر اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ دراصل امریکی کمان اور کیمپ کے حکام کے لئے، جنگی قیدیوں کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔ یہ ساری باتیں محض جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال پر ان کے طرزِ عمل کو صحیح اور جائز قرار دینے کے لئے ہیں۔ ایک ایسا طرزِ عمل جو بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اپنے رویے کے لئے جواز پیدا کرنے کی خاطر کچھ نمائندوں نے ہر طرح کی بے بنیاد اور غلط تاویلوں اور مفروضات کا سہارا لیا ہے۔ جنھیں نہ بین الاقوامی مروجہ دستور تسلیم کرتا ہے نہ بین الاقوامی قانون کی سائنس۔

۳۔ بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی کنونشن (دستور) جنگی قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں

مثال کے طور پر سپر د کے نمائندے نے کہا کہ کسی ریاست کے لئے قیدیوں کی واپسی لازمی نہیں قرار دی جاسکتی اگر اس بات کا ثبوت موجود ہو کہ جنگی قیدی کی خواہش واپسی کے خلاف ہے۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ اپنے وطن واپس جانے کا فیصلہ خود جنگی قیدی ہی کر سکتا ہے۔ اور اسی وقت اس پر عمل ہو سکتا ہے جب جنگی قیدی کی طرف سے وطن واپس جانے پر نارضامندی نہ پائی جائے۔ یہ ایک قطعی من مانا دعویٰ ہے جس کے لئے نہ جنگی قیدیوں کے تبادلے سے تعلق رکھنے والے بین الاقوامی میثاقوں میں کوئی جواز ہے اور نہ بین الاقوامی قانون کی سائنس میں۔ یہ بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی میثاقوں کا مسلمہ اصول ہے کہ تمام قیدیوں کی غیر مشروط واپسی لازمی ہے اس اصول سے صرف وہی جنگی قیدی مستثنیٰ ہیں جو بیمار ہوں۔ یا جنھوں نے کوئی جرم کیا ہو۔ یا جو کسی عدالت کے حکم سے سزا بھگت رہے ہوں۔

لیکن اگر کوئی ایک منٹ کے لئے ان کا نقطۂ نظر صحیح مان لے جو یہ کہتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کے سوال کو حل کرنے کی کنجی اپنے ملک واپس جانے کے لئے جنگی قیدیوں کی رضامندی ہے —— تو یہ طرزِ عمل بھی اس شرمناک صورتِ حال سے بہت کم ہے جو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال پر کوریا میں آج پیدا ہوگئی ہے۔ اس شرمناک صورتِ حال کی بنیادی وجہ سے امریکی کمان کی نافذ کردہ جبری "اسکریننگ" یا جبری "پوچھ گچھ" جیسے اقدامات ہیں کہ جو کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے اندر احتجاج اور غصہ پیدا کر رہے ہیں۔ امریکہ کی (مسودہ) تجویز کی حمایت کرنے والے کوریا میں امریکی کمان کے جرائم کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال پر پیدا ہونے والی ملامت انگیز اور شرمناک صورتِ حال پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں جس سے کہ دنیا بھر کے ایماندار لوگوں کے اندر غم و غصہ بھڑک رہا ہے۔ نام نہاد "فرد کے غیر منفک حق"۔ "کلچر کے مختلف تصورات" "دنیا کی روحانی آب وہوا"۔ "اخلاقی قدریں اور قانونِ فلسفہ کے اصول" وغیرہ وغیرہ

جیسے عام فقروں اور ہوائی دلائل کے ذریعے وہ اس معاملے کو اڑا دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح وہ ٹھوس حالات اور واقعات کو چھوتے بھی نہیں۔ جن کے بغیر نہ صرف یہ کہ جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال اور سیاسی کمیٹی کے سامنے جانچ پرکھ کے لئے پیش ہونے والے مسائل کو حل نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کی جانچ کرنا بھی ناممکن ہے۔ وہ ان ہوائی دلائل پر بہت زور دیتے ہوئے یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کی آزادی کا سوال وہ آخری سوال ہے جس پر جا کر قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ طے ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ اس پر زور دیتے ہیں کہ واپسی ریاست کے حق کا سوال نہیں ہے بلکہ ایک فرد کے حق یا ایک انسانی شخصیت کے حق کا سوال ہے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر وطن واپس جانے کا حق جنگی قیدی کے وطن کو واپسی کا غیر منفک حق ہے تو یہ مفروضہ ٹھیک اس کی الٹی تاویل کی بھی اجازت دیتا ہے۔ مثلاً اگر جنگی قیدی واپسی نامنظور کر دے تو واپسی ناممکن بن جاتی ہے۔ ایسا کہتے ہوئے وہ یہ نکتہ نظر انداز کر دیتے ہیں کہ دوران قید میں ایسے حالات پیدا ہی نہیں ہو سکتے جن کے اندر رہ کر جنگی قیدی اپنی مرضی اور خواہش کا واقعی آزادانہ اظہار کر سکیں۔

اس لئے پورا سوال آخر میں اس بات پر ٹوٹتا ہے کہ اپنے وطن کو واپس ہو جانے والے ہی اشخاص اپنی مرضی کا اظہار آزادی کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز ان بین الاقوامی معاہدوں کی وجہ سے ریاست کے اپنے فرائض پر سبقت لے جاتی ہے اس سے قطع نظر کہ وہ خاص ریاست ان فرائض کی ادائیگی میں کتنی ہی احتیاط برتے۔ کچھ نمائندوں نے اس بات کو "انسان کے وقار کا اعلیٰ ترین تصور" اور "قدرتی قانون اور اخلاق کی برتری کا نام دیا ہے۔

اس بات سے اتفاق کرنا ناممکن ہے کہ کسی ریاست پر بین الاقوامی معاہدوں کی بنا پر عاید ہونے والے فرائض کی ادائیگی کا انحصار افراد پر ہے۔ اس چیز سے اتفاق کرنا ناممکن ہے کہ جنگی قیدیوں کے اپنے ملک واپس جانے کے بارے میں کہ جو بین الاقوامی فرائض جو ایک ریاست پر عائد ہوتے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونا جنگی قیدیوں کی انفرادی مرضی اور خواہش پر منحصر ہے یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ جنگی قیدی ایسے لوگوں کا ہجوم نہیں ہیں جو محض حادثے کے طور پر اپنے ملک کی سرحد سے باہر پہنچ

گئے ہیں۔ جنگی قیدی ایسے فوجی ہیں جو ایک باعزت فرض انجام دے رہے ہیں — وہ اپنے ملک کی حفاظت کرنے کا مقدس فرض انجام دے رہے ہیں جو ہر شہری کا مقدس فرض ہے۔ سپاہیوں کی حیثیت سے جنگی قیدیوں کے خاص درجے کی رعایت جنگی قیدیوں سے متعلق تمام بین الاقوامی میثاقوں میں اور خاص طور پر ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا میں رکھی گئی ہے۔ بین الاقوامی قانون کے نقطۂ نظر سے جنگی قیدی اپنی کارکردگی سے خارج نہیں ہوجاتے جو اپنی ریاست کے فوجی حلف اور فوجی فرائض کے پابند ہیں۔

بین الاقوامی قانون کا یہ عام مسلمہ اصول بین الاقوامی قانونی نوعیت کے بہت اہم نتائج پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ورڈ آف آنر (لابرتی سُر پرول) کی بنیاد پر قید سے رہا کرنے کا سوال ہے۔ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مختلف بین الاقوامی قانونی اصول پر مبنی بین الاقوامی قانون اور دستور اس بات کا تعین کرتے ہیں کہ مقید فوجی کو صرف اپنے حکام اعلیٰ کی اجازت سے ہی رہا کیا جا سکتا ہے۔ یہ قانون امریکہ میں برتا جاتا ہے۔ یہ چیز ان موجودہ نافذ شدہ ہدایات سے ظاہر ہوتی ہے۔ جو میدانِ جنگ میں امریکی فوجوں کی کمان کے لئے جاری کی گئی ہیں۔

ان ہدایات کے پیرا نمبر ۱۲۶ میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف کمیشن کے افسروں کو "ورڈ آف آنر" دینے کی اجازت ہے اور وہ بھی اپنے حاکمِ اعلیٰ کی اجازت سے بشرطیکہ کوئی حاکمِ اعلیٰ قریب ہو۔

ان ہی ہدایات کے پیرا نمبر ۱۲۷ میں یہ کہا گیا ہے کہ ایسے افسر جو کمیشن کے افسر ہیں وہ یا کوئی پرائیویٹ سپاہی صرف ایک افسر کی وساطت سے ہی ورڈ آف آنر دے سکتا ہے۔ ایک ایسا ورڈ آف آنر جو ایک افسر کی وساطت سے نہیں دیا گیا ہے اس کا قابلِ عمل ہونا تو در کنار ایسا وعدہ کرنے والے کے لئے ایک مفرور کی حیثیت سے سزائے موت کا اطلاق کرتا ہے۔ اس طرح ایک جنگی قیدی کی قسمت کا فیصلہ براہ راست جنگی قیدیوں کے متعلقہ حکام پر منحصر ہے۔

ایک ایسے جنگی قیدی کی مرضی جو اپنے عمل کے لئے "آزاد" ہے اس سوال کو طے نہیں کرتی۔ اس لئے کہ جنگی قیدی کی آزادی کی خاص حدیں مقرر ہیں۔ جن کا تعین ایک فوجی کی حیثیت سے اس کا درجہ یا عہدہ فوجی نظام اور پابندی کے ماتحت کرتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدی کی آزادی غیر مشروط نہیں ہے۔ مذکورہ بالا مثال یہ بتلاتی ہے کہ فوجیوں کی قید سے رہائی کا معاملہ۔ سپاہی اور افسروں کا معاملہ — ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق صرف ان کی ذات سے نہیں ہے۔ بلکہ ان کے افسروں سے بھی اس کا تعلق ہے جو اپنی اسیری کے دوران میں بھی اپنے ملک کے ریاستی اقتدار کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جہاں تک "فرد کی آزادیٔ مطلق" کا سوال ہے جیسا کہ یہاں بعض فلسفہ بگھارنے والے نمائندوں نے کہا ہے۔ اور یہ دعوے کہ اس آزادی پر کسی طرح کی پابندی "انسان کے غیر منفک حقوق" کی خلاف ورزی کرے گی۔ اس سلسلے میں عدالت کے ایک فیصلے کا حوالہ دینا اچھا رہے گا جو تیس سال سے بھی پہلے جسٹس ہومز نے امریکہ کی سپریم کورٹ میں کیا تھا۔ گرچہ یہ آزادیٔ تقریر کے سوال سے متعلق ہے، بلاشبہ ایک اصول کی عام اہمیت رکھتا ہے۔

عدالت کے فیصلے میں کہا گیا تھا کہ آزادی تقریر کی سخت ترین وکالت (یا مداخلت) بھی ایک ایسے شخص کی مدافعت نہیں کر سکتی جو تھیٹر میں "آگ" چیخ کر ایک کھلبلی اور سنسنی پیدا کر دیتا ہے۔ یہ چیز اس شخص کی بھی مدافعت نہیں کرے گی جو ایسے الفاظ استعمال کرنے کا جرم کرتا ہے۔ جس سے جبر و قوت کے استعمال کے سلسلے میں یہی نتیجے برآمد ہوں۔ ان دونوں معاملوں میں سوال یہ ہے کہ کیا وہ حالات جن میں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں ایسے ہیں یا وہ الفاظ خود اس نوعیت کے ہیں کہ جن سے مادی خرابیوں کے پیدا ہونے کا ظاہری اور براہِ راست خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ اور جسے روکنے کا حق کانگرس کو ہے۔

یہ فیصلہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ آزادی اور آزادی کے غلط استعمال میں بڑا فرق ہے اور ایسا غلط استعمال جو اسے جُرم کے دائرے میں پہنچا دیتا ہے۔ "فرد کی آزادی مطلق" اور اس طرح دوسرے مابعد الطبیعاتی تصورات اور نظریات کے وکیلوں کو یہ فیصلہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔

۴۔ کس طرح کچھ نمائندوں نے کوریا میں امریکی دہشت پسندی کو چھپانے کے لئے فلسفہ کی مدد لی!

پہلی کمیٹی میں تقریر کرنے والے کچھ فلسفیوں نے زندگی سے کٹ کر اس کی اصلی اور واضح جدلیات کو چھوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اور اہم سیاسی مسائل پر کاروباری انداز میں بحث کرنے کے بجائے انھوں نے خیالی موضوعات پر بحث کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کو اپنے پیر زمین پر اچھی طرح رکھنا تھے۔ اس لئے کہ اس کے بغیر خطرناک غلطیوں سے بچنا ناممکن ہے۔ وہ جنگی قیدیوں کی آزادی کی بات کرتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کے بارے میں بالکل خاموش ہو جاتے ہیں کہ اسیری کے دوران میں یہ آزادی حد درجہ محدود اور پابند ہو جاتی ہے۔ اگر جنگی قیدی پر کوئی دباؤ نہ ڈالا جائے اور اس کے خلاف کسی جبر اور تشدد کا استعمال نہ کیا جائے تو بھی وہ پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتا۔ خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ جنگی قیدی کی اپنی مرضی اور تمناؤں کے مطابق آزادی سے عمل کرنے کے امکان کا راستہ بالکل مسدود کر دیا گیا ہو۔ وہ اس حقیقت کے بارے میں بھی خاموش ہیں کہ بعض خاص حالات میں جیسا کہ بین الاقوامی قانون میں کہا گیا ہے۔ جنگی قیدی کی خواہش اور مرضی محدود اور پابند ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور اس وقت یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس کی خواہش اور مرضی پورے طور پر ان ریاستوں کی حکومتوں پر موقوف ہوتی ہے جن سے جنگی قیدیوں کا اس وقت کسی طرح کا واسطہ یا رشتہ ہو۔ مثال کے طور پر یہ معلوم ہے کہ کسی بھی برسر جنگ ملک کے جنگی قیدی جو قید سے فرار ہو جائیں۔ کسی غیر جانبدار علاقے میں داخل ہو کر پناہ لے سکتے ہیں۔ اور اس طرح ایک غیر جانبدار حکومت کے زیر امان آ سکتے ہیں۔

یہ بات عام طور پر تسلیم شدہ بین الاقوامی قانون سے مطابقت رکھتی ہے۔ اگر بعد میں یہ ظاہر ہو کہ پناہ گزین قیدی غیر جانبدار علاقے میں اس لئے رہنا چاہتے ہیں کہ آگے چل کر جب حالات سازگار ہوں تو وہ اپنی فوجوں سے جا ملیں۔ تو ایسی حالت میں بھی عام طور پر تسلیم شدہ بین الاقوامی قانون کے مطابق غیر جانبدار ریاست کو انہیں اس سے باز رکھنے کے لئے ضروری اقدامات کرنے چاہئیں۔ اس لئے کہ اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت

اس پر یہ فرض عائد کرتی ہے۔ کون سے اقدامات؟ کوئی بھی اقدامات جو وہ ضروری سمجھتی ہے۔

اوپن ہیم، اپنی کتاب "بین الاقوامی قانون" میں کہتا ہے:

"اس کا ہمیشہ امکان ہے ایسے پناہ ڈھونڈنے والے مفرور ہو کر کسی غیر جانبدار علاقے میں گھس جائیں اور وہاں سے پھر آگے چل کر غیر جانبدار طاقت کو ذمہ دار ٹھہرائے بغیر اپنی فوجوں سے جا ملیں۔ اس کے علاوہ اس پر ایسا نہ کرنے کی ذمہ داری عائد کرنے سے پہلے اسے اس بات کا حق بھی ہونا چاہیئے کہ وہ ایسے پناہ گزینوں کو نظر بند کر سکے۔ اس طرح لکزمبرگ، فرانس اور جرمنی کی جنگ کے دوران میں سیکڑوں فرانسیسی سپاہیوں کو جو میتز کے قبضے میں چلے جانے کے بعد اس کے علاقے میں بھاگ آئے تھے۔ پھر فرانسیسی فوجوں سے جا ملنے سے باز نہ رکھ سکا۔ اس لئے کہ اس کی غیر جانبداری کی شرط یہ تھی کہ وہ اپنے یہاں کوئی فوج نہ رکھے۔ اس لئے سوئٹزرلینڈ کے برخلاف فوج کے ذریعے اپنی غیر جانبداری کے فرائض کو پورا کرنے میں ناکام رہا۔

اس لئے یہ بات صاف ہو جانی چاہیئے کہ ایسے معاملات میں جنگی قیدیوں کی مرضی کو غیر جانبدار ریاستوں کی ذمہ داری کے مدِمقابل نہیں لانا چاہیئے۔ بین الاقوامی قانون پر اوپن ہیم جیسے مستند ماہر کے خیال کے مطابق جو خاص طور پر مغربی یورپ کی سیاستدانوں کی نظر میں بڑی عزت اور وقار رکھتا ہے۔ غیر جانبدار ریاست کو "اپنی غیر جانبداری کے فرائض کو پورا کرنے کے لئے فوج رکھنی چاہیئے"۔

یہ ہے بین الاقوامی دستور اور یہ ہے بین الاقوامی قانون۔

بین الاقوامی دستور کا یہ متعینہ اصول جنگی قیدیوں کی خود اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کی نام نہاد آزادی کے سوال پر پوری روشنی ڈالتا ہے۔

یہ اس بالکل بے بنیاد الزام کو غلط ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ قید رکھنے والے فریق غیر مشروط واپسی سے متعلق بین الاقوامی دستور کے اصول پر عمل کرنا لازمی نہیں اگر کوئی جنگی قیدی اس پر راضی نہ ہو۔

امریکی مسودہ تجویز کے مصنفین اور ان کے شریک اپنے علاقے میں جنگی قیدیوں کو جبریہ طور پر روک رکھنے کے اقدامات کو جائز ثابت کرنے کے لئے طرح طرح کے دلائل ایجاد

کررہے ہیں اور اس طرح وہ واپس جانے سے انکار کرنے والے جنگی قیدیوں کو سیاسی تارکِ وطن کا درجہ دینا چاہتے ہیں۔ کچھ نمائندوں نے اپنے اس نقطۂ نظر کی حمایت میں، "انسانی حقوق کے فرمان" کا حوالہ دیا ہے جسے ۱۹۴۸ء کے دسمبر میں جنرل اسمبلی نے منظور کیا تھا۔ لیکن اگر کوئی خود اس فرمان کی جانچ کرے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ اس فرمان کا اس سوال سے کوئی تعلق نہیں۔

نمائندوں کی پیش کردہ مثالیں بھی قائل نہیں کرتیں۔ مثال کے طور پر مسٹر لائیڈ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایسے جنگی قیدیوں کو جو واپسی سے انکار کرتے ہیں۔ سیاسی تارک وطن تصور کرنا چاہیئے اور ان کو امان اور پناہ کے وہی حقوق حاصل ہونا چاہئیں جو سیاسی تارکِ وطن کو حاصل ہوتے ہیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ سیاسی تارکِ وطن کے سوال کی جانچ پڑتال کرتے ہوئے ان خیالات یا نیتوں کو ترجیح دینی چاہیئے جن کی بنار پر انہیں ترکِ وطن کرنا پڑا ہے یا جن کی بنار پر وہ اپنے وطن واپس جانے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ سوال بے معنی اور سطحی بیانات کی مدد سے طے نہیں ہوسکتا۔ جس کی کچھ نمائندوں نے اپنی تقریر کے دوران میں کوشش کی اور اس طرح اپنے جنگی قیدیوں کو جو واپس جانے سے انکار کرتے ہیں۔ ان سیاسی تارکینِ وطن کے زمرے میں شامل کرنے کی کوشش کی جو امان کے طالب ہیں۔

ہم اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرسکتے کہ کسی بھی سرمایہ دار ریاست کے آئین میں امان کے حق کی دفعات نہیں ہیں۔ اور امان کے حق کا یقین اندرونی وضع قانون کے ذریعے یا مجرموں کے ملک بدر کرنے سے متعلق بین الاقوامی معاہدے کے ذریعے ہوتا ہے۔ ان تمام معاہدوں میں عام طور پر تسلیم شدہ یہ اصول مشترک ہے کہ ایک دوسرے ملک میں امان کا حق ان واقعات سے ثابت ہونا چاہیئے جن سے اس کی ضرورت پڑے نہ کہ متعلقہ شخص کے خالی خولی بیان سے۔

۱۷۹۳ء کے فرانسیسی آئین میں اس حق کو اس طرح تسلیم کیا گیا تھا کہ جو بدیسی اپنی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کی وجہ سے اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے ہیں انھیں امان کا حق ہے۔ بہرحال، جہاں تک عمل کا تعلق ہے مغرب کے سرمایہ دار ملکوں میں امان کے حق کو ٹھیک اُلٹے مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ رجعت پسند حکومتوں کے لئے

اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم جرمنی، جاپان اور دوسرے ایسے ممالک کا حوالہ دے سکتے ہیں جہاں فاشسٹ یا نیم فاشسٹ طرزِ حکومت برسرِ اقتدار تھی اور جنھوں نے سوویت ریاست کے خلاف انقلاب دشمن روسی (وہائٹ گارڈز) کو استعمال کیا۔ ہم اس سلسلے میں سامراجی جاپان کا حوالہ دے سکتے ہیں جس نے سنہ ۱۹۱۲ء کے انقلاب کے بعد چین سے بھاگنے والے تارکِ وطن چینیوں کو استعمال کیا۔ اس طرح کی اور بھی مثالیں ہیں۔

امان کا حق رجعت پسند حکومتوں کے لئے ایک کارآمد حیثیت رکھتا ہے جو باضابطہ ترقی پسند جمہوری لوگوں کو اس حق سے محروم رکھتی ہے۔ اور جس کی ترجمانی حالیہ بین الاقوامی معاہدوں اور قوانین میں ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر مئی سنہ ۱۹۱۷ء کے امریکی قانون اور ترقی پسندوں کو بعض ملکوں کی فاشسٹ حکومتوں کے حوالے کرنے کے عمل میں اس کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اسی طرح سنہ ۱۹۳۶ء میں بلجیم کے حکام نے کئی فاشسٹ دشمن لوگوں کو جو سیاسی تارکِ وطن کی حیثیت سے وہاں آئے تھے، گیسٹاپو کے حوالے کر دیا۔ جرمنی جاپان اور اٹلی کے مابین سنہ ۳۷-۱۹۳۶ء میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کے ذریعے ان ممالک کی پولیس کے درمیان ایک براہِ راست تعاون اور اشتراکِ عمل قائم کیا گیا۔ چونکہ ان ممالک میں پولیس جمہوری مفاد کے خلاف ایک خوفناک جدوجہد میں مصروف تھی اور اس طرح حقیقی معنوں میں پناہ اور امان کے حق کو ختم کر دیا گیا۔

سوویت یونین کے آئین میں اس کی حیثیت بنیادی قانون کی ہے جو ان بیرونی شہریوں کو پناہ کا حق دیتا ہے۔ جن کو محنت کش طبقے کے مفاد کی حفاظت کرنے کے جرم میں یا قومی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کے جرم میں ظلم و تشدد کا شکار بنایا جائے۔ یہ چیز سوویت یونین کے آئین کی دفعہ ۱۶۹ میں درج ہے۔ پناہ کا حق سوویت یونین کے نقطۂ نظر کے مطابق ایک بہت اہم درجہ رکھتا ہے۔ یہ رجعت اور جارحانہ اقدامات کے خلاف اور امن اور جمہوریت کے لئے ترقی پسند جمہوری تحریک کی حمایت کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ تارکینِ وطن جو پناہ کا حق سیاسی خیالات کے پیشِ نظر مانگتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جن کا عمل کوئی سیاسی نوعیت نہیں رکھتا جو ایسے خیالات کے زیرِ اثر عمل پیرا ہیں جن کا کوئی تعلق سیاسی مقاصد سے نہیں ہے۔ ان دونوں کو ایک ہی سطح

پر لانے کی کوشش بالکل بے بنیاد ہے اور اسے مسترد کر دینا چاہیئے۔

اس لئے ان نمائندوں سے اتفاق کرنا ناممکن ہے۔ جو مصر ہیں کہ وہ جنگی قیدی جو مسلسل دباؤ اور جبر کی وجہ سے قید کرنے والی حکومت کے علاقے میں رہنے پر راضی ہو گئے ہیں ان کی حیثیت اور ان لوگوں کی حیثیت کو یکساں سمجھ لینا چاہیئے جو اپنے نظریاتی یا مذہبی عقاید کی بنا پر فوج میں واپس جانا نہیں چاہتے۔ مثال کے طور پر فرانسیسی نمائندے نے کہا۔

"مناسب اور با اختیار حاکموں کو چاہیئے کہ اس وقت ایسی ہی رعائتوں کو مناسب ردوبدل کے ساتھ ملحوظِ خاطر رکھیں۔ اور ان پر یکساں طور پر عمل کریں۔ جب ان جنگی قیدیوں کی اسکریننگ کی جائے جن کو قید کرنے والے ملک میں رہنے کی اجازت مل گئی ہے۔ اور جب ان جنگی قیدیوں کو واپس کیا جائے جنھیں مروجہ پوچھ گچھ کے مطابق اپنے ملک واپس جانے کی اجازت مل گئی ہے۔

فرانسیسی نمائندے نے کہا کہ اس چیز کو بنیادی اصول سمجھنا چاہیئے۔ بہرحال انھوں نے اس کا اعتراف کیا کہ نظریاتی اور مذہبی عقائد کی بنا پر فوجی کارگذاریوں سے استثنا کی اجازت اسی صورت میں اجازت ہے کہ جب ان عقائد کے سلسلے کی پوری تفتیش ہو چکی ہو تاکہ ان کے خلوص اور ثابت قدمی کے بارے میں ملکے سے شبہ کی بھی گنجائش نہ رہے۔

ان لوگوں کی حیثیتوں اور جنگی قیدیوں کی حیثیتوں میں یکسانیت پر اصرار کرتے ہوئے فرانسیسی نمائندے نے ایک اہم صورتِ حال کو نظر انداز کر دیا ہے۔ یعنی یہ کہ دورانِ قید کے حالات ایسے ہوتے ہیں جو جنگی قیدیوں کے فیصلوں میں سچے خلوص اور آزادی کی توقع کے ہر امکان کو خارج کر دیتے ہیں۔

امریکی طریقے سے تشدد کے استعمال کے بعد جس میں قتل بھی شامل ہے جنگی قیدیوں کی اسکریننگ اس یکسانیت کو خارج کر دیتی ہے جس کو ثابت کرنے کی کوشش فرانسیسی نمائندے نے کی ہے۔ یہ چیز شروع میں ہی بالکل صاف ہو جانی چاہیئے۔

۵۔ بین الاقوامی فرائض کی غیر مشروط اور سخت پابندی ہونی چاہیئے

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے ان وجوہ کی وضاحت اچھی طرح ہو جاتی ہے جس کی بنا پر

پر جنیوا کی بین الاقوامی کانفرنس میں منظور شدہ میثاق ۱۹۴۹ء کی دفعات وضع کی گئی تھیں۔ لیکن یہ چیز بغیر کسی جد و جہد کے اور کانفرنس میں حصہ لینے والوں کی طرف سے بغیر مخالفت کے منظور نہیں ہوئی تھی۔ جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ اس میثاق کی دفعات ۷، ۱۱۸، اور ۱۱۹ اس سلسلے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتیں کہ قید کرنے والی حکومتیں سوائے ان چند جنگی قیدیوں کے جو دفعہ ۱۱۹ کے ماتحت آتے ہیں تمام جنگی قیدیوں کو غیر مشروط طور پر رہا کرنے پر مجبور ہیں۔

اس امریکی مسودہ تجویز کے حامی جو میثاق جنیوا کی بُری طرح خلاف ورزی کرتی ہے جب یہ انکار نہ کر سکے کہ جنیوا کانفرنس کے فیصلوں کا مطلب یہی ہے تو انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ یہ فیصلے نظر انداز کر دینے چاہئیں۔ انھوں نے یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ "لفظی فارمولے" "میثاق کے اصلی جذبے کی تردید کرتے ہیں جس کا پاس ہمارے لئے سب سے پہلے ضروری ہے۔ بہت سے نمائندوں نے "میثاق کے جذبے" کی بات کی ہے۔ اور اس پر زور دیا کہ یہ جذبہ جنگی قیدیوں سے متعلق بین الاقوامی دستوروں کا عام طور پر اور ۱۹۴۹ء کی جنیوا کنونشن کا خاص طور پر سب سے پہلا فریضہ یہی ہے۔ یہ بالکل صاف ہے۔ لیکن جنگی قیدیوں سے متعلق میثاقوں کا جن میں ۱۹۴۹ء کی میثاق جنیوا بھی شامل ہے صرف یہی ایک فریضہ نہیں ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ میثاق اور اس کے جذبے کا سب سے اچھی طرح ان بیانات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو میثاق میں حصہ لینے والوں نے دئے ہیں۔ اور اس کی مختلف دفعات میں دی ہوئی باتوں سے۔

بین الاقوامی تعلقات سے متعلق جنیوا کانفرنس کی جو دستاویزیں شائع ہوئی ہیں ان سے اس میثاق کے مصنفوں کی خواہشوں، مقاصد اور فرائض کا پتہ کافی آسانی سے چلایا جا سکتا ہے۔ اور خاص طور پر مسودہ دفعہ ۷ کے مصنف کی خواہشوں، مقاصد اور فرائض کا۔ اس دفعہ کو بہ اتفاق آرا اس کانفرنس میں منظور کیا گیا تھا۔ جو بعد میں ۱۹۴۹ء کے میثاق میں اسی نمبر کے تحت منظور کی گئی تھی۔ کانفرنس کے ریکارڈ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دفعہ کے ایک مصنف ریڈ کراس کے نمائندے، بلاکس نے یہ تشریح کی کہ اس دفعہ کی تصنیف ان جنگی قیدیوں، عام شہری نظر بندوں اور میڈیکل عہدہ داروں کے تحفظ اور مدافعت کے لئے کی گئی تھی جو اسیر ہوں تاکہ انھیں ان کوششوں کے خلاف محفوظ رکھا جا سکے جو انھیں اپنے عہدے کو ترک کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ مثلاً جو انھیں ایک عام شہری کے عہدے پر لے آتی ہیں

اور انہیں اس حکومت کی فوج میں شریک ہونے پر مجبور کرتی ہیں جن کے وہ قیدی ہیں۔
۱۹۴۸ء میں اسٹاک ہوم میں منعقدہ ریڈ کراس کی کانفرنس میں بھی اس قسم کی ایک تجویز منظور ہوئی تھی۔ جیساکہ اس کی ریکارڈ میں موجود ہے۔ اس تجویز کا خلاصہ یہ ہے کہ متعلقہ اشخاص دھمکی یا کسی اور جبر کے ذریعے ان حقوق سے دست بردار نہیں ہوں گے جو میثاق نے انہیں دئے ہیں۔ یہ چیز دھمکی اور دوسرے ذرائع جبر کو قطعی طور پر مسترد کردیتی ہے اور اس بات پر زور دیتی ہے کہ متعلقہ اشخاص ان حقوق سے مکمل طور پر یا جزوی حیثیت سے دست بردار نہیں ہوسکتے۔ جو میثاق نے انھیں دئے ہیں۔

یعنی ان مصنفین نے اور ان کے ساتھ ہی جنیوا کانفرنس میں حصہ لینے والے تمام نمائندوں نے یہ اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ یہ تجویز قید رکھنے والی حکومتوں پر قیدیوں سے متعلق خاص ذمہ داریاں اور فرائض عاید کرتی ہے۔ وہ فرائض جو جنگی قیدیوں کی رہائی اور واپسی سے متعلق دفعہ ۱۱۸ میں درج ہیں۔ ان حالات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ریڈ کراس کے نمائندے مسٹر پلاکس نے اس بات پر زور دیا کہ اس دفعہ میں اسی "جذبے" کو پیش خاطر رکھا گیا ہے۔ جو اسٹاک ہوم کانفرنس میں سامنے تھا۔

یہ معلوم ہے کہ دفعہ ۷ کی حمائت جنیوا کانفرنس میں سارے حصہ لینے والوں نے باتفاق آرار کی تھی۔ ان میں برطانوی نمائندے بھی شامل ہیں جنھوں نے بہرحال یہاں اس دفعہ ۷ کی مخالفت کی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو اپنے ملک واپس جانے کے حق جیسے حقوق سے دست بردار ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

یہ چیز قابلِ غور ہے کہ ۱۹۴۹ء کی جنیوا کانفرنس میں حصہ لینے والوں میں سے کچھ لوگوں نے مثلاً ناروے کے نمائندے نے اس خطرے پر زور دیا کہ اس طرح زیرِ حفاظت لوگوں کو، یعنی جنگی قیدیوں کو ان حقوق سے دست بردار ہونے کا موقع ملتا ہے جو میثاق نے ان کو دئے ہیں۔" انھوں نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے آگے چل کر کہا "اگرچہ یہ اصول بڑے اہم نتایج برآمد کرسکتا ہے۔ پھر بھی ان اشخاص کی حفاظت کے لئے موثر اقدامات کرنا ضروری ہیں جو اس میثاق کے تحت آتے ہیں۔ ناروے کے نمائندے کاسٹرگ نے کہا کہ "ضروری حفاظت کو یقینی بنانے کے امکان کا صرف ایک طریقہ ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ عام اصول مان لیا جائے کہ میثاق کے دئے ہوئے حقوق سے دست بردار ی

کسی صورت میں جائز نہیں۔

کچھ نمائندوں نے میثاق کے "جذبے" کی دہائی دی۔ حضرات، ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کا "جذبہ" میثاق یہ ہے۔ اور جو ۱۹۴۷ء میں اسٹاک ہوم کی ریڈکراس کانفرنس میں بھی مانا گیا۔ اور جن کا اظہار کانفرنس میں ہونے والی تقریروں سے ہوتا ہے۔ اور جو ان ریاستوں پر خاص اور پر حقوق فرائض اور ذمہ داریاں عائد کرتا ہے جن کے زیر حراست جنگی قیدی ہیں۔ کیا یہ صاف نہیں کہ میثاق جنیوا کے واضح اور قاطع دفعات کے مقابلے میں جذبے کی بات کرنے کی کوشش کسی تنقید کی تاب نہیں لا سکتی۔

واقعات یہ ہیں۔ یہ واقعات مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

۱۔ ۱۹۴۹ء کا میثاق جنیوا اور ۱۹۲۹ء کی میثاق بھی، جو اس سے پہلے نافذ تھا اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ سارے جنگی قیدی غیر مشروط طور پر رہا کر دئے جائیں۔

۲۔ یہ مطالبہ اتنا قطعی ہے کہ دفعہ ۱۱۸ کے مطابق قیدیوں کی واپسی کے سوال اس صورت میں بھی عمل درآمد کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ جبکہ شریک جنگ حکومتوں کے مابین ہونے والے خاص معاہدوں یا عام معاہدوں میں اس کے لئے دفعات موجود نہ ہوں۔ دفعہ ۱۱۸ کے مطابق قید میں رکھنے والی حکومت کو چاہیئے کہ مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں فوراً جنگی قیدیوں کو واپس بھیجنے کا ایک پلان مرتب کرے اور اس پر عمل درآمد شروع کر دے۔

۳۔ پچھلے پیرے میں جو اصول بیان کیا گیا ہے میثاق جنیوا اپنے اندر اس کی طرف کوئی محفوظات یا استثنیات نہیں رکھتی اور یہ مطالبہ کرتی ہے کہ جنگ و جدل کے ختم ہوتے ہی جنگی قیدیوں کو فوراً رہا کر دینا اور ان کے ملک واپس بھیج دینا چاہیئے۔

۴۔ جنیوا کنونشن میں ایسی کوئی دفعہ موجود نہیں ہے جو قید رکھنے والی حکومت کو اس بہانے سے جنگی قیدیوں کی واپسی میں تاخیر کرنے کی اجازت دیتی ہو کہ وہ واپس جانا نہیں چاہتے اور عملی مزاحمت کی دھمکی دیتے ہیں۔

۵۔ کوریا میں امریکی کمان کی پالیسی اور اس کی حمایت کرنے والی حکومتوں کی پالیسی کھلم کھلا ۱۹۴۹ء کی جنیوا کنونشن اور جنگی قیدیوں سے متعلق عام طور پر تسلیم شدہ بین الاقوامی قانون کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتی ہے۔

۶۔ یہ بات کوئی قانونی اہمیت نہیں رکھتی کہ جنگی قیدیوں میں سے کچھ قیدی اپنے ملک

واپس جانے سے انکار کرتے ہیں۔ یہ انکار کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں میں کے کیمپوں میں امریکی کمان کے "جبریہ اسکریننگ" یا "پوچھ گچھ" جیسے اقدامات کا نتیجہ ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اس سلسلے میں ان جنگی قیدیوں کے خلاف تشدد برتا جاتا ہے۔ اور جب جنگی قیدی امریکی کمان کے تشدد کا مقابلہ کرتے ہیں تو ان کے خلاف ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں۔

امریکہ کی جبریہ "اسکریننگ" کے حامی ان کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں کہ کچھ جنگی قیدی اپنے ملک واپس جانے سے انکار کرتے ہیں اور عملی طور پر ان اقدامات کی مزاحمت کرنے کی دھمکی دیتے ہیں جو امریکی کمان جنگی قیدیوں کو ان کے ملک واپس بھیجنے کے سلسلے میں کرنا چاہتی ہے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس بہانے سے امریکہ کے یہ حامی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں وہ جنگی قیدیوں کو ان کے ملک واپس جانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اور پھر وہ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم بتائیں کیا ایسی صورت میں ہم طاقت اور جبر کا استعمال ممکن اور ضروری سمجھتے ہیں۔

ہم پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ سوال کو اس طرح سے رکھنا مصنوعی اور دور از قیاس ہے پوری تاریخ میں اس طرح کا سوال پہلے کبھی نہیں اٹھا ہے اور نہ قید رکھنے والی کسی حکومت نے خود اپنے آپ سے اس طرح کا سوال کیا ہے یا اس معاملے میں خاص مشکلات سے دوچار ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں جیسا کہ فرانسیسی نمائندے نے بیان کیا ہے کہ سابقہ "قومی جنگوں میں نظریاتی جنگیں شامل نہیں ہوتی تھیں"۔

ماضی کی جنگوں میں مذہبی اور سیاسی عناصر جنگوں میں اپنا کام کیا کرتے تھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اتنا یاد دلانا کافی ہوگا کہ سنہ ۱۸۷۰ء میں فرانس اور جرمنی کی جنگ کے دوران میں بس مارک نے یہ مشورہ دیا کہ تھائرس اور ان کے ساتھیوں کو چاہیئے کہ پیرس کو مسمار کرنے کے لئے بونا پارٹ کی فوجوں کو قید سے رہا کر دیں اور اگر ضرورت پڑے تو اس کو شہنشاہ ولہم کی فوجوں کو کمک پہنچا کر اس کی مدد کرنی چاہیئے۔ بس مارک اور تھائرس نے قیدیوں کا سودا کیا اور معمولی سپاہیوں کے مفاد کو قربان کر کے انھوں نے ایک دوسرے سے ایک سمجھوتہ کر لیا۔ اور اسی کے مطابق ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے جن کو ۱۸ مئی کو فرانسیسی نیشنل اسمبلی نے منظور کر لیا۔ یہ چیز ہر وہ شخص جانتا ہے جب تاریخ سے واقفیت ہے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ جب ۲۱ مئی ۱۸۷۱ء کو بونا پارٹ کی فوج جنرل دوائے کی سرکردگی میں پیرس کے گیٹ کے اندر داخل ہوئی تو تھائرس نے کہا کہ اس کا مقصد پورا ہوا ــــــ"

امن وامان! انصاف اور تمدن نے آخر کار فتح پائی!"

تمدن کا سبق پڑھانے والے امریکی بھی کوریا میں اسی قسم کی فتح چاہتے ہیں۔

جنگی قیدیوں کے تبادلے اور نام نہاد "جبریہ واپسی" کے بارے میں امریکی مسودۂ تجویز کے حامیوں نے جو سوال اٹھایا ہے اس کی وضاحت امریکہ کی خارجہ پالیسی کے عام رویہ سے ہو جاتی ہے جو سوویت یونین، چینی جمہوری ری پبلک اور یورپ کی عوامی جمہوریتوں کے خلاف تخریبی، جاسوسی، اور دہشت پسند سرگرمیوں کو مالی امداد پہنچانے میں بھی ذرا دریغ نہیں کرتا اور جس کا جواز ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۱ء کے امریکی ایکٹ جیسے بدنام ایکٹ میں موجود ہے ایسے اقدامات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لوگوں کی کاڈروں کی ضرورت ہے ایسے لوگوں کو ان جنگی قیدیوں میں سے بھرتی کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ جس طرح اس قسم کے لوگ اپنے ملک سے نکالے ہوئے لوگوں میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں۔

یہ ہے وہ نقطۂ نظر۔ یہ ہے وہ عام پالیسی جو کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال پر امریکی کمان کے رویہ کا تعین کرتی ہے۔ نام نہاد "جبریہ واپسی" کے بارے میں جھوٹا شور مچا کر اس پالیسی پر پردہ ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مندرجہ بالا سوالوں کی طرح اور بہت سے سوالات کرکے لوگوں کو بہرا بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسے سوالات بہت سے حضرات کر رہے ہیں۔ جس کا آغاز لائیڈ سے ہوتا ہے۔ اور یونانی، ترکی اور ٹیٹو کے نمائندوں پر ختم ہو جاتا ہے

یقینی اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ اگر میثاق جنیوا اور اس میثاق سے جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ان کی طرف ایماندارانہ طرزِ عمل رکھا جائے تو کوئی بھی حکومت جس نے اس میثاق پر دستخط کئے ہیں ان ذرائع کی دریافت میں ناکام نہیں ہو سکتی جن کی مدد سے جنگی قیدیوں کو "اسکریننگ" جیسے جابرانہ اقدام کا شکار بنائے بغیر ان کی واپسی کے سوال پر میثاق کے مطالبوں کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔ اور ان طریقوں کی دریافت جنگی قیدیوں کو اشتعال دلا کر ان کو انتہا پسند اقدامات پر مجبور کئے بغیر کی جا سکتی ہے جن کی وجہ سے موجودہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ اور اگر ان ریاستوں کے مابین دستخط شدہ بین الاقوامی میثاقوں کے تحت عائد ہونے والے فرائض پر احتیاط، وفاداری اور ایمانداری سے عمل ہوا ہوتا تو موجودہ صورت حال نہ پیدا ہوتی اور نہ پیدا ہو سکتی تھی۔ اور یہ چیز بھی ظاہر کر دینا ضروری

ہے کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے خلاف امریکی کمان کے "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" جیسے اقدامات سے انتہا پسند ردِ عمل پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری پورے طور پر ان ملکوں کی حکومتوں پر عاید ہوتی ہے جن کے ہاتھوں میں جنگی قیدی اسیر ہیں۔

۶۔ میکسیکو اور پیرو کی تجویزوں کے بارے میں!

مجھے میکسیکو اور پیرو کی ان مسودہ تجاویز کی طرف سوویت وفد کے رویے کے بارے میں بھی چند الفاظ عرض کرنا ہیں جو ۱۱ اور ۳ نومبر ۱۹۵۱ء کو پیش ہوئی تھیں۔ ان مسودوں کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے ہم میکسیکو اور پیرو کے ان بیانات کا خیر مقدم کرتے ہیں جہاں ان میکسیکو اور پیرو کے مسودوں میں کوریا میں منصفانہ اور باعزت صلح کے معاہدے کی ضرورت پر اور جنگی قیدیوں سے متعلق بین الاقوامی صلح ناموں میں مندرج اصولوں کی تعمیل پر زور دیا گیا ہے ہم پیرو کی مسودہ تجویز کی اس یاددہانی کا بھی خیر مقدم کرتے ہیں کہ پوری انسانیت آج ایک فوری منصفانہ اور باعزت امن کے لئے کوشاں ہے۔

جہاں تک ان مسودوں کے عملی پہلو کا تعلق ہے میکسیکو کے مسودے کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف وہی جنگی قیدی، جیسا کہ مسودے میں کہا گیا ہے چین اور کوریا کو واپس کئے جا سکتے ہیں جنھوں نے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اور صلح ہو جانے کے بعد ہی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ میکسیکو کے مسودے کے پیرا ۲ کے مطابق وہ جنگی قیدی جنھوں نے واپس جانے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا ہے واپس نہیں کئے جائیں گے۔ وہ اپنے وطن نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ وہیں رہیں گے جہاں آج وہ ہیں۔ جب تک کہ سیاسی کانفرنس میں متعلقہ فیصلے نہ کئے جائیں اور ان پر عمل درآمد نہ شروع ہو جائے۔

اس مسودے کے تیسرے پیرے میں ان جنگی قیدیوں کی حیثیت کی تشریح کی گئی جن کا حوالہ پیرا ۲ میں دیا گیا ہے۔ یہ حیثیت مندرجہ ذیل نتیجے تک لے جاتی ہے۔

(الف) جنرل اسمبلی کو ان ریاستوں سے جنگی قیدیوں کی تعداد اور داخلے کی شرائط پر معاہدہ کرنا چاہیئے۔ جو اپنے علاقوں میں جنگی قیدیوں کے داخلے کے لئے تیار ہیں۔

(ب) اس بات چیت کے نتیجے کے طور پر جو جنگی قیدی واپس جانے سے انکار کریں گے

وہ مختلف ملکوں کو نہ بھیج دئے جائیں گے۔

میکسیکو کی مسودہ تجویز کا یہ سب سے زیادہ اہم حصہ ہے۔ اس طرح یہ مسودہ کہتا ہے کہ جنگی قیدیوں کی واپسی کچھ قیدیوں کی اپنی خواہش پر منحصر ہے۔ اسی طرح واپسی کے سوال پر عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ یہ دفعہ بھی، بہر حال بین الاقوامی قانون کے اس اصول کی تردید کرتی ہے جو سارے جنگی قیدیوں کی غیر مشروط رہائی اور واپسی سے متعلق ہے۔

میکسیکو کا مسودہ ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا سے بہک جاتا ہے۔ اور ہر طرح کی بے راہ روی کا راستہ کھولتا ہے۔ جیسا کہ آج امریکی کیمپوں میں ہو رہا ہے۔ یہ مسودہ جبر کے استعمال کا موقع دیتا ہے اور جنگی قیدیوں کے ایسے عمل پر مجبور کرتا ہے جو انسانیت اور اپنے وطن کی طرف ہر جنگی قیدی کے احساس فرض کے منافی ہے۔ دوسرے الفاظ میں میکسیکو کا مسودہ جبریہ اسکریننگ کے امکان کا موقع بھی پیدا کرتا ہے۔ اس طرح حقیقی معنوں میں جنگی قیدیوں کو امریکی کمان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے جو ظاہر ہے، جنگی قیدیوں کی قسمت کے بارے میں جنرل اسمبلی پر اپنے فیصلے مسلط کر کے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

دوسرے سوالات جو میکسیکو کے مسودے میں اُٹھائے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

عبوری حیثیت کے منظور کئے جانے کا سوال ـــــ جنگی قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کرنے والے ممالک کی طرف سے مستقبل میں ان کی زندگی اور آزادی کی ضمانتوں کا سوال۔ یہ سوالات بھی اور دوسرے سوالات کی طرح میثاق جنیوا کے اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے جو تمام جنگی قیدیوں کی غیر مشروط واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور ان جنگی قیدیوں پر کسی جبر کی اجازت نہیں دیتے جن پر یہ الزام رکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے ملک واپس جانا نہیں چاہتے۔ اس لئے سوویت یونین کا نمائندہ وفد، میکسیکو کے مسودے کو ناقابلِ قبول سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ سوویت وفد میثاق جنیوا کی اصولوں کی اور بین الاقوامی قانون کے عام طور پر مانے ہوئے اصولوں کی تعمیل اور احترام کرتا ہے۔ اور سوویت یونین کا وفد صرف اسی کو ایک قابلِ قبول اور قابلِ تعمیل بنیاد تسلیم کرتا ہے۔

جہاں تک پیرو کے وفد کی طرف سے پیش کردہ مسودہ تجویز کا تعلق ہے اس میں ناقابلِ قبول دفعات موجود ہیں۔ جو امریکی کمان کی تجاویز سے بہت کم ہی مختلف ہیں خاص طور پر پیرو کے مسودے کے پیرا ۲ اور ۳ کے بارے میں یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ یہ

مسودہ حقیقت میں "اسکریننگ" کے اصول کو مانتا ہے۔ پیرو کی مسودہ تجویز کا پیرا ۴ بھی انتہائی ناقابلِ قبول ہے۔ دونوں حیثیتوں سے یہ پیرا ناقابلِ قبول ہے۔ پانچ ممبروں پر مشتمل ایک کمیشن کی تشکیل کے سلسلے میں بھی یہ ناقابلِ قبول ہے۔ اس لئے کہ اس میں براہ راست متعلقہ ممالک کی شرکت اور ان ممالک کی شرکت کا جواز موجود نہیں جو اس جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ کمیشن کے فرائض کی تشریح کی حیثیت سے بھی یہ تجویز ناقابلِ قبول ہے۔

مذکورہ بالا وجوہ کی بناء پر سوویت وفد اس مسودہ تجویز کو بھی غیر تسلی بخش سمجھتا اور قرار دیتا ہے۔

۷۔ ہماری تجویزیں

سوویت یونین کا وفد اس بات پر اصرار کرتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ سوویت یونین کی طرف سے ۲۹ر اکتوبر کو جو مسودہ تجویز پیش کی گئی ہے اسے کمیٹی منظور کرے گی۔ لیکن پہلی کمیٹی میں کوریا کے سوال پر جو تبادلہ خیال ہوا ہے اور مختلف وفدوں نے جو باتیں کہی تھیں۔ اور جن خواہشات کا اظہار کیا ہے۔ ان کی روشنی میں سوویت وفد پیش کردہ مسودہ تجویزیں سے اپنی کچھ تجویزوں کو قاطع اور جامع طور پر پیش کرنا چاہتا ہے خاص طور پر پُرامن مفاہمت کے لئے کمیشن کی تشکیل کے بارے میں اور کمیشن کے فرائض کے بارے میں قطعی اور ٹھوس تجویزیں رکھنا چاہتا ہے۔

سوویت یونین کے مسودہ تجویز کے ردّو بدل کے بعد جس طرح پڑھی جائے گی مندرجہ ذیل ہے:۔

"جنرل اسمبلی

"کوریا کو متحد کرنے اور دوبارہ آباد کرنے کے سلسلے میں کمیشن کی رپورٹ کی جانچ کے بعد یہ ضروری سمجھتی ہے:۔

کہ کوریا کے سوال کا پُرامن حل نکالنے کے لئے ایک کمیشن کی تشکیل کی جائے جس میں براہ راست متعلقہ فریقین اور ان کے علاوہ دوسری ریاستیں بھی شامل ہوں۔ منجملہ ان ریاستوں کے جو اس جنگ میں شریک نہیں ہیں۔ یہ کمیشن ان ممالک پر مشتمل ہوگا۔ امریکہ، برطانیہ

فرانس، سوویت یونین، چینی جمہوری ری پبلک، ہندوستان، برما، سوئٹزرلینڈ، چیکوسلاویکیہ
کوریا کے عوام کی جمہوری ری پبلک اور جنوبی کوریا۔

•کہ مذکورہ بالا کمیشن کو ہدایت کی جائے کہ وہ فوراً کوریائی سوال کو حل کرنے کے لئے ایسے اقدامات کرے کہ کوریا کے اتحاد کا سوال خود کوریا کے باشندے مذکورہ بالا کمیشن کی نگرانی میں طے کریں۔ اس کے ساتھ ہی دونوں فریقین کی طرف سے سارے جنگی قیدیوں کی واپسی میں ہر طرح کی آسانی اور مدد بہم پہنچانے کے لئے ضروری اقدامات کرے؛

یہ ہے کوریا کے سوال کو صحیح معنوں میں حل کرنے کا راستہ۔ ہم پورا یقین رکھتے ہیں کہ کوریائی عوام کے خلاف ایک جارحانہ اور غیر منصفانہ جنگ کو روکنے کا یہی ایک واحد راستہ ہے۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے جو کوریا میں صلح کی بات چیت کو تکمیل اور امن کی طرف لے جاتا ہے اور جس کے تمام امن پسند عوام خواہاں اور طالب ہیں۔

۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء کو سیاسی کمیٹی میں کوریا سوال پر

اے۔ وائی۔ وشنسکی کا بیان

پہلی کمیٹی اب کوریا کے سوال پر بحث ختم کر رہی ہے۔ یہ سوال نہ صرف ہماری کمیٹی اور جنرل اسمبلی کے نمائندوں کی زبردست توجہ کا مرکز بنا ہے بلکہ اس سوال نے ساری دُنیا کی پبلک کی توجہ اپنی طرف کھینچی ہے۔ اور یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ کوریا کا سوال ایک غیر منصفانہ اور خونی جنگ کا سوال ہے جو کوریا کے عوام پر مسلط کر دی گئی ہے۔ جو تقریباً ڈھائی سال سے جاری ہے اور جس کا ایک ایک دن، ایک ایک گھنٹہ، تازہ بہ تازہ نئے انسانوں کو شکار بنا رہا ہے، تازہ بھینٹ لے رہا ہے۔ یہ جنگ ایک ایسی تباہی اور بربادی پھیلا رہی ہے۔ جس کی تشریح سے الفاظ انکار کرتے ہیں۔ یہ سوال سارے امن پسند عوام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے جو کوریا کے سوال کے جلد از جلد اور قابل عمل حل کے متمنی ہیں، جو کوریا میں جنگ اور امن کے سوال کا حل چاہتے ہیں۔ یہ سوال بڑی نزاکت اور پیچیدگی کے ساتھ پوری مجلس اقوام متحدہ کے اہم مفادات سے وابستہ ہے جس کے ممبروں کی خاصی تعداد کوریا کے اندر امریکی مداخلت میں شریک ہے۔ وہ سب کچھ جو کوریا میں کیا جا رہا ہے۔ کوریا میں جتنی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں برپا ہیں، کوریائی اور چینی عوام پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اور جن کو مجلس اقوام متحدہ کے پرچم اور نام کے پیچھے چھپایا جا رہا ہے۔ ہاں ان سب کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے۔ کوریا کے سوال کا تعلق صرف کوریا کے لوگوں سے نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جو بڑی گہرائی سے چینی عوام کے مفادات پر، یورپ اور ایشیا کے عوام کے مفادات پر، ساری دُنیا کے عوام کے مفادات پر اثر انداز ہے۔

کچھ نمائندے بنیادی طور پر ایسا ظاہر کرتے ہیں جیسے وہ اس بات کو نہیں سمجھتے

پیرو کے نمائندے نے تو یہ سوال اٹھایا کہ مثال کے طور پر آخر چینی رضاکاروں، اور "شمالی کوریا کی ریاست" کے مابین کون سا "دوستانہ رشتہ" قائم ہے

میں اس کا جواب دوں گا کہ یہ رشتہ بدیسی حملہ آوروں اور فاتحوں کے خلاف کوریائی اور چینی عوام کی خود مختاری اور آزادی کی لمبی جد وجہد اور جنگ کا رشتہ ہے۔ دو سال قبل سنہ ۱۹۵۰ء کے دسمبر میں، چین کی گیارہ جمہوری پارٹیوں نے کوریا میں امریکی مداخلت کے خلاف اپنے مشہور بیان میں احتجاج کرتے ہوئے اعلان کیا تھا "امریکہ کے خلاف کوریائی عوام کی جدوجہد میں چینی عوام کو محض اخلاقی فرض کی حیثیت سے مدد نہیں کرنی چاہیئے۔ کوریا کی مدد تمام چینی عوام کے مفاد کے موافق ہے اور خود اپنی مدافعت کا ضرورت کا تقاضہ ہے"۔

کیا چینی عوام کی قسمت کوریائی عوام کی قسمت سے وابستہ نہیں ہے جنھوں نے سنہ ۱۹۲۵-۲۷ء میں چینی عوام کی شمالی مہم میں عملی حصہ لیا، جنھوں نے سنہ ۱۹۲۷-۳۷ء میں انقلابی جنگ میں حصہ لیا، اور جنھوں نے سنہ ۱۹۳۶ء، سنہ ۱۹۳۸ء، سنہ ۱۹۳۹ء، سنہ ۱۹۴۰ء، سنہ ۱۹۴۱ء، سنہ ۱۹۴۲ء، سنہ ۱۹۴۳ء سنہ ۱۹۴۴ء اور سنہ ۱۹۴۵ء میں جاپانی حملے کے خلاف جنگ میں حصہ لیا؟ چینی عوام اور کوریائی عوام دوستی کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ قومی خود مختاری اور آزادی کے لئے دونوں کی مشترکہ جنگ نے اس دوستی کو مضبوط کیا ہے۔

کوریا میں بدیسی مداخلت کرنے والوں کے خلاف جانفروش کوریائی عوام کی جدوجہد نے ایشیا، افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید کے سارے عوام کی ہمدردیوں کو بیدار کیا ہے جو آج بدیسی غلامی کی زنجیروں کو توڑ رہے ہیں۔ اس نے ان تمام مردوں اور عورتوں کی ہمدردیوں کو بیدار کیا ہے جو امن اور بین الاقوامی تعاون کے حامی ہیں۔

اس لئے کوریا کے سوال پر پہلی کمیٹی میں بحث، اجنڈے کی پہلی شق کی حدود سے بہت آگے نکل گئی جو سوالات کی فہرست میں ترتیب پا کر پہلی کمیٹی کے سامنے غور کرنے کے لئے پیش ہوئی تھی۔ پہلی کمیٹی کے سامنے بہت اہم سوالات ہیں جن کو فوراً طے کرنے کی ضرورت ہے اس سے قطع نظر کہ اس چیز سے باز رکھنے کی ساری کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور چیزوں کو تنگ اور چھوٹے سوالات تک محدود رکھنے کی کوششیں ہو رہی ہیں حالانکہ یہ بھی بین الاقوامی نوعیت کے لحاظ سے کافی اہمیت رکھتے ہیں۔

ہم نے ایسے بہت سے سوالوں پر کافی پھیلاؤ اور تفصیل کے ساتھ غور کیا ہے۔ کچھ

وفدوں نے تو اپنی تجویزیں مسودہ تجویزوں کی شکل میں پیش کی ہیں۔ ان مسودوں نے بھی کمیٹی کی توجہ حاصل کی اس لئے کہ ان میں کچھ ایسے اصولوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ جن کو ان تجویزوں کے مصنفوں نے بڑی جانفشانی کے بعد مرتب کیا ہے۔

ان میں مرکزی سوال جنگی قیدیوں کے تبادلے کا سوال ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس نے دو مخالف نقطہ ہائے نظر کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ دیا ہے۔ ان کی اہمیت اور گہرائی کا اندازہ اس بات سے نہیں لگایا جا سکتا کہ وفدوں کی کتنی تعداد ان میں کس نقطۂ نظر کی حمایت کر رہی ہے۔

یہ چیز کافی اہم اور قابلِ غور ہے کہ امریکہ اور جنگی قیدیوں کے سوال پر اس کی حمایت کرنے والے دوسرے ممالک کمیٹی سے نام نہاد اقوام متحدہ کی کمان کے طرزِ عمل کی منظوری چاہتے ہیں جس کا جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک انسانیت کے بنیادی اصولوں کی بھی بُری طرح خلاف ورزی کر رہا ہے۔ مسودہ تجویز جو ان لوگوں نے پیش کی ہے۔ اس میں جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال پر موجودہ کمان کے طرزِ عمل کی تصدیق کی مانگ کی گئی ہے۔ اس کے پیچھے ذہن میں جنگی قیدیوں کی جبریہ نظر بندی کا اصول چھپا ہوا ہے۔ اس تجویز کا مطلب یہ بھی ہے کہ کمیٹی اس بہیمانہ رویّے کی بھی تصدیق اور پاسداری کرے جو کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں پر دباؤ ڈالنے کے لئے برسرِ عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کمیٹی اس تشدد کی بھی توثیق کرے جس میں گولیاں برسانا بھی شامل ہے اور جس پر امریکی کمان جنگی قیدیوں کو واپسی سے انکار کرنے پر مجبور کرنے کے لئے بے دھڑک اور باضابطہ عمل کر رہی ہے تاکہ مفاہمت کی بات چیت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں اور اس طرح ایک سمجھوتے اور صلح کی تکمیل کا امکان ہی سرے سے ختم ہو جائے۔

امریکہ کے حکمران حلقے یہ کافی اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نام نہاد اصول کو قبول کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے کہ یہ ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کی اور اس سے پہلے کی بین الاقوامی میثاقوں کی تردید کرتا ہے اور عام طور پر تسلیم شدہ بین الاقوامی بنیادی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا وہ یہ کافی اچھی طرح جانتے ہیں کہ کوریا کا سوال اس نام نہاد اصول کی بنیاد پر حل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ اس اصول سے کوریائی اور چینی کمان کا متفق ہونا ناممکن ہے۔ جس طرح اس سے ہر اس شخص کا متفق ہونا ناممکن ہے جو جنگی قیدیوں کے سوال کو ان بین الاقوامی قانون کے

تسلیم شدہ اصولوں کی بنیاد پر واقعی حل کرنے کی کوشش کرتا ہے جنھیں ساری دنیا نے بین الاقوامی عمل درآمد کے ذریعے جواز بخشا ہے اور متبرک بنا دیا ہے۔

بحث کے دوران میں کچھ نمائندوں نے اس نام نہاد اصول کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ نہ تو میثاق جنیوا کی تردید کرتا ہے اور نہ اس سے پہلے کی میثاقوں کی نہ سنہ ۱۹۰۷ء کی میثاق لیگ کی اور نہ سنہ ۱۹۲۹ء کی میثاق جنیوا کی جن میں جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں بنیادی ہدایتیں ہیں۔

ایسی کوششیں بہرحال، بُری طرح ناکام ہوئیں۔ اور ان کے لئے ناکام ہونے کے سوا اور چارہ کار ہی نہیں تھا۔ اس لئے کہ ان کے خلاف بے شمار واقعات اور دلائل موجود تھے۔ اس لئے کہ ان کے خلاف بین الاقوامی قانون کی سائنس کے مستند نمائندوں کے تاریخی بیانات اور دستاویزیں موجود تھیں۔ اور جو امریکہ کی مسودہ تجویزوں کے مصنفوں اور ان کے حامیوں کے طرزِ عمل کو اور اسی نقشِ قدم پر چلنے والی میکسیکو اور پیرو کی مسودہ تجویزوں کو بے نقاب کرتی ہیں۔

ان تجویزوں کے حامیوں نے جنگی قیدیوں سے متعلق بین الاقوامی دفعات کی الگ الگ دہائی دی ہے۔ اور بین الاقوامی قانون کی سائنس کے نمائندوں کے کچھ بیانات کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن یہ کوشش بھی ناکام ہوئی۔ اس لئے کہ مندرجہ بالا ماخذ کا حوالہ بہت ہی توڑ مروڑ کر دیا گیا تھا اور نہ صرف یہ کہ ان دستاویزوں میں ان کے محل وقوع سے نکال کر ان کے معنی کو مسخ کیا گیا تھا بلکہ خود ان دستاویزوں کے متن کو بھی مسخ کرکے پیش کیا گیا تھا دوسرے ثبوت کی طرح ہماری پیش کردہ دستاویزوں کے ثبوت کو غلط ثابت کرنے کی یہ کوشش ناکام رہی۔

مندرجہ بالا تجویز کے مسودہ کے حمائتیوں کی خاص لائن یہ تھی کہ وہ بحث میں اُٹھنے والے سارے اہم سوالات کو ٹال گئے۔ جہاں تک کہ یہ سوال بین الاقوامی قانون کی دفعات سے، بین الاقوامی میثاقوں اور بین الاقوامی قانون کے نمائندوں کے عام طور پر تسلیم شدہ تفسیرات اور تبصروں سے متعلق تھے۔

ان تجویزوں کو پیش کرنے والوں نے سارے جنگی قیدیوں کی غیر مشروط واپسی سے متعلق بین الاقوامی قانون اور بین الاقوامی معاہدوں کے مطالبوں کی غیر مشروط اور بے کم و کاست

تعمیل کے سوال کو جنگی قیدیوں کی نام نہاد جبریہ واپسی کی ممانعت کے سوال سے بدل دیا ہے اور اس طرح جنگی قیدیوں کو جبریہ اسیر رکھنے کے خود اپنے ہتھکنڈوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ انھوں نے اس بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کو بلند کرکے اسے بین الاقوامی قانون کے ایک خاص "اصول" کا مقام عطا کرنے کی کوشش کی ہے جو ہر منطق اور عقل سلیم کے منافی ہے۔ انھوں نے اس طرح کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی جبریہ "اسکریننگ" کے خوفناک طرزِ عمل کو چھپانے کی کوشش کی۔ وہ اپنی بہیمانہ اذیت رسانیوں کے ذریعے دباؤ ڈال کر تشدد اور باقاعدہ گولیاں برسا کر جنگی قیدیوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ گھر واپس جانے کی فطری اور قانونی جد وجہد سے باز آجائیں۔

ان نمائندوں نے جنھوں نے تجویز "۲۱" کی حمایت میں تقریریں کیں۔ ایسے انجان بن گئے جیسے انھوں نے امریکی کیمپوں میں کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں پر توڑے جانے والے مظالم کو محسوس ہی نہیں کیا ہے جن کے ہوتے ہوئے ایک بھی باخبر آدمی یہ کہنے کی کوئی وجہ یا حق نہیں رکھتا کہ جنگی قیدی "آزادی کے ساتھ" خود اپنی قسمت کا فیصلہ کرسکتے ہیں نام نہاد "اسکریننگ" یا "پوچھ گچھ" کے مرحلے کے بعد کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے امریکی کیمپوں میں جو طریقے استعمال کئے جارہے ہیں ان کی بربریت کی مثال کہیں انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ ایسے طریقے ہیں جو جنگی قیدیوں کے خلاف باضابطہ دباؤ اور جبر کے استعمال کو ظاہر کرتے ہیں۔ جن کا مقصد جنگی قیدیوں کو ترک وطن پر مجبور کرنا ہے۔ "اسکریننگ" یا "استفسار" کے بعد جس میں نہتے انسانوں کے جسم پر داغ لگانا، انھیں زدوکوب کرنا اور گولیوں کا نشانہ بنانا شامل ہے —— ہاں ان سب چیزوں کے بعد، جنگی قیدیوں کے ساتھ میثاق ہیگ کی دفعات اور پیراگرافوں کے حوالے سے "انسانیت" کے برتاؤ کی بات کرنا ناممکن ہے کچھ نمائندوں نے بڑی مستعدی سے ان کا حوالہ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد محض ان اصولوں کی میثاقوں کی واضح اور صاف دفعات کی، ان میثاقوں کے مفہوم اور اسپرٹ کی کھلّم کھلّا اور وحشیانہ خلاف ورزی کو چھپانا ہے

کوریا کے امریکی کیمپوں میں جنگی قیدیوں پر بہیمانہ تسلط کے حامیوں کے منھ سے یہ سننا حیرانی کی بات ہے کہ وہ میثاق جنیوا کے دائرے کے اندر ہی عمل پیرا ہیں۔ ان نمائندوں کی تقریریں حیران کن تھیں۔ جنھوں نے بڑے جذباتی اور ہیجانی انداز میں انسان کی "آزادی"

خواہش کی بات کی۔ جنھوں نے کہا کہ اس خاص معاملے میں ریاست "قانونی ضابطے" کے اندر ایک ناقابل تقسیم مسلمہ کی حیثیت سے بر سرِ عمل ہے۔ ایسی تقریریں حیران کن تھیں جن میں بڑی بڑی لمبی باتیں "مغربی فکر کی عظیم روایات" سے متعلق کی گئیں جو "انسانی شخصیت کے بلند تر تہذیب تمدن" کے اصولوں کو تسلیم کرتا ہے۔

ایسی تقریریں ایک خوف اور ہراس کا احساس بھی ابھارتی ہیں۔ اسی لئے کہ یہی تقریریں مشین گن کی گھن گرج سے ملا کر ایک دریا کی طرح اُمڈتی ہیں جن میں ان مرتے ہوئے انسانوں کی کراہ سُنائی دیتی ہے جو اِن ہی مقررین کی قصاب صفت ماتحتوں کی چیرہ دستیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

جبکہ جبریہ پوچھ گچھ، ایذا رسانی اور گولیوں کی بارش کے ساتھ ساتھ امریکی کیمپوں میں جاری تھیں۔ اس وقت ہم لوگوں نے جنگی قیدی کی شخصیت کے تقدس کے بارے میں ان مبلغوں کی آواز نہیں سُنی۔ یہ آواز اس وقت سُنائی دی جب کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں اذیت رسانی کا نفرت انگیز عمل ختم ہو گیا۔ ایسا نفرت انگیز عمل جس کا صاف مقصد یہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو اپنے ملک سے نفرت کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اور اس کے لئے ان کو مجرمانہ طور پر مقید کر کے رنگروٹ بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان خوفناک طریقوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ جو امریکی کمان نے اپنے مجرمانہ مقاصد کی حصولی کے لئے استعمال کئے۔ جب یہ مجرمانہ عمل مکمل ہو گیا تو امریکی کمان نے جو پن مون جان کی بات چیت کے دوران میں برابر اس بات چیت کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ فیصلہ کیا کہ اب ایک دوسرا خیال پیش کرنے کا وقت آ گیا ہے ـــــ اور وہ یہ کہ جنگی قیدی اپنے وطن واپس جانے سے انکار کرتے ہیں ـــــ اور اس طرح انھوں نے ایک ایسی رکاوٹ پیدا کر دی جو کوریا کے سوال کے ایک پُرامن حل کی ساری امیدوں کو آسانی سے ختم کر دے گی!

وفدوں کے ان دلائل کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں جو مقید انسان کی "آزادی" کے غلط نظریئے کی تردید کرتے ہیں خاص طور پر جو کوریا میں امریکی اسیری کے اندر انسان کی "آزادی" کے غلط نظریئے کی تردید کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں، انھوں نے دستاویزوں اور واقعات کو مسخ کرنے میں ذرا بھی جھجک سے کام نہیں لیا ہے۔

اس طرح پیرو اکے نمائندے نے جنھوں نے میرے ۱۹۰۷ء کے میثاق ہیگ کے

حوالے کو جنگی قیدیوں کی پیرول پہ رہائی اور وطن واپس جانے کے سلسلے میں سیری تصیح کرنا ضروری سمجھا یہ دعوے کیا کہ اس میں اس طرح کی کوئی پابندیاں نہیں درج تھیں، جن کا میں نے حوالہ دیا تھا۔

یہ بیان صرف یہ ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے یا تو میثاق ہیگ کا غور سے مطالعہ نہیں کیا ہے۔ یا اس کنونشن کے دفعہ ۱۰ کو انھوں نے اپنی خواہش کے مطابق بدل دیا ہے جو اس خاص سوال سے متعلق ہے اور جسے انھوں نے اپنے زاویہ نظر کے مطابق ڈھال لیا ہے انھوں نے جھوٹ موٹ انجان بننے کی کوشش کی ہے اور یہ ظاہر کرنا چاہا ہے کہ انھوں نے اس دفعہ میں وہ حصہ نہیں دیکھا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ جنگی قیدی صرف اسی صورت میں پیرول پر رہا کئے جا سکتے" ہیں۔ اور جیسا کہ دفعہ ۱۰ میں صاف طور پہ کہا گیا ہے کہ اگر متعلقہ ملکوں کے قوانین اس کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ الفاظ —— اگر متعلقہ ملکوں کے قوانین اجازت دیں —— صاف طور پہ بتاتے ہیں کہ متعلقہ ملک کی اجازت کے بغیر پیرول پہ اسیری سے رہائی نہیں مل سکتی۔ جیسا کہ میں صاف طور پہ اس سے پہلے کہہ چکا ہوں۔ ۱۸۶۳ء کی امریکی ہدایات میں درج ہے جس کے اصول کی پابندی امریکی قانون کے تحت آج تک لازمی ہے۔

میثاق ہیگ کو اس طرح مسخ کرنے کی آخر کیا وجہ ہے؟ وہی وجہ ہے جس کی بنا پر دوسرے نمائندوں نے اپنے بیانات میں ہیگ اور جنیوا کے میثاقوں کو مسخ کیا ہے۔

یہ سب امریکی حکمراں حلقوں کے اس طرز عمل کی حمائت کی کوشش کرنے کا نتیجہ ہے جو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال کو پن مون جان کی بات چیت کو ناکام بنانے کیلئے کوریا میں صلح کے امکان کو، اور کوریائی جنگ کے خاتمے کے امکان کو ختم کرنے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ نام نہاد جبریہ واپسی کے سوال پر کوریائی اور چینی کمان کا بہانہ بنا کر دراصل وہ اپنے جنگی قیدیوں کی جبریہ اسیری کے عمل پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس طرح شروع ہوا۔ اگر کوریا میں امریکی کیمپوں میں جنگی قیدیوں کی جبریہ اسیری سے کام نہ لیا جائے اگر جنگی قیدیوں کے جسم پر نشانات نہ لگائے جاتے۔ اگر ان بدنصیب انسانوں کو اذیت نہ پہنچائی جاتی۔ اگر ان لوگوں پر جو ہر طرح کی "اسکریننگ" اور "جرح" کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ مشین گنوں اور رائفلوں سے گولیاں نہ برسائی جاتیں تو پھر یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا کہ جنگی قیدی کو فیصلہ کرنے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ اور یہ کہ نام نہاد جبریہ واپسی ممنوع ہے۔ تو

پھراس طرح کے حالات بھی نہیں ہوتے، ایسے حالات جو انسان کی پوری تاریخ میں کبھی نہیں ہوئے۔ حالات جو تشدد اور انسانی اخلاقیات اور بین الاقوامی قانون کے اصولوں کی بھیانک خلاف ورزی سے، مجرمانہ خلاف ورزی سے پیدا ہوتے ہیں۔ خارجیت سے تھوڑی سی بھی مماثلت پیدا کرنے کے لئے وہ دونوں حالتوں میں طاقت کے استعمال کی ممانعت کی بات کرتے ہیں اور "آزادی خواہش" اور "آزادی" کا بدنام اور غلط رویہ پیش کرتے ہیں۔ وہ "آزادی" جو امریکی اسیری کے خوفناک اور بہیمانہ حالات کے اندر کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو میسر ہے۔

اس غلط "نظریئے" کا مقصد جو امریکہ، میکسیکو اور پیرو کی مسودہ تجویز کی پردہ داری کرتا ہے —— اس ناقابلِ انکار حقیقت کی تردید ہے کہ ایک سپاہی قید میں بھی ایک سپاہی ہی رہتا ہے کہ ایک افسر قید میں بھی ایک افسر ہی رہتا ہے —— اور یہ کہ جنگی قیدیوں کی حیثیت سے بھی وہ اپنے وطن سے حلفِ وفاداری کے پابند رہتے ہیں۔

کچھ نمائندوں نے ہمارے طرزِ عمل کو یہ کہہ کر چیلنج کیا ہے کہ جن اصولوں پر یہ مبنی ہے وہ اس اخلاقی اور نظریاتی نظام سے مطابقت نہیں رکھتے جن کو عام طور پر مغربی یورپ کے ممالک میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہم پہلے ہی یہ ثابت کر چکے ہیں اور جو کچھ ہم ثابت کر چکے ہیں اسے ابھی تک غلط ثابت نہیں کیا گیا ہے۔ جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال پر ہمارے حریفوں کا رویہ بہت واضح اور صاف طور پر بین الاقوامی قانون کے نظام کے عام طور پر مانے ہوئے اصولوں کی کھلی ہوئی تردید ہے۔ اور جن کا اظہار مغربی یورپ کی حکومتوں کے بین الاقوامی معاہدوں اور میثاقوں سے اور بین الاقوامی قانون کی سائنس سے ہوتا ہے۔

اب تک جو کچھ کہا جا چکا ہے اور جسے ہمارے حریف غلط ثابت نہیں کر سکے ہیں، اس کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس سوال پر بحث کو بار بار دہرایا جائے۔ لیکن ہمیں ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ اسیری کے اندر فوجیوں کے بارے میں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی طرح بھی اپنی ریاست کے ضابطوں کے پابند نہیں ہیں۔ ہاں اس سلسلے میں ہمارے حریفوں کا رویہ مثال کے طور پر، خود امریکہ کے اس دستور کا تضاد ہے جس کے تحت امریکی اپنے فوجیوں پر خاص "جی۔ آئی" کا نشان لگاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے "گورنمنٹ اشو" (فرزندِ حکومت) یا دوسرے الفاظ میں بنیادی طور پر سپاہی اپنی ریاست سے متعلق ہے۔ اور نتیجے کے طور پر اس کی

قسمت خود اس پر نہیں بلکہ جب تک کہ وہ فوجی ملازمت میں رہے، اس ریاست پر منحصر ہے جس سے وہ متعلق ہے۔

اور اب تہذیب و تمدن کی تبلیغ کرنے والے حضرات، آپ، جو سپاہی کو "گورنمنٹ ایشو" کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمارا یہ نقطۂ نظر کہ ایک سپاہی کی خواہش کو اپنی ریاست کی خواہش پر منحصر ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس نے اپنی ریاست سے ایک فوجی کی حیثیت سے حلفِ وفاداری اُٹھایا ہے۔ ان تہذیب و تمدن کے مبلغوں کے اخلاقی تصورسے میل نہیں کھاتا۔

میکسیکو مسودہ تجویز کی طرف جو ہمارا منفی طرزِ عمل رہا ہے اس کے بارے میں بھی ہم کہہ چکے ہیں۔ میکسیکو کے نمائندے نے اس کی مدافعت اور حمائت کی ہے اور جنھوں نے یہ بالکل غلط دعویٰ کیا ہے کہ اقوامِ متحدہ انصاف پر مبنی امن کو مستحکم کرنے کے لئے پہلے ہی قدم اٹھا چکی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کے اس غیر قانونی فیصلے کو جس میں شمالی کوریا کی سرکار پر اور چینی عوامی حکومت پر جارحانہ حملہ کا الزام رکھا گیا ہے۔ ایسا اقدام سمجھتے ہیں جس سے دنیا کا امن مستحکم ہوگا۔ اور جو انصاف پر مبنی ہے۔ لیکن آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ میکسیکو کے نمائندے نے ایک بار بھی ان بے شمار واقعات اور دستاویزوں کو نہیں جھٹلایا جن کو ہم جنرل اسمبلی کے پہلے اجلاس سے لیکر آج تک برابر پیش کرتے رہے ہیں۔ شروع ہی سے بلکہ اس وقت سے ہی جب کہ کوریا پر امریکہ کا جارحانہ حملہ شروع ہوا۔ اور جس کو اب تین سال ہو چکے ہیں ہم برابر انہیں یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کرتے رہے ہیں کہ کوریا میں یہ غیر منصفانہ اور خونی جنگ دراصل امریکہ کے حکمران حلقوں کی بھڑکائی ہوئی ہے جنھوں نے سنگمین ری کی فوجوں کو منظم کیا۔ اُنھیں ہتھیاروں سے لیس کیا۔ اور پھر شمالی کوریا کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھیجا اور پھر اس کے بعد جن کو امریکہ کی فوجوں کی کمک پہنچائی گئی۔ کیا وجہ ہے کہ میکسیکو کے نمائندوں نے شمالی اطلانتک بلاک کے جارحانہ گٹ کو جو اقوام متحدہ میں امریکہ کے گرد جمع ہو گئے ہیں اس شرمناک اور رسوا تجویز کے منظور کرنے سے باز رکھنے کے لئے اپنی ایک انگلی بھی نہیں اُٹھائی جس میں چینی عوامی حکومت کو "جارحانہ حملہ آور" کہا گیا ہے۔ اور ایسا اس حقیقت کے باوجود ہوا کہ یہ امریکہ ہی کی فوجیں ہیں جنھوں نے تیوان پر اپنا قبضہ جمالیا ہے جو چین کا غیر منفک حصہ ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ یہ امریکہ ہی کی فوجیں ہیں جو باقاعدہ چینی علاقوں پر ہوائی حملے کر رہی ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ امریکہ، جو چینی عوام کے خلاف اپنے جارحانہ فوجی حملے

کے منصوبوں کو پوری ہٹ دھرمی کے ساتھ عملی جامہ پہنا رہا تھا۔ کھلم کھلا جاپانی فوجوں کو چین پر حملے کے لئے منظم کر رہا ہے۔ اور جس کی تیاری ہو رہی ہے۔

جاپانی اخبارات اس بات کا کھلم کھلا اعتراف کرتے ہیں کہ جاپانی امریکیوں کے ساتھ مل کر کوریا کی جنگ میں حصہ لے رہے ہیں۔ جاپان کی وزارت خارجہ نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ ۱۷ نومبر کو اخبار " مین ای چی " نے یہ خبر شائع کی:۔ " وزارت خارجہ کے بین الاقوامی شعبہ امداد باہمی کے افسر اعلیٰ یوجیرو اوزیکی نے حال ہی میں امریکہ کی گیریسن فوجوں کے حکام اعلیٰ سے درخواست کی ہے کہ امریکہ کے فوجی حکام کو سرکاری اطلاع کے بغیر جاپانیوں کو کوریا کے محاذ پر لے جانے کی ممانعت کر دی جائے۔"

" مندرجہ بالا درخواست واقعاتی مواد کی بنیاد پر کی گئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جاپان پر قبضے کے دوران میں امریکہ کے فوجی حکام کے ہاتھوں جاپانی نجی طور پر کوریا لے جائے جاتے تھے۔ اور پھر یا تو وہ جنگ میں مارے جاتے تھے یا شمالی کوریا والے انہیں گرفتار کر لیتے تھے۔"

یہ اخبار یہ بھی اطلاع دیتا ہے کہ کوریا کے محاذ پر جاپانیوں کے گرفتار ہونے اور مارے جانے کی بہت سی وارداتیں ہوئی ہیں۔ اخبار کہتا ہے۔ " ان سارے واقعات میں امریکی اور جاپانی فوجوں کے حکام کے مابین کوئی سرکاری بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ خود جاپانی حکام ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ یہ ایسی کارگذاریاں تھیں جن کی ذمہ داری امریکی فوجوں کے حکام نہیں قبول کر سکتے تھے۔ بہر نوع آئندہ جاپانی حکومت جیسا کہ بتایا گیا ہے، ایسی واردات کو داخلے اور اخراج کے قانون کی خلاف ورزی کی حیثیت سے دیکھے گی۔"

میکسیکو کے نمائندوں کی طرف سے پیش کردہ مسودہ تجویز میثاق جنیوا کا حوالہ بھی دیتی ہے۔ لیکن غور سے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ میکسیکو کی مسودہ تجویز میں اس میثاق کے اصولوں اور خاص تصورات کا صحیح مفہوم اور اس کی صحیح اسپرٹ جگہ نہیں پا سکی ہے۔ میکسیکو کا وفد ایک بالکل غلط نتیجے پر پہنچا ہے کہ میثاق جنیوا کوئی قاطع اور آخری حکم کی حیثیت نہیں رکھتا۔ دوسرے الفاظ میں میکسیکو کے وفد کے خیال میں میثاق جنیوا سارے جنگی قیدیوں کی غیر مشروط واپسی کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ہر طرح کی ریشہ دوانیوں کے لئے راستہ کھلا چھوڑ دیتا

ہے۔ اور جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال پر آج امریکی کمان انہی ریشہ دوانیوں کے استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے کہ میکسیکو کی مسودہ تجویز میثاق جنیوا سے گہری مطابقت رکھتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ میکسیکو کا مسودہ اور اس کے ساتھ امریکی مسودہ اس بات سے شروع ہوتا ہے کہ اسیر کرنے والی قوت کو اس کا حق ہے کہ جنگی قیدیوں کی کتنی ہی بڑی تعداد کو اس بہانے سے روک رکھ سکتی ہے کہ وہ اپنے وطن واپس جانا نہیں چاہتے۔ چاہے اس میں کوئی شبہ نہ ہو کہ اگر اس طرح کے بیانات مان لیجئے کہ دیئے بھی گئے ہوں تو وہ اس بات کا نتیجہ ہیں کہ جنگی قیدیوں کے خلاف جبریہ اسکریننگ کا بیزار کن طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے اور اس حقیقت سے کوئی بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

خود اپنی متضاد باتوں سے عاجز آ کر میکسیکو کے وفد کے چیرمین کی سمجھ میں اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں آئی کہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے ان کی تشریح کرنے کی درخواست کی جائے۔ انھوں نے تجویز پیش کی کہ انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے دفعہ ۱۱۸ کی شرح پہلی کمیٹی میں بحث کی روشنی میں طلب کی جائے۔

انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس سے متعلق میکسیکو کے نمائندے کی اس رائے پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا جا سکتا۔ دفعہ ۱۱۸ اور ۱۹۴۹ء کے جنیوا کنونشن کی اور بہت سی دفعات خاص طور پر متعلقہ سوال پر کانفرنس کی روداد کے ریکارڈ سے متعلق ساری دفعات بالکل واضح ہیں اور ان کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کی مدد سے بغیر سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی — اور خاص طور پر اس صورت میں جبکہ یہ سوالات قانونی نوعیت کے نہیں بلکہ سیاسی نوعیت کے ہیں۔ اور اس لئے انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کے اختیارات سے باہر ہے۔ جس سے چارٹر کی دفعہ ۹۶ کے تحت جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کو صرف قانونی سوالات پر مشورہ اور رائے مانگنے کا حق ہے۔

اب میں ہندستان کے نمائندے کی طرف سے پیش کردہ مسودہ تجویز کو لوں گا۔

سب سے پہلے میں ہندستانی نمائندے مسٹر کرشن مینن کے بیان کو لوں گا جنھوں نے چند دن ہوئے پہلی کمیٹی میں اپنی طویل تقریر کا بیشتر حصہ اپنے مسودہ کی حمایت کے لئے وقف کیا تھا۔ انھوں نے کمیٹی میں تمام سنجیدہ طبیعت لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ان مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کریں جن کو عبور کرنا ہے۔ اس طرح انھوں نے یہ بات صاف کر دی کہ ہندستانی وفد کی

طرف سے پیش کردہ تجویزوں کا مقصد یہ ہے کہ ان مشکلات پر عبور حاصل کیا جائے اور یہ کہ فریقین جو مختلف نقطۂ نظر کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ ہو گئے ہیں۔ دراصل ان میں سے دونوں فریق، ان کے قول کے مطابق، صلح کی بات چیت کی تکمیل کے لئے خیر سگالی، گرم جوشی کے جذبات سے پُر ہیں۔

سوویت یونین کا وفد اس سوال کو اس طرح پیش کرنے کے طریقے سے اتفاق نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ یہ چیز حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتی۔ مذکورہ بالا باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ۲۱ وفدوں کی تجویزوں کے مصنفین اور شرکاء، مثال کے طور پر صلح کے معاہدے کی تکمیل کے لئے کوئی گرمجوشی نہیں دکھاتے اس لئے کہ ان کی تجویزیں صلح کی تکمیل کی تصدیق نہیں کرتیں بلکہ بالکل اس کے برخلاف ثبوت پیش کرتی ہیں۔ یعنی کوریا میں جنگ کو جاری رکھنے کی کوشش کی تصدیق کرتی ہیں۔

اس چیز کو نہ دیکھنا اسی وقت ممکن ہے جب ایک شخص اپنی آنکھیں ان حقیقتوں سے موڑ لے جن کا مقابلہ کرنے کی تاکید اور اصرار ہندوستانی نمائندے نے کیا ہے۔ انھوں نے امریکہ کے نمائندے کے بیان کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے، جیساکہ امریکی نمائندے نے کہا ہے کہ مداخلت کا مقصد پورا ہو چکا ہے اور اب صرف ملک کو متحد کرنے کا کام باقی ہے لیکن اس قسم کا بیان خود اپنے غلط ہونے کا غماز ہے۔ امریکہ کے حکمران حلقوں کا رویہ اور مجلس اقوام متحدہ میں ان کے وفد کا رویّہ، جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال پر اور مجموعی طور پر کوریا کے سوال پر ان کا پورا طرز عمل ذرا بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ جنگ کو ختم کرنے سے انھیں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ اس بربریت سے بھری ہوئی جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ جو امریکہ کے تیسری عالمگیر جنگ چھیڑنے والی دور رس منصوبہ بندی کے ایک عنصر ترکیبی کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہم پہلے ہی ان حالات کا حوالہ دے چکے ہیں اور ان واقعات کی مثال پیش کر چکے ہیں جو اس نکتے کی صحت وصفائی کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس کے بعد سے پہلی کمیٹی میں جو بحث ہوئی ہے اس نے اس دعوے کی اور زیادہ توثیق کر دی ہے۔ مثال کے طور پر ہم پہلی کمیٹی میں سنگمین ری کے دلال کی حالیہ تقریر کا حوالہ دے سکتے ہیں جس نے کھلم کھلا بے شرمی کے ساتھ کہا کہ کوریا کے نام نہاد وحدت کے لئے ضروری ہے کہ طاقت اور جبر کا

استعمال کیا جائے۔ ایک ایسی تقریر جو ظاہر ہے اس نے اپنے سرپرستوں کی پہلے ہی اجازت حاصل کئے بغیر نہیں کی ہوگی۔ اور خود امریکہ کے برسراقتدار حلقوں کے نمائندوں کے بیانات جو یہ کہتے ہیں کہ انھیں کوریا کے سوال کا فوجی حل نکالنا چاہیئے یعنی اس سوال کا حل طاقت سے جنگ کے میدان میں کرنا چاہیئے۔ اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں چھوڑتے کہ ان کے یہ بیانات کہ وہ کوریا کے سوال کے پُرامن حل کے لئے ہر وقت تیار ہیں ان کے اصلی ارادے اور نیت سے مختلف ہیں۔ ناقابل تردید واقعات یہی نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔

اس لئے یہ چیز ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ ہندوستانی نمائندے نے ان واقعات پر بحث سے یہ کہہ کر دامن بچایا ہے کہ یہ چیزیں مناسب مقام پر زیر بحث رہیں گی جن کا وقت آخرکار آئے گا۔ یہ مطالبہ کرتے ہوئے کہ کمیٹی کو اہم ترین سوالات پر اپنی کوششوں کو مرکوز رکھنا چاہیئے۔ مسٹر مینن نے کہا کہ اس وقت بحث جس منزل پر ہے اس میں انھیں اس بات کی ضرورت نہیں نظر آتی کہ ان واقعات پر بحث کی جائے۔

انھوں نے کہا کہ ایک وقت آئے گا جبکہ کوریا کے سوال کا حل صحیح اور مناسب آرگن کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور پھر اُسے ہی اس سوال کو طے کرنا ہوگا کہ کیا یہ واقعات اس سوال سے کوئی ربط رکھتے ہیں۔ وہ اچھی طرح ان واقعات کی جانچ کریں گے۔ اور اس وقت اس پر بحث کا صحیح موقع ہوگا۔

لیکن کیا جنرل اسمبلی ان واقعات پر بحث کرنے کے لئے مناسب جگہ نہیں ہے؟ کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ہم ان واقعات پر بحث کریں؟ کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا ہے کہ ان واقعات کا جائزہ لیں اور ان کا تعین کریں۔ اور ان کی بنیاد پر فیصلہ کریں جو مجلس اقوام متحدہ کے شایانِ شان ہو؟ کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا ہے ایک نامعلوم مدت کے لئے، اس وقت کے لئے جو شاید کبھی نہیں آئے گا۔ معرض التوا میں ڈالے بغیر فوراً ہی اس کا فیصلہ کیا جائے؟

ہندستانی نمائندے نے اپنی تقریر کا بڑا حصہ ان اصولوں کے بیان پر صرف کیا جن کی بنیاد پر کوریا کے سوال کا حل نکالنا ضروری ہے۔ انھوں نے کہا کہ اصول اکثر قانون کی حدود سے مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن کبھی یہ مطابقت نہیں رکھتا جو بہرحال اس اصول کی

سختی سے اطاعت کو ممنوع نہیں قرار دیتا۔ انھوں نے کہا کہ اصل کام اصول کو صدمہ پہنچائے بغیر دو مخالف نقطۂ نظر میں مفاہمت پیدا کرنا ہے۔

اگر مسٹر مینن اس صورت حال کو پہلے ہی سے صحیح ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوریا کے سوال کے حل کے اندر اصول قانون سے مطابقت نہیں رکھے گا۔ اور کچھ لوگ ایسا سوچتے ہیں۔ اور جیسا کہ ہندستانی نمائندے نے کہا ـــــ یہ اصول بین الاقوامی قانون سے مطابقت نہیں رکھے گا۔ تو پھر یہ سوال اُٹھتا ہے کہ وہ اصول جو خود بین الاقوامی قانون کا اصول نہیں ہوگا۔ آخر کس قسم کا اصول ہوگا؟ اس طرح ایک ایسا اصول ایجاد کیا جاتا ہے۔ جو بین الاقوامی قانون اور اس کے اصول سے مطابقت نہیں رکھتا۔ لیکن ایسی صورت میں بین الاقوامی قانون کے اصول کا کیا مقام ہوگا جس کی رہنمائی میں ہمارے لئے چلنا ضروری ہے اگر ہم بین الاقوامی قانون کے پابند ہیں۔

یہ صاف ہے کہ اس صورت حال کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ہر اُس شخص پر متعلقہ اصولوں کی پابندی ضروری ہے جو کسی بین الاقوامی مسئلے کے منصفانہ حل کے لئے کوشاں ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی دوسرے اصول ان کی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ مثال کے طور پر بین الاقوامی قانون کے اصول ہیں جو صرف اس لئے ہیں کہ ان اصولوں کی بنیاد پر رشتوں کو پابند، مربوط اور منضبط کریں جن کی ساری اہمیت اس بات میں ہے کہ یہ اہم مسائل کے صحیح اور منصفانہ حل کو یقینی بناتے ہیں۔ مسٹر مینن بالکل اس کی مخالف رعایتوں سے شروع کرتے ہیں جو اِن سنجیدہ طبیعت لوگوں کی بالکل فطری منطق سے مطابقت نہیں رکھتیں جن کو انھوں نے واقعات کا سامنا کرنے کی دعوت دی ہے۔ اور نہ ہم اس سے اتفاق کر سکتے ہیں کہ مختلف نقطہ ہائے نظر میں اصول کو صدمہ پہنچائے بغیر مفاہمت پیدا ہو سکتی ہے اگر ان میں ایک نقطۂ نظر خود بین الاقوامی قانون کے اصول کی ضد ہو۔ یہ طرز عمل اختیار کرنے سے یہ اندیشہ پیدا ہوتا ہے کہ اصول سے ہٹ کر کہیں بے اصولی کا رویہ نہ اختیار کر لیا جائے۔ یا ایک ایسے سمجھوتے کا رویہ بین الاقوامی قانون اور اہم اور عام طور پر مانے ہوئے اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہ چیز بے شک ہندستانی وفد کے نمائندے کے طرز عمل کا کمزور پہلو ہے۔

لیکن اگر ہم ہندوستانی نمائندے کے نقطۂ نظر کو مان بھی لیں اور اپنے ذمہ ایک

ایسا فارمولا تلاش کرنے کی ذمہ داری لے لیں کہ جس میں ایک معاہدے کے تمام حدود کے اندر دو مخالف نقطۂ نظر ایک دوسرے سے مل سکیں گے، تو اس زاویۂ نگاہ سے بھی ہندستانی تجویز کوئی تسلی بخش حل نہیں بتلاتی۔

بظاہر ہندستانی وفد نے ایک غلط منطق سے شروع کر کے اپنی مسودہ تجویز کی تمام تر توجہ مسودہ کے پیراعتہ میں مرتبہ سوال پر مرکوز کر دی ہے۔ جو ایک ایسے طرزِ عمل کا مظہر ہے جس سے ہم پہلے ہی اچھی طرح واقف ہیں۔ یہ طرزِ عمل اینگلو امریکی طرزِ عمل ہے جو کہ جنگی قیدیوں کے خلاف اپنے وطن واپس جانے سے باز رکھنے کے لئے اور ان کو وطن نہ جانے پر مجبور کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کرتا ہے ہندستانی مسودے کے مطابق اس کام کو جنگی قیدیوں کی واپسی کے کمیشن کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ اور ٹھیک یہیں پر میثاقِ جنیوا کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے۔

اس طرح ہندستانی وفد کی مسودہ تجویز میں میثاقِ جنیوا کے فیصلوں کی مدد سے جنگی قیدیوں کو واپس بھیجنے سے انکار کے امکان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بہرحال جیسا کہ خود ہندستانی وفد کے ذہن میں بھی صاف ہونا چاہیئے —— یہ چیز میثاق جنیوا کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے۔ مثلاً دفعہ ۱۱۸ جس میں جنگ کے ختم ہونے پر فوراً ہی جنگی قیدیوں کے فوراً رہا کرنے اور ان کو اپنے وطن واپس بھیجنے کے قانون میں کسی مستثنیات سے نہیں کام لیا گیا ہے۔ تو اس طرح یہ ظاہر ہوا کہ خاص طور پر اسی اصول کا اطلاق اب کسی طرح ایجاد کردہ اصول کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ جو ہندستانی تجویز میں درج ہو میں کمیٹی کو اس بات کی یاد دہانی کراؤں گا کہ یہ دفعہ اپنے اندر قطعیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی پابندی قید رکھنے والی حکومتوں پر پوری طرح اس حالت میں بھی کہ ان کے مابین جنگی قیدیوں کے سوالات پر کوئی مفاہمت اور معاہدہ نہ ہو عاید ہوتی ہے۔ اس دفعہ میں یہ بات بہت واضح طور پر پیش کی گئی ہے کہ اگر جنگی قیدیوں کی واپسی کے سلسلے میں اخراجات کے معاوضے کے دیئے جانے کا بھی معاہدہ ہو تو ایسی صورت میں بھی کوئی وجہ نہیں کہ اسے جنگی قیدیوں کی واپسی میں جو تاخیر ہو اُس کے جواز میں استعمال کیا جائے۔

اسی طرح ہندستانی تجویز میثاق کی دفعہ ع<u>۱۱۹</u> کے بھی خلاف ہے۔ جو دفعہ ع۱۱۸ کے ساتھ ساتھ یہ کہتی ہے کہ جنگی قیدیوں کی واپسی صرف اُسی صورت میں روکی جاسکتی

ہے۔ جب انھوں نے کوئی جرم کیا ہو۔ اور اس سلسلے میں ماخوذ ہوں یا اگر وہ سزا کی معیاد کاٹ رہے ہوں۔

دفعہ ۱۱۹ جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال پر اتنا قاطع ہے کہ وہ برسرِ جنگ فریقین پر پابندی عائد کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے کمیشن کی تشکیل کے لئے معاہدہ کریں کہ ملک میں منتشر جنگی قیدیوں کا پتہ چلایا جائے۔ اور ان کو جلد از جلد کم سے کم مدت میں اپنے وطن واپس بھیجا جائے۔ نتیجے کے طور پر وہ جنگی قیدی بھی جو ملک بھر میں منتشر ہیں۔ یا جو قید رکھنے والی طاقت کی نگرانی سے بچ نکلے ہیں۔ ان کی بھی تلاش کی جائے اور انھیں بھی دوسرے فریق کے حوالے کیا جائے۔

ہندستانی تجویز کے مسودہ میں ان چیزوں پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔

یہ بات صاف ہے کہ ایسے حالات میں ہندستان کی مسودہ تجویز کو مناسب نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس لئے کہ یہ تجویز پورے سوال کو اس سطح پر لاکر کھڑا کر دیتی ہے کہ کوریا میں برسرِ جنگ فریقین کے درمیان میں صرف ان ہی جنگی قیدیوں کا تبادلہ ہو جو رضاکارانہ طور پر اپنے وطن واپس جانے کی خواہش کا اظہار کریں۔ یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ امریکی اسیری کے حالات میں اس "رضاکارانہ" کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ جس میں بہیمانہ دَور قائم ہے جہاں جسم پر گدنے گودنے اور گولیاں برسانے کا طریقہ جاری ہے۔ ہندستان کی مسودہ تجویز کے مطابق قیدیوں کی واپسی کے کمیشن کی تشکیل امریکیوں کے ہاتھ میں ایک حربے کا کام کرے گی جو "رضاکارانہ" واپسی کے بہانے جنگی قیدیوں کے ایک حصے کو اپنی اسیری میں روک رکھیں گے۔ ایک ایسے کمیشن کا قیام سارے قیدیوں کی واپسی کو یقینی نہیں بنائے گا۔ جیسا کہ میثاق جنیوا کا تقاضا ہے اس کا مقصد ٹھیک اُلٹا ہو گا۔ ہندستانی مسودہ تجویز میں بار بار نام نہاد قیدیوں کی رضاکارانہ واپسی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ واپس کئے جانے والے قیدیوں کو جبریہ طور پر روک رکھنے کے طریقے کی پردہ پوشی کی جائے گی۔

ہندستانی نمائندے نے کہا کہ اگر کُشتی ہو رہی ہو تو اس میں فریقین کے حمائتی ضرور ہوں گے۔ کسی لڑائی میں فریق ہونا ضروری ہیں۔ یہاں پر "کُشتی" کا ذکر نا نامناسب اور بے ربط ہے اس لئے کہ جنگی قیدیوں کے تبادلے یا صلح کی تکمیل جیسے سوالات کسی طرح

بھی "کشتی" کا سوال بنا کر پیش کرنے اور محض برسرِ جنگ فریقین کی مدد سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ سوویت یونین کی مسودہ تجویز یہ بتاتی ہے کہ قیدیوں کی واپسی کے مسائل کوریا کے سوال کا پُرامن حل نکالنے والے کمیشن کے ہاتھوں طے ہونے چاہئیں۔ جس میں صرف براہِ راست متعلقہ فریقین ہی حصہ نہ لیں۔ بلکہ وہ بھی حصہ لیں جنھوں نے کوریا کی جنگ میں حصہ نہیں لیا ہو سوویت یونین نے اس سلسلے میں ٹھوس تجویزیں رکھیں جو دستاویز ۴۹ء میں درج ہیں۔ اور یہ تجویز پیش کی کہ یہ کمیشن امریکہ، برطانیہ، فرانس، سوویت یونین، چین کی عوامی ری پبلک ہندوستان، برما، سوئٹزرلینڈ، چیکوسلواکیہ، کوریا کی عوامی جمہوریہ اور جنوبی کوریا کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

یہ انصاف کی بات ہوگی۔ یہ کُشتی میں حصہ لینے والوں اور ان کے "حمائیتوں" کا معاملہ نہیں ہوگا۔ یہ صحیح معنوں میں ایک مستند اور حقیقی بین الاقوامی کمیشن ہوگا۔ جو مختلف نقطۂ نظر کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔ جو حقیقی مفاہمت پیدا کرے گا۔ اور جو محض چنتیوں کا کھیل نہیں بنے گا ـــــ جس میں ایک کڑی اس ہوشیاری سے کھینچی جائے کہ دوسرے ٹکڑے میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ ہو۔ یہاں چنتیوں کے کھیل کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہ ایک اہم معاملہ ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ سوویت وفد کی تجاویز سے ظاہر ہے اس کمیشن کے دائرۂ عمل کو صرف قیدیوں کے تبادلے کے مسائل تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔

کمیشن کو کوریا کے پورے سوال کا حل نکالنے کے لئے ایسی کارروائی اور ضابطے تیار کرنا چاہیئے جن کی مدد سے خود کوریا کے باشندے ہی مذکورہ بالا کمیشن کی نگرانی میں کوریا کو متحد کریں۔ ایسے ضابطے جن سے جنگی قیدیوں کے تبادلے میں دونوں فریقوں کو انتہائی مدد ملے۔

اس لیئے ہندستانی وفد کی پیش کردہ مسودہ تجویز بھی جو قیدیوں کے تبادلے کے عمل کو اس طرح محدود کرتی ہے جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے۔ اور دوسرے تمام مسائل کو نظر انداز کرتی ہے۔ غیر تشفی بخش ہے۔

اسی طرح ہمارے خیال میں ہندستانی وفد کی یہ تجویز بھی غیر تشفی بخش ہے کہ چار آدمیوں پر مشتمل کمیشن میں ایک ثالث کو جو کمیشن کے چیرمین کی حیثیت سے عمل پیرا ہوگا۔ ایک فیصلہ کن ووٹ کا حق دیدیا جائے۔ اس کے علاوہ کمیشن کی پہلی میٹنگ کے بعد اگر تین ہفتے تک ایک ثالث کے

انتخاب پر مفاہمت نہ ہو سکے۔ تو پھر اس سوال کو طے کرنے کیلئے جنرل اسمبلی کے سپرد کر دینا چاہیئے۔

اس سلسلے میں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ ہندستانی تجویز ہم قبول نہیں کر سکتے کہ، ان جنگی قیدیوں کو چھوڑ کر جو رضا کارانہ طور پر اپنے وطن واپس جانے پر آمادہ ہیں۔ باقی سارے جنگی قیدیوں کو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے کمیشن کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ جس میں ثالث کا فریضہ، ہندستانی وفد کی تجویز کے مطابق، اقوامِ متحدہ کے سپرد ہوگا۔ جو خود برسرِ جنگ فریق ہے جیسا کہ ہندستان کے نمائندے مسٹر کرشن مینن نے بھی یہاں پر کہا ہے۔

ہمارے لئے ناقابلِ یقین صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔ جب ایک برسرِ جنگ فریق سے اور وہ فریق خود "اقوام متحدہ ہے" —— اور ہم سے دن رات، ہر تقریر میں بار بار اس کے بارے میں کہا جاتا ہے —— ہاں جب ایسی "اقوام متحدہ سے" یا یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس تنظیم کے ایک حصے سے، جو پوری تنظیم کے نام پر سرگرمِ عمل ہے۔ خود اپنے معاملے میں ایک مصنف کا فریضہ انجام دینے کے لئے کہا جاتا ہے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ یہ کس قسم کی صورتِ حال ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس سوال پر یہ ایک منصفانہ فیصلہ ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ میثاق جنیوا کی اسپرٹ اور اصولوں سے مطابقت رکھتا ہے کیا یہ صحیح ہے؛

ہندستان کی مسودہ تجویز کا تجزیہ کیا جائے تو یہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ مسودہ اسی تصور سے شروع ہوتا ہے کہ امریکی کمان کو جنگی قیدیوں کے ایک حصے کو روک رکھنے کا حق ہے وہ امریکی کمان جس نے مقید اور مجبور کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے خلاف جبر کا طریقہ استعمال کیا تاکہ وہ واپسیٔ وطن سے انکار پر مجبور ہو جائیں۔

مسٹر مینن نے کہا کہ جنگی قیدیوں کے خلاف طاقت کا استعمال نہیں ہونا چاہیئے....."

اس بیان کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ یہ میثاق کی بنیاد ہے۔ مسٹر مینن کے قول کے مطابق جنگی قیدیوں سے متعلق بین الاقوامی قانون کے اطلاق کی بنیاد یہ ہے کہ میثاق کے ضابطوں کے مطابق تادیبی کارروائیوں کو چھوڑ کر جنگی قیدیوں کے خلاف طاقت استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے —— اور اس کی طرف پھر توجہ مبذول کرانا چاہیئے — کہ کئی مہینوں سے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے امریکی کیمپوں میں مسلسل دن رات، باقاعدہ اور

وہ بھی انتہائی بہیمانہ شکل میں طاقت کا استعمال کیا جارہا ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہزاروں جنگی قیدی امریکی کمان کے ہاتھوں پہلے ہی بربریت اور بہیمانہ نظر بندی کا شکار ہو چکے ہیں تاکہ ان سے واپسی سے انکار حاصل کیا جا سکے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ کوجے، اچے جو اور دوسرے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے امریکی کیمپوں میں، جنگی قیدیوں نے امریکی کمان کی اس طرزِ عمل کا بہادرانہ اور جانفروشانہ مقابلہ کیا ہے۔ جو اِن کو ترکِ وطن پر مجبور کرنے کے لئے اپنایا جارہا ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ساری دنیا کی آنکھوں کے سامنے ان جنگی قیدیوں نے مزاحمانہ مقابلے کی قیمت سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اُتر کر اور مجروح ہو کر دی؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ امریکی کمان ایک ہزار سے زیادہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار چکی ہے۔ اور آئندہ بھی اس مجرمانہ اور بہیمانہ رویے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتی ہے؟ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اسی طرح امریکیوں نے خود میثاق جینوا کو بھی گولیوں کا نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے جس کا حوالہ امریکہ کے نمائندے اور ان کے رفیق یہاں اپنی تقریروں اور بیانوں میں بڑے رنج و غم کے ساتھ دیتے ہیں؟ لیکن اس کا حوالہ انھوں نے اپنی اس مسودہ تجویز میں دینے کی جرأت نہیں کی جس پر ۲۱ وفدوں کے دستخط ہیں جیسے اس قسم کے کسی میثاق کا وجود ہی نہیں ہے۔ جیسے اس میثاق کی طرف سے امریکہ اور ان کے دوستوں پر عاید ہونے والی پابندیوں کا کوئی وجود ہی نہیں! ان حالات میں رضا کارانہ واپسی کا مطالبہ پیش کرنے کا جیسا کہ ۲۱ وفدوں کی مسودہ تجویز میں، میکسیکو اور پیرو کی تجویز میں اور ساتھ ہی ہندستان کی مسودہ تجویز میں کیا گیا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ اپنے وطن سے دُور جنگی قیدیوں کی جبریہ اسیری پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی جائے۔

ہندستانی وفد کو اس صورتِ حالات اور واقعات کا جائزہ لینا چاہیئے تھا، جو پیدا ہو گئے ہیں تاکہ وہ رضا کارانہ واپسی جیسے غلط الفاظ کے استعمال سے باز رہ سکتا جو جنگی قیدیوں کو اپنے وطن واپس جانے سے جبریہ طور پر باز رکھنے کا پردہ ہے۔

ہندستان کی مسودہ تجویز یہ بھی کہتی ہے کہ جنگی قیدیوں کے خلاف تشدد کی، ان کے وقار کی توہین یا ان کی خودداری کے احساس کی توہین کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ان ساری باتوں کی کسی شکل میں اور کسی بھی مقصد کے لئے اجازت

نہیں دی جاسکتی ۔ لیکن ان گنت واقعات ثابت کرتے ہیں ـــــ ہم اور دوسرے وفدوں کے نمائندے اس کی طرف اشارہ کر چکے ہیں ـــــ کہ امریکی کیمپوں میں جنگی قیدیوں کے خلاف ایسی وحشیانہ مشق ستم اور جنگی قیدیوں کے وقار اور احساسِ خودی کی نامہذبانہ توہین کا سلسلہ باقاعدہ جاری ہے ۔ یہ چیز اور بھی اس ضرورت کا احساس پیدا کرتی ہے کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو ان موت کے کیمپوں سے جلد از جلد نجات دلانے کے قدم اُٹھائے جائیں اور ان کو بغیر کسی تاخیر کے اپنے وطن واپس بھیج دیا جائے ۔ جیسا کہ عام طور پر ملنے ہوئے بین الاقوامی قانون کے اصولوں اور میثاق جنیوا میں درج اہم ترین فیصلوں کا تقاضا ہے اور جس پر امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے نمائندوں اور دوسری طاقتوں کے نمائندوں کے دستخط ہیں ۔

مسٹر مینن نے کہا کہ سپاہی کو جنگ میں مارنا تو جائز ہے لیکن اسیری کے دوران میں اس کی روح یا ضمیر کو توڑنا جائز نہیں ۔

لیکن امریکی کمان نام نہاد " اسکریننگ " کے دوران میں سوالات کے ذریعے ان کو واپسیٔ وطن سے انکار پر مجبور کرکے اور ان پر ہر طرح کا دباؤ ڈال کر اور نہ ماننے والے جنگی قیدیوں کے خلاف بہیمانہ سلوک کرکے اور ان کے خلاف ہتھیار استعمال کرکے، خاص طور پر ان کی روح یا ضمیر ہی کو تو مارنا چاہتی ہے ۔

کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے امریکی کیمپوں میں قائم شدہ نظام کا، جو اپنی بربریت کی وجہ سے کافی بدنام ہے، مقصد ہی یہ ہے کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی روح اور ضمیر کو کچل دیا جائے ـــــ ان مظالم کی تصدیق کولسن اور ڈوڈ جیسے امریکی فوجی حکام کے نمائندوں اور نام نہاد انٹرنیشنل ریڈکراس کمیٹی کے اعتراف سے بھی ہو چکی ہے ۔

خاص طور پر ان حالات میں ہر ایسی چیز کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو میثاق جنیوا کے تقاضوں کی باقاعدہ تعمیل اور جنگی قیدیوں کو جلد از جلد وطن بھیجنے کے بجائے امریکی کیمپوں میں کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو روک رکھنے میں مدد پہنچاتی ہے

ہندستان کی مسودہ تجویز میں جنگی قیدیوں کی درجہ بندی کے بارے میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر مینن نے کہا کہ پن مون جان میں صلح کی بات چیت کی عام رفتار کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے ۔ اس سلسلے میں کوئی مشکلات نہیں پیدا ہوئیں ۔ یہ بیان اتنا اہم ہے کہ میں مسٹر

مینن کی تقریر کے اس حصے کو پوری طرح دہرانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے کہا چونکہ ان قیدیوں نے ایک ایسی جنگ میں حصہ لیا ہے جس میں دونوں فریق ایک ہی ملک کے شہری ہیں اس لئے یہ طے کرنا بہت مشکل ہے کہ ایک خاص آدمی وطن واپس کیا جائے۔ یا وہ اپنے وطن میں موجود ہے۔ چینیوں اور کوریائیوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے اور دونوں فریقوں میں اس پر اختلاف نہیں ہے۔ قیدیوں کی اس طرح کی درجہ بندی کہ وہ کوریائی ہیں یا چینی، وہ شمالی کوریا کے ہیں یا جنوبی کوریا کے۔ اور ان کا وطن کیا ہے۔ یہ سب اسی طرح مسٹر مینن کے قول کے مطابق خالصاً ٹیکنیکل مسائل ہیں۔

یقینی اس کو ایک ٹیکنیکل مسئلہ سمجھنا قطعی طور پر غلط ہے۔ آخر ہم اس سے کس نتیجے پر پہنچیں گے اگر ایسے اہم اور گہرے سیاسی سوال کو ہم خالصاً ٹیکنیکل مسئلہ سمجھنے لگیں گے؟ اس کے علاوہ یہ کہنا کہ صلح کی بات چیت کی رفتار دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے اس سوال نے مشکلات پیدا نہیں کیں اور بہ انجام کار سب اس سے متفق ہو گئے جن میں کوریائی اور چینی بھی شامل ہیں، واقعات کے مطابق نہیں ہے۔

اس سوال پر کوریائی اور چینی فریق کی پوزیشن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے میں جو کچھ اپنے ۱۰ اکتوبر کے بیان میں کہہ چکا ہوں اس کے علاوہ، مزید میں دوبارہ کمیٹی کو اس بیان کی یاددہانی کرانا چاہتا ہوں جو پن مون جان کی بات چیت میں کوریائی وفد کے نمائندہ اعلیٰ نے دیا ہے۔

"ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جب صلح کے معاہدے پر عمل درآمد شروع ہوگا تو دونوں فریق کے جنگی قیدی غیر فوجی علاقے میں بھیج دئے جائیں گے جہاں دونوں فریقوں میں ایک مقامِ تبادلہ طے ہو گیا اور پھر دونوں طرف کے قیدی ایک جانب سے دوسری جانب دئے جائیں گے۔

"اس کے بعد دونوں طرف کے ریڈ کراس سوسائٹی کے ملے جلے گروہ جنگی قیدیوں کا معائنہ کریں گے اور پھر انہیں اپنے اپنے وطن جانے اور پُر امن زندگی گذارنے کی ضمانت ملے گی۔ اور اس بات کی بھی ضمانت دی جائے گی کہ وہ پھر دوبارہ کوریائی جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔

"تب جنگی قیدیوں کی درجہ بندی قومیت اور بود وباش کی بنا پر کی جائے گی۔

جس کی بنیاد درجہ بندی کا وہ اصول ہوگا جو ہماری ۱۸ جولائی ۱۹۵۲ء کی تجویز میں دیا ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ چینی رضاکاروں اور اقوام متحدہ کی فوجوں میں سے جو جنگی قیدی ہوں۔ انہیں رہا کر دیا جائے اور اپنے وطن بھیج دیا جائے۔ اور کوریا کی عوامی فوج میں سے جو جنگی قیدی ہیں جن کے گھر شمالی کوریا میں ہیں۔ ان سب کو واپس کر دینا چاہیئے اور اپنے گھر بھیج دینا چاہیئے اور اگر ان کے گھر جنوبی کوریا میں ہیں تو انھیں جنوبی کوریا میں بھیج دینا چاہیئے۔ اور جنوبی کوریا کی فوج میں سے جو جنگی قیدی ہیں انھیں اپنے گھر واپس بھیج دینا چاہیئے اور اگر ان کے گھر شمالی کوریا میں ہیں تو شمالی کوریا بھیج دینا چاہیئے۔

"یہ کام ـــــ معائنہ، درجہ بندی اور واپسی ـــــ ایک غیر جانبدار معائنہ کرنے والے گروہ کے زیرِ نگرانی ہونا چاہیئے۔

"مندرجہ بالا مسودہ میثاق جنیوا اور صلح کے معاہدے کے مطابق ہونے کے علاوہ آپ کی رائے کی بھی ترجمانی کرتا ہے۔ کہ جنگی قیدیوں کو غیر فوجی علاقے میں بھیج کر تبادلہ کیا جائے۔ یہ حقیقت میں جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال کو حل کرنے کا سب سے زیادہ مناسب اور صحیح طریقہ ہے جو صلح کے معاہدے میں واحد سوال ہے جو طے نہیں ہوا ہے۔"

اگر آپ بغیر کسی تاخیر کے اس مسودے سے اتفاق کریں تو آپ کا یہ طرزِ عمل ساری دُنیا کے عوام جن میں خود امریکہ کے عوام بھی شامل ہیں، امن حاصل کرنے اور کوریا کی جنگ کو جلد از جلد ختم کرنے کی خواہش کو پورا کرے گا۔"

یہ ہے کوریائی اور چینی فریق کے نمائندۂ اعلیٰ نام اِل کا بیان۔ کیا ان کے بیان کی بنا پر وہ سب کچھ کہنا مناسب ہے جو کچھ ہم نے یہاں ہندستانی وفد کے محترم نمائندے کی تقریر میں سُنا ہے۔ اگر سارے جنگی قیدیوں کی واپسی اور ان کے گھر واپس جانے کے مناسب، منطقی اور منصفانہ تجویز کو، ایسی تجویز کو جو بین الاقوامی قانون کے عام طور پر تسلیم شدہ اصولوں پر مبنی ہے۔ مان لیا جاتا تو کوئی مشکلات حائل نہیں ہوتیں۔ لیکن اس کے بارے میں ہندستانی وفد کی مسودہ تجویز میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ اور جو کچھ کہا گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس خاص نظریئے سے مطابقت نہیں رکھتا جس کے پابند شمالی کوریائی اور چینی فریق پن موں جان کی بات چیت کے دوران میں رہے ہیں۔

جہاں تک کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی درجہ بندی اور واپسی کا تعلق ہے۔

حقیقت دراصل یہ ہے۔

مسٹر نام اِل نے اپنے بیان میں جو کچھ کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے سوال کا کردار کسی طرح وہ نہیں جو اس کو مصنوعی طور پر دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور اس مقصد کے لئے ان کے بیان سے سارے قیدیوں کی غیر مشروط رہائی اور واپسی کے اصول کو تسلیم کرنے کے متعلق اہم ترین حصوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ ہندستان کے نمائندے نے اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرتے وقت اہم ترین اور سب سے زیادہ لازمی عنصر سے دامن بچا لیا جو درجہ بندی کے سوال پر کوریائی اور چینی کمان کی پوزیشن کو ممیز کرتا ہے۔ اور اس پوزیشن میں اس اہم ترین عنصر سے بھی چشم پوشی کی ہے جو کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے پورے طور پر اور عام رہائی کے غیر مشروط اور قطعی مطالبے پر مبنی ہے۔ اپنے نقطۂ نظر کو تقویت پہنچانے کے لئے مسٹر مینن نے اپنی مسودہ تجویز کے دوسرے پیرے کا حوالہ دیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ درجہ بندی کے بعد جنگی قیدیوں کو اپنے وطن واپس جانے کا حق پہنچتا ہے اور ان کی جلد از جلد واپسی میں تمام متعلقہ فریقین کی طرف سے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں گی۔

جہاں تک امریکہ کے نمائندے کے اس بیان کا تعلق ہے کہ کوئی بھی جنگی قیدیوں کو روکنا نہیں چاہتا۔ یعنی اگر وہ گھر جانا چاہیں تو جائیں۔ ہم نے ایسی ان گنت مثالیں دیکھ لی ہیں۔ جن میں امریکی کمان کو ریائی اور چینی جنگی قیدیوں کو اپنے ممالک واپس بھیجنے کی آسانی بہم پہنچانے کی مستعدی دکھائی ہے۔

ہندستانی نمائندے نے اس صورتِ حال کی خوش آئند تصویر پیش کی ہے جس میں کوریائی اور چینی جنگی قیدی اپنے آپ کو نام نہاد غیر فوجی علاقے میں پہنچ کر پائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ ایک جنگی قیدی خود آئے گا اور جو کچھ وہ جاننا چاہتا ہے پوچھے گا۔ دوسرے لوگ جنگی قیدی کو اس کی واپسی کے بارے میں ہر سوال کا جواب دیں گے۔ اس سے قطع نظر کہ اس کا سوال کیا ہے۔

لیکن مسٹر مینن نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ جنگی قیدی اس علاقے میں خوفناک امریکی اذیت رسانی سے گذر کر آئیں گے۔ وہ یہاں امریکہ کی جبریہ اسکریننگ کی بھیانک اذیتوں کا مزا چکھنے کے بعد پہنچیں گے۔ وہ پورے طور پر اس طریقے کے اثر سے منحرف ذہنیت کے ساتھ

آئیں گے۔ وہ خوف وہراس اور دہشتوں سے بھرے ہوئے آئیں گے جو اس مرحلے سے گذرتے ہوئے ان کے اندر پیدا کر دئے جائیں گے۔ حقیقت میں وہ اس امکان سے محروم وہاں آئیں گے کہ وہ وہاں پہنچ کر کچھ سوال کریں اور انھیں اس کے جواب کی توقع ہو۔

ان واقعات کی روشنی میں ان دعووں کی غلط نوعیت پورے طور پر بے نقاب ہوجاتی ہے کہ ہندستانی وفد کی مسودہ تجویز میثاق جنیوا کے اصولوں سے مطابقت رکھتی ہے۔ اور کوریا کے سوال کا پُرامن حل پیش کرتی ہے۔ حقیقت میں ہندستانی مسودہ تجویز کا مقصد جنگ کو جاری رکھنا ہے، اسے ختم کرنا نہیں۔

جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ بات کافی واضح ہوجاتی ہے کہ ہندستان کی مسودہ تجویز غیر تشفی بخش ہے اور اس لئے ناقابل قبول ہے۔

یہ خبر بھی اہم ہے کہ مسٹر ایڈن ہندستان کی مسودہ تجویز کو موافقت کے ساتھ دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تجویز اصولوں کے ان چار نکتوں پر مشتمل ہے جو انھوں نے اپنی ۲۰ر نومبر کی تقریر میں پیش کئے تھے یہ چار نکتے مسٹر ایڈن کے خیال کے مطابق اصولی اہمیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے ان نکتوں کو بنیادی نکتوں کی حیثیت دی ہے اور کہا ہے کہ یہ ان طریقۂ عمل کو جانچنے کی بنیاد بن سکتی ہے جو ان اصولوں کی تعمیل کے ضامن ہوں۔ مسٹر ایڈن نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ ہندستان کی مسودہ تجویز کے خاص خاص نکتوں سے پورا اتفاق کرتے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے انھوں نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ ہندستانی وفد کے ساتھ دوسرے سوالات پر بھی مفاہمت ممکن ہوگی اور اس کے لئے بس یہاں وہاں ذرا تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے جنگی قیدیوں کے سوال پر برطانیہ اور ہندستان کے نقطۂ نظر کا مکمل اتفاق موجود ہے۔ لیکن امریکہ اب تک خاموش ہے، لیکن شاید ہم آج امریکہ کے نمائندے کی آواز سنیں گے۔ ہم ابھی سے اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ امریکی پریس کی اس چیخ پکار کے باوجود نیا رویہ اختیار کریں گے۔ جو یقینی بغیر کسی ترغیب اور اشتعال کے رُونما نہیں ہوئی ہے۔ مسٹر ایڈن نے ہندستانی وفد کی مسودہ تجویز کو موجودہ تعطل کو توڑنے کے لئے ایک بروقت اور تعمیری اقدام اور کوشش کہا ہے۔ لیکن یہی بات ۲۱ وفدوں کی طرف سے پیش کردہ تجویز کے بارے میں، امریکی تجویز کے بارے میں بھی اس کے نمائندے کہہ سکتے تھے اور جیسا کہ انھوں نے اپنی تقریروں میں یہی بات کہی

بھی تھی۔ ہندستان وفد کی مسودہ تجویز پھر کس بات میں امریکی مسودہ تجویز سے مختلف ہے؟ کیا دونوں مختلف تجویزیں ہیں؟ کیا وہ واقعی مختلف ہیں؟

حقیقت میں ہندستانی وفد کی طرف سے پیش کردہ مسودہ تجویز کسی طرح بھی تعطل اور رکاوٹ کو ختم کرنے کی تعمیری کوشش نہیں ہے۔ اس میں اینگلو امریکن بلاک کی تخلیق کردہ ناقابل حل مشکل سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ جیساکہ اس کی مسودہ تجویز سے نتیجہ نکلتا ہے۔ ہندستانی وفد نے ایک ایسا راستہ اپنایا ہے جسے پن مون جان کی بات چیت میں پیدا ہو جانے والی مشکل پر عبور حاصل کرنے کے امکان سے کوئی ہم آہنگی نہیں۔ نہ یہ جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال کو انصاف اور بین الاقوامی قانون کے عام طور پر تسلیم شدہ دستور کے اصولوں کے مطابق طے کرنے کی کوششوں کے امکان سے ہم آہنگ ہے۔ امریکی مسودے کی طرح، جو ۲۱ وفدوں کی مسودہ تجویز کی حیثیت یہاں پر ہمارے سامنے ہے۔ اور ساتھ ہی میکسیکو اور پیرو کے مسودوں کی طرح، یہ تجویز بھی کوئی حل کا راستہ نہیں دکھاتی۔ اور نہ ہی یہ جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سوال کو حل کرتی ہے۔

ہندستانی وفد کی طرف سے پیش کردہ مسودہ تجویز کا ذکر کرتے ہوئے ایک شخص اس چیز کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ یہ مسودہ ایک کارآمد مسودہ نہیں ہے۔ اول تو اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی بات درج نہیں ہے جو کوریا میں خونریزی کو فوراً ختم کرائے اور دوسرے اس لئے کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا مقصد جنگ کو جاری رکھنا ہے۔ کوشش کیجئے اور ایک لفظ بھی اس مسودے میں ایسا نکال دیجئے جس میں کوریا کی جنگ کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنفین کے دماغ میں ایسا کوئی خیال نہیں ہے اور وہ کوئی ایسا مطالبہ نہیں کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کوریا میں جنگ کو ختم کرنے کے لئے کوشاں نہیں ہیں۔ صرف تمہید میں اور وہ بھی بہت ہی عمومی پیرائے میں ہندستانی مسودہ تجویز میں کہا گیا ہے کہ پن مون جان کی بات چیت کا فرض یہ تھا کہ کوریا میں جنگ و جدل کو بند کیا جائے۔ اور بس! ہندستانی مسودہ تجویز میں کوریا میں جنگ و جدل کو بند کرنے کی کوئی تجویز نہیں ہے۔ ایسی تجاویز ۲۱ وفدوں کی مسودہ تجویز اور میکسیکو اور پیرو کے مسودوں میں بھی موجود نہیں ہیں۔ یہ چیز اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ اس اہم سوال پر ان کے درمیان کوئی چیز مشترک ہے۔

موجودہ نشست اور پچھلی نشستوں میں بھی سوویت یونین نے شروع سے کوریا میں التوائے جنگ اور کوریا کے سوال کے پُرامن حل کے لئے اقدامات کی جانچ کرانے پر اصرار کیا ہے ــــ اور اس بات پر اصرار کیا ہے کہ اقوام متحدہ کا خاص اور بنیادی فریضہ یہی ہے۔

چھٹی نشست میں سوویت یونین کے وفد نے ایسی تجویزیں پیش کیں جو بہرحال منظور نہیں ہوئیں۔

موجودہ نشست میں سوویت وفد نے ثابت قدمی اور پورے خلوص کے ساتھ پولینڈ کی تجویز کی حمایت کی ہے۔ جس میں جنگ و جدل کے فوری التوا کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ اس سوال کی جانچ کا ہمارا پُراصرار مطالبہ امریکہ اور اس کے حمائیتوں کے دباؤ سے مسترد کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ کمیٹی میں کوریا کے سوال پر بحث کے آغاز میں ہی سوویت وفد نے کوریا کے حالات میں پُرامن ربط و نظام قائم کرنے کے لئے تجاویز پیش کیں۔ اور اس بات کی تجویز بھی پیش کہ ایک کمیشن کا قیام عمل میں لایا جائے جس کے سپرد صرف یہ کام نہ ہو کہ جنگی قیدیوں کی واپسی میں آسانیاں اور مدد پہنچائے بلکہ اس کا کام یہ بھی ہو کہ وہ ایسے تمام سوالات کو بھی طے کرے جن کا تعلق پُرامن مفاہمت اور کوریا کو متحد کرنے کی اسپرٹ سے ہو جو خود کوریا کے باشندے اس کمیشن کے زیرِ نگرانی عمل میں لائیں گے۔

ہم نے مطالبہ کیا کہ شمالی کوریا کی حکومت کے نمائندے کو یہاں آنے کی دعوت دی جائے اس لئے کہ ان کی موجودگی کے بغیر ان سوالات پر بحث کرنا ہی ناممکن ہے اور ان کا حل کرنا تو اور بھی ناممکن ہے۔ لوگوں کو اپنے آپ کو اریوپےگس (ایتھنس کی ایک پہاڑی جس پر اعلیٰ ترین عدالت ہوتی تھی) کی قسم کی چیز نہیں بننا چاہیئے۔ ایک سپریم کورٹ کی قسم کی چیز، اور وہ بھی ایسی حالت میں جبکہ وہ خود ہی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اس معاملے میں وہ ایک متعلقہ فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرات ــــ اس سے کوئی کارآمد نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے۔ اس کمیشن سے اس کی بھی توقع کی جاتی تھی کہ یہ دونوں طرف سے جنگی قیدیوں کی واپسی میں ہر طرح کی مدد پہنچائے گا۔ ان تجاویز میں سب سے پہلی جگہ اس تجویز کو دی گئی تھی کہ جنرل اسمبلی کوریا میں برسرِ جنگ فریقوں سے زمین پر، سمندر میں، اور ہوا میں، تمام فوجی اقدامات کو فوراً روک دینے کی سفارش کرے۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ "التوائے جنگ اور صلح کی ٹھوس شرائط" سے متعلق خاص

دفعہ ۱۲ اس مسودہ معاہدے کے اس سوال کے لئے وقف ہے جس پر پن مون جان میں برسرجنگ فریقین متفق ہو چکے ہیں۔ اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ دونوں فریق کے کماندار ایک فرمان جاری کریں جس کے ذریعے کوریا میں تمام فوجی اقدامات کو روک دیا جائے۔ جس میں ان کی کمان کے اندر زمین، بحری اور ہوائی فوجوں کے تمام دستے اور حکام شامل ہوں۔ یہ ایک ایسا فرمان ہو جس پر صلح نامے کے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد بارہ گھنٹے کے اندر عمل درآمد شروع ہو جائے۔ جس کے ماتحت مندرجہ بالا فرمان پر عمل لازمی اور یقینی ہو جائے۔

ہماری تجویزیں جن کا خاص مقصد یہی ہوتا ہے باقاعدہ مسترد کر دی جاتی ہیں۔ کیا یہ چیز ہمیں یہ کہنے کا حق نہیں دیتی کہ وہ لوگ جو ہماری تجویزوں کو مسترد کرتے ہیں التوائے جنگ نہیں چاہتے؟

پہلی کمیٹی میں جو بحث ہوئی ہے وہ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس کا خاص طور پر اطلاق امریکہ، برطانیہ اور کوریا کی جنگ میں دوسرے شرکار کی تقریروں پر ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف مفاہمت سے دامن بچاتے ہیں بلکہ کوریا میں التوائے جنگ وجدل جیسے حد درجہ اہم سوال پر بحث بھی نہیں کرنا چاہتے۔ جنرل اسمبلی کے اس موجودہ اجلاس میں جو بحث ہو رہی ہے اس کے پردے میں کوریا میں جو کچھ ہو رہا ہے —— کوریا کے علاقے میں ڈاکوؤں کی طرح مسلسل اور غیر مختتم ہوائی حملوں کا سلسلہ، جس کی وجہ سے شہر اور گاؤں مسمار اور تباہ و برباد ہو رہے ہیں اور عام شہری غارتگری اور موت کا شکار ہو رہے ہیں —— یہ سب کچھ ثابت کرتا ہے کہ امریکہ کے حکمران حلقوں کو کوریا میں التوائے جنگ سے کوئی دلچسپی نہیں۔

اس لئے پیرو کے نمائندے کا یہ کہنا کہ امریکہ نہیں بلکہ سوویت یونین کوریا میں التوائے جنگ سے دلچسپی نہیں رکھتا ایک بھیانک جھوٹ ہے۔ پیرو کے نمائندے کا یہ ملامتی بیان بھی ایک شرمناک جھوٹ ہے کہ سوویت یونین "کوریا کی مصیبت" کو طول دینا چاہتا ہے اور جیسا کہ انھوں نے کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ سوویت یونین مغربی طاقتوں کو دوبارہ ہتھیار بندی کے معاشی بوجھ کے نیچے تھکا ڈالنا چاہتا ہے۔

کیا یہ افترا پردازانہ بیان شرمناک نہیں تھا۔

اس قسم کے بے بنیاد جھوٹ کا جواب دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ ایسے بیانات کی بے سروپا لغویت اور شوریدہ سری خود اپنی غماز ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ضمیر کی ابتدائی ذمہ داری اس قسم کے بیانات سے سوویت یونین مسلسل اور باقاعدہ ان کوششوں کے پیشِ نظر باز رکھتی کہ وہ اسلحہ جات اور ہتھیار بند فوجوں کی تخفیف کا مطالبہ کر رہا ہے وہ اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ ہتھیار بندی کی تحریک کو روکا جائے۔ اور فوجی بجٹ کی توسیع کو بند کیا جائے ــــ وغیرہ وغیرہ ــــ یہ کوششیں ایسی کوششیں ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ یہ سوویت یونین ہی ہے جو مغربی حکومتوں کو ان کی پالیسی کے خطرات سے ہوشیار اور خبردار کرتا ہے جو ملک کے معاشی وسائل کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اور ایک جارحانہ جنگ کے پروگرام کی تعمیل کی وجہ سے عام لوگوں پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ ڈالتی ہے۔

کوریا میں التوائے جنگ اہم ترین فریضہ ہے۔ اور اس کی کامیاب تکمیل کوریا کے مجموعی سوال کو طے کرنے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

مندرجہ بالا باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے سوویت یونین کے وفد نے یہ ضروری خیال کیا کہ مسودہ تجویز (دستاویز ۲۹ ۷) میں کوریا میں مکمل اور فوری التوائے جنگ وجدل کے لئے ایک اور تجویز کا اضافہ کرے۔ یہ تجویز مندرجہ ذیل مطالبہ کرتی ہے۔

"یہ سفارش کرتی ہے کوریا میں برسرِ پیکار فریقین فوراً اور مکمل طور پر جنگ وجدل بند کر دیں۔ یعنی برسرجنگ فریقین کے درمیان التوائے جنگ کے بارے میں جو معاہدہ ہو چکا ہے اس کی بنیاد پر زمین، سمندر اور ہوا میں جنگ وجدل فوراً ختم کر دیں۔ اور جنگی قیدیوں کی مکمل واپسی کے سوال کو فیصلے کے لئے کوریا کے سوال کا پُرامن حل نکالنے والے کمیشن کے سپرد کر دیں، جس کمیشن کا ذکر سوویت یونین کے مسودہ تجویز میں ہے۔ اور جو اپنے ممبروں کی دو تہائی اکثریت سے فیصلہ کرے گا۔"

جیسا کہ معلوم ہے، کوریا میں فوری التوائے جنگ وجدل کی تجویز نہ تو ۲۱ ریاستوں کی طرف سے پیش کردہ تجویز میں اور نہ میکسیکو اور پیرو کی تجویزوں میں ہے۔ اور نہ یہ تجویز ہندستانی تجویز میں شامل ہے۔ جس کے بارے میں اس کے حمائیتوں نے اپنے بلند بانگ گن گائے ہیں۔

سوویت یونین استقلال اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے راستے پر امن اور بین الاقوامی دوستی کے مقصد کو لے کر گامزن ہے۔ ہمیں اپنے نیک مقصد کی کامیابی پر کامل یقین ہے اور ہم جانتے ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں عوام جو جنگ سے نفرت کرتے ہیں۔ اور امن اور خوشی کی تمنا رکھتے ہیں۔ اس کامیابی کے خواہاں ہیں۔

کوریا کے سوال پر پہلی کمیٹی میں ۲۶ نومبر ۱۹۵۲ء کو اے۔ وائی۔ وشنسکی کی تقریر

پہلی کمیٹی کے سامنے جن تجویزوں کے مسودے پیش ہوئے ہیں انھیں جانچنے پر سوویت وفد کافی توجہ دے چکا ہے۔ ہم نے ان مسودوں کو کافی تفصیل سے جانچا ہے۔ جیسے میکسیکو وفد کی پیش کی ہوئی تجویز کا مسودہ۔ پیرو کے وفد کی پیش کی ہوئی تجویز کا مسودہ۔ امریکی وفد کی تجویز کا مسودہ جسے اس کے اثر سے دوسرے ملکوں نے بعد میں اپنایا ہے۔ اور سب کے آخر میں اس تجویز کا مسودہ جسے ہندستانی وفد نے پیش کیا ہے۔ چونکہ یہ آخری تجویز اب زیرِ بحث ہے، میں اپنے بیان کو اس خاص تجویز کے بارے میں سوویت وفد کی آرا ر اور ٹھوس تجویزوں تک محدود رکھوں گا۔

سب سے پہلے میں اس بات کا ذکر کردوں گا جو ہر شخص کو کھٹکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہندستانی وفد نے جو مسودہ پیش کیا ہے۔ وہ نہ تو کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومت کے نقطۂ نظر کو خیال میں رکھتا ہے اور نہ چین کی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومت کے نقطۂ نظر کو۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ہند کو ہندستانی تجویز کے بارے میں حکومت چین کے نقطۂ نظر کا علم ہے کیونکہ یہ مسودہ پہلے سے حکومت چین کے غور کے لئے بھیج دیا گیا تھا اور جو اطلاع مجھے آج ہے اس کے مطابق چینی حکومت نے ۲۴ر نومبر ہی کو اس مسودے کے بارے میں اپنا منفی جواب اور اپنی منفی رائے ظاہر کر دی تھی۔ اس کے بارے میں یہاں کچھ نہیں کہا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ ہندستانی وفد کو اس بات کا علم نہ ہو۔ کیونکہ میری اطلاع کے مطابق یہ جواب ہندستانی سفیر کو چین میں ۲۴ر نومبر کو دے دیا گیا تھا۔ حالانکہ دو دن اس کے لئے کافی تھے کہ ہندستانی وفد کو اس کی حکومت اس مسئلے کی موجودہ صورت سے آگاہ کر دیتی۔

اس طرح پہلی بات جو نظر کے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہاں پر جو کام ہوتا ہے وہ متعلقہ فریقین کی رائے کا لحاظ کئے بغیر ہوتا ہے۔ اور میں افسوس کے ساتھ اس بات کے اظہار کی جرأت کرتا ہوں کہ اس سے ابتدا ہی میں کام کی مکمل ناکامی یقینی ہو جاتی ہے۔ اس کی صورت سا کن ڈور کی سی ہے۔ یہ مشابہ ہے دائروں میں دوڑنے کے جیسے گلہری پنجرے میں دوڑتی ہے۔ اگر یہاں اس بات کا لحاظ کئے بغیر فیصلے کئے جاتے ہیں کہ چین کی عوامی جمہوری ریپبلک اور کوریا کی عوامی جمہوری ریپبلک کی رائے اور نقطۂ نظر کیا ہے اور کونسی تجویز انہیں قابلِ قبول ہوگی تو میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس کی توقع کر سکتے ہیں کہ ان غیر معمولی حالات میں یہاں جو تجاویز منظور کی جائیں گی ان کی واقعی کوئی اہمیت ہو سکتی ہے۔ کم از کم سوویت وفد کے نزدیک ایسے فیصلے بالکل بے معنی ہیں

اس کے علاوہ۔ اور قطع نظر اس سوال کے جو کہ اپنی جگہ پر یقیناً بہت اہم ہے اور جس کے باعث کچھ لوگوں کو اس بات پر غور کرنے پر مجبور ہو جانا چاہیئے کہ اس سوال کو حل کرنے کا یہ راستہ جسے پہلی کمیٹی اختیار کرنے پر مجبور کی جا رہی ہے صحیح بھی ہے یا نہیں۔ قطع نظر اس سوال کے۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ ہندستانی تجویز کے مسودے میں کیا خامیاں ہیں۔ اور ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے کیا قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔ ان خامیوں کے بارے میں ہم تقریر کر ہی چکے ہیں۔ ہم اس مسودے کے بارے میں اپنا خیال ظاہر کر ہی چکے ہیں۔ جو نفی کا خیال ہے۔ ہمیں خوشی ہوتی اگر ہم کوریا کے سوال کے پُر امن حل جیسے اہم اور ضروری مسئلے سے متعلق کسی تجویز پر مثبت خیال ظاہر کر سکتے۔ مگر حالات ایسے نہ تھے۔ اور ہم نے منفی خیال ظاہر کیا۔ ہم اب بھی پُر جوش طریقے پر اپنی تجویز کے مسودے کی حمایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں یقینِ کامل ہے کہ سوویت وفد کی تجویز کے مسودے میں جو سجھاؤ رکھے گئے ہیں ان سے کوریائی مسئلہ کا ایک سچا اور قابلِ عمل حل نکل آتا ہے۔ اور اس طریقے کے علاوہ اور کسی طریقے سے کوریا کے سوال کا حل نہ صرف مشکوک ہے بلکہ پہلے ہی سے اس کی ناکامی یقینی ہے۔

ہم نے ہندستانی مسودے کی بڑی خامیاں خاص طور پر دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اور اب میں اپنی طرف سے اس مسودے میں کچھ ترمیم پیش کروں گا۔ اور کچھ ایسے حصے حذف کرنے کی تجویز رکھوں گا جو سوویت یونین کی قرارداد کے مسودے کے

اصول اور بنیادی خیال کے خلاف ہیں

جہاں تک تمہید کا سوال ہے۔ ہمارے نزدیک سب سے ضروری اور سب سے اہم بات تمہید کے آٹھویں پیرے میں ہے جسے ہم درست کرنے کی تجویز کریں گے۔ ہندستانی مسودے کے آٹھویں پیرے میں جو کہا گیا ہے اس کے بجائے یہ کہنا چاہیئے کہ جنرل اسمبلی "تصدیق کرتی ہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ ہر حالت میں میثاق جنیوا کے براہ راست فیصلوں اور اس کے عام اقتضا کے مطابق انسانی برتاؤ کیا جائے"۔

جن حالات میں کوریا اور چین کے جنگی قیدی امریکی کیمپوں میں جو دراصل موت اور ایذا رسانی کے کیمپ ہیں۔ رکھے جاتے ہیں۔ ان میں یہ بالکل ناممکن ہے کہ قیدیوں کی واپسی وطن کے سلسلے میں جبر یہ استعمال کئے جانے کی بات کہی جاسکے۔ اس سوال کا گہرا تعلق اس مسئلہ پر ہمارے نقطۂ نظر سے ہے۔ اور جسے ہم ہر ممکن صفائی اور تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ تمہید میں ہماری پہلی ترمیم یہ ہے کہ آٹھواں پیرا اس طرح ہو جیسا میں ابھی پڑھ چکا ہوں اور جیسا کہ ہندستانی تجویز کی ترمیموں کے مسودے میں اسے ترتیب دیا گیا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تمہید کے بقیہ تمام نکات ہمارے لئے قابلِ قبول ہیں جب ہم ووٹ دیں گے تو بتلائیں گے کہ دوسرے نکات کے پیچھے کیا ہے۔ لیکن میں تمہید کے آٹھویں پیرے پر رک گیا۔ کیونکہ یہ سوال سب سے اہم ہے۔

جہاں تک اصل تجویز یا نام نہاد سمجھاؤ کا تعلق ہے ہم نے یہاں سُنا ہے کہ کچھ لوگ انہیں محض سفارش کا درجہ دینا چاہتے ہیں جن سے کسی شخص پر کسی قسم کی پابندی لازم نہ آئے گی مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ جو تجویزیں یہاں منظور کی جاتی ہیں وہ سفارشات ہوتی ہیں جن سے اتنی ہی پابندی عائد ہوتی ہے کہ جتنی اقوام متحدہ کے دوسرے اداروں (جنرل اسمبلی) کی منظور شدہ سفارشات سے عائد ہوتی ہیں۔ سوال کے اصل مدعا کی طرف آتے ہوئے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ سوویت یونین کی وفد کی رائے میں ہندستانی تجویز کا مسودہ جن الفاظ میں پیش کیا گیا ہے اس کا پہلا نکتہ اس لئے ناقابلِ قبول ہے کہ پورے مسئلہ کو محض جنگی قیدیوں کی واپسی کا مسئلہ نہیں بنانا چاہیئے۔ ہمارے نزدیک سب سے اہم سوال کوریا میں فوری اور مکمل اختتام جنگ ہے۔

میں اس بات کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمام مقرر جو پہلے تقریر کر چکے ہیں جو مختلف

ڈیلی گیشنوں کے نمائندے ہیں ـــــ چلی ۔ پیرو ۔ ناروے ۔ ایران اور سویڈن یعنی پانچ ڈیلی گیشنوں کے نمائندے تقریر کر چکے ہیں ۔ ان میں سے کسی نے اپنی تقریر میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی کوریا میں اختتام جنگ کی اہمیت کی طرف توجہ نہیں دلائی ۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس مسئلے سے مکمل بے نیازی ظاہر کی کہ کوریا کی جنگ جاری رہے یا نہ رہے ۔

مسٹر بلا ونڈے، جنھوں نے خود چار مقرروں کے برابر تقریر کی ۔ اور مجھے ان سے اس بارے میں ہمدردی ہے، نے بھی ایک لفظ کوریا میں جنگ ختم کرنے کی ضرورت کی حمائت میں نہیں کہا ۔ ظاہر ہے کہ بعض وفد اپنی تقریر کو کوریا کی حالت پر عام گفتگو تک محدود رکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں انھیں اچھا لگتا ہے کہ تقریر جھاڑتے جائیں اور جنگ کی چکی میں لفظی غلہ ڈالتے رہیں ۔ جبکہ اس چکی کے پاٹ گھومتے اور انسانی زندگیوں کو ہزاروں لاکھوں اور کون کہہ سکتا ہے کہ کروڑوں انسانی زندگیوں کو پیستے رہیں ۔

کسی ایک مقرر نے بھی جنگ ختم کرنے کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا ۔ حالانکہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ جنگ کے ختم کرنے کے طریقے کے پرجوش متلاشی ہیں ۔ کیا یہ تعجب خیز نہیں ۔ ہمارا وفد تسلیم نہیں کر سکتا کہ یہ صورتِ حال معمول کے مطابق ہے ۔

ہماری رائے میں اس سمت اپنی کوششیں مرکوز کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے اگر آپ میں سے ہر شخص کا دل اس بات کو صحیح سمجھتا ہے تو اسے کوریا میں لڑنے والے فریقین سے (یعنی ہر جگہ کی لڑائی ۔ زمین، سمندر اور ہوا میں) فوراً اور پوری طرح جنگ ختم کرنے کی سفارش کی حمائت میں ہاتھ اٹھانا چاہیئے ۔

اگر یہ ترمیم منظور نہیں کی جاتی تو موجودہ حالات قائم رہیں گے ۔ اور جیسا کہ ڈر ہے لمبے عرصے تک چلتے رہیں گے اور ان کا انحصار مسلح فوجوں کے باہمی تناسب پر ہوگا ۔ یا یوں کہیئے کہ سوال کا حل دراصل میدانِ جنگ میں اسلحہ کے زور پر منحصر ہو جائے گا ۔ بالکل یہی بات جنرل وان فلیٹ اور امریکہ کے دوسرے خاص نمائندوں نے کہی ہے اور جو بدیہی طور پر انسیوں کے نقطۂ نظر کے بالکل مطابق ہے جو کوریا کے سوال کے پُر امن حل اور فوری اختتامِ جنگ کے بارے میں سوویت یونین کی تجاویز کے خلاف ووٹ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں ۔

ہم یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل نکتے کو ہندستانی تجویز کا پہلا نکتہ بنایا جائے ۔

"کوریا میں لڑنے والے فریقوں سے یہ سفارش کی جائے کہ فوری اور مکمل جنگ بندی عمل میں لائیں۔ یعنی دونوں طرف سے سارے جنگی اقدامات زمین پر، سمندر سے اور ہوا میں روک دئے جائیں۔ اس معاہدۂ التوائے جنگ کے مسودہ کی بنیاد پر جسے لڑنے والے فریق اس سے پہلے ہی منظور کر چکے ہیں۔ اور جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کا سوال۔ کوریا کے سوال کو پُرامن طریقے پر حل کرنے والے کمیشن کے سپرد کر دیا جائے۔ جس کا ذکر دوسرے نکتے میں کیا گیا ہے۔ اور اس کمیشن میں سوالات کا فیصلہ اس کمیشن کے ممبروں کی دو تہائی اکثریت سے ہو۔ نہ کہ چار یا پانچ ممبروں کے ایک کمیشن سے جیسا کہ ہندستانی تجویز میں کہا گیا ہے کیونکہ اس طرح کا بنا ہوا کمیشن اپنے مقصد میں یقیناً ناکام ہوگا۔ لیکن ہماری تجویز کے مطابق کوریا کے سوال کو پُرامن طریقے پر حل کرنے والے جاندار اصلی کمیشن سے۔ جس کا ذکر دوسرے نکتے میں کیا گیا ہے۔ اور جہاں فیصلے دو تہائی اکثریت کے ووٹ سے ہوں گے۔

یہ ہماری پہلی ترمیم ہے جس کا مطلب ہے کہ کوریا میں فوری اور مکمل طور پر سارے اقدامات جنگ کے روکنے کی سفارش کے متعلق ہماری تجویز منظور کر لی جائے۔ بجائے ہندستانی تجویز کے پہلے نکتے کے جس میں صرف چار (اور ممکن ہے ترمیم ہو کر پانچ) ممبروں کے ایک کمیشن کے قیام کی تجویز ہے۔

ہم ہندستانی تجویز کے دوسرے نکتے کے طور پر یہ مزید تجویز کرتے ہیں کہ ہندستانی تجویز کے پہلے نکتے کے اس حصے کی وضاحت کے لئے جس میں کوریا کے سوال کے پُرامن حل نکالنے کے لئے ایک کمیشن کا ذکر ہے۔ کوریا کے سوال کو پُرامن طریقے پر حل کرنے کے لئے ایک کمیشن قائم ہو جس میں براہِ راست متعلق فریقین کے نمائندے اور دوسری حکومتوں کے نمائندے ہوں۔ جن میں وہ حکومتیں بھی شامل ہوں جنھوں نے کوریا کی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اور جو امریکہ، برطانیہ، فرانس، سوویت یونین، چینی عوامی ری پبلک، ہندستان برما، سوئٹزرلینڈ، چیکوسلواکیہ، کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک اور جنوبی کوریا کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔

لیکن یہ ایک قابلِ عمل اور فوری حل پر صرف ایک صورت میں پہنچ سکتے ہیں۔ اگر وہ جنگ کو فوراً ختم کرنے کی ضرورت کے بنیادی اصول کو تسلیم کریں۔

میں پچھلی باتوں کا ذکر کرنے پر مجبور ہوں۔ لیکن میرا ارادہ لمبی تقریریں کرنے اور

مباحثے کو طول دینے کا نہیں ہے۔ میں صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ امریکہ کی ساری پالیسی جس کی برطانیہ، فرانس اور کچھ ممالک حمایت کرتے ہیں۔ کوریا میں جنگ کو ختم کرنے کی نہیں بلکہ اُسے طول دینے کی ہے۔ امریکہ کو یہ امید ہے کہ وہ آخر کار کوریا کے عوام کی قوت مزاحمت کو ختم کرنے اور کوریا کو ایک دوسری عالمی جنگ کا مورچہ بنانے اور امریکی سامراجیوں کے فتوحات کے منصوبوں کی تکمیل کے لئے راستہ صاف کرنے میں کامیاب ہوگا۔

ہمیں یقین ہے کہ ہماری مجوزہ ترمیم کے مطابق بنے ہوئے کمیشن کے کام کے نتائج زیادہ کامیاب ہوں گے بہ نسبت اس کمیشن کے کام کے نتائج کے جس کی تجویز ہندستانی وفد کے مسودے میں رکھی گئی ہے۔ میں اس بات کا ذکر نہیں کروں گا کہ ہندستانی وفد کی تجویز جو اس کی نام نہاد "تجاویز" کے پہلے نکتہ میں ہے۔ کمیشن کے کاموں کا دائرہ محدود کرتی ہے اور ان کاموں کو صرف ایک سوال، یعنی جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال تک محدود کردیتی ہے۔ میں اس بات کا تصور کرسکتا ہوں کہ آپ اپنے فیصلے کو منظور کریں۔ میں تصور کرسکتا ہوں کہ منطق کے تمام اصولوں کے برخلاف ایسا کمیشن کام کرنے لگتا ہے۔ اچھا پھر دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔

آپ کو فریقین کی حالت معلوم ہے۔ ہندستانی تجویز کا مسودہ اس اعلان کے آگے اور کچھ نہ کرسکا کہ جبر کا استعمال ناجائز ہے۔ لیکن ہمارا کہنا ہے کہ اگر آپ کے ذہن میں وہ زیادتیاں ہیں جو واپسیٔ وطن کے دوران میں ان لوگوں کی طرف سے ہوئیں جو آج جبری اقدامات کے دباؤ سے مبینہ طور پر اس سے دست بردار ہوتے ہیں۔ آج اگر وہ دست بردار ہوتے ہیں ان سب باتوں کے بعد جو امریکی موت کے کیمپوں میں ان پر گذریں۔ تو یہ بات بالکل ظاہر ہوجاتی ہے کہ امریکی کیمپوں میں مقید کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی جبری اسکریننگ کے طریقوں کے استعمال کے بعد ان لاچار انسانوں کے بارے میں آزادی رائے کا سوال اُٹھانا ناممکن ہے۔

اگر پہلی کمیٹی اس سوال کو ایک قابلِ عمل طریقے پر حل کرنا چاہتی ہے اور کوئی ایسی خیالی اسکیم جو واقعیت سے دُور ہونا فذ کرکے اس پر قناعت کرنا نہیں چاہتی تو پھر جو بنیادی لائن لی جارہی ہے اسے قبول کرنا ناممکن ہے۔ ساتھ ہی ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے، کہ ضمیر کی آواز ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ایسے قدم اُٹھائے جائیں۔ ضمیر کی آواز کا سب سے بڑا

تقاضا جنگ ختم کرنے کا ہے۔ اور اگر آپ مسٹر بلاندئے ضمیر کی آواز کی بات، زورِ خطابت اور پیشہ ورِ خطابت کی وجہ سے نہیں کرتے تو آپ کو صاف طور پر کہنا چاہیئے کہ "جنگ کو فوراً ختم کرنا ضروری ہے" یہ ضروری ہے کہ ایک جاندار کمیشن قائم کیا جائے جو کوریا کے سوال کو بحیثیت مجموعی یا تو حل کر سکے یا اس کے حل کا ایک خاکہ تیار کر سکے۔ جس کا تعلق سب سے پہلے تو کوریا کے متحد کرنے سے ہو۔ کیونکہ کوریا کے سوال کا کوئی حل ممکن نہیں۔ جب تک سنگھمین ری کی حکومت کے وہی جذبات ہیں جن کا اظہار اس غیر ذمہ دار نوجوان نے یہاں کیا۔ غیر ذمہ دار اس لئے کہ اس نے لغو گفتگو کی۔ غیر ذمہ داری سے بکواس کی۔ اور اپنے امریکی مربیوں کے بھروسے پر گالیوں اور دھمکیوں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

اب دو بنیادی مسائل ہمارے سامنے ہیں۔ سب سے پہلے ضروری ہے کہ جنگ فوراً اور مکمل طور پر بند ہو۔ یہ ہماری پہلی ترمیم ہے۔ اس کے بعد یہ ضروری ہے کہ کوریا کو حقیقی معنوں میں متحد کرنے کے لئے اور شمال اور جنوب کی تقسیم ختم کرنے کے لئے کارروائی کی جائے۔ اس لئے ہمیں مسٹر مینن کی تجویز کے مطابق جو انھوں نے ہندستانی وفد کے نام پر کی ہے، محض جنگی قیدیوں کی واپسی کا کمیشن نہیں قائم کرنا چاہیئے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر ہمارے سامنے کیا تصویر آتی ہے۔ کیا واپسی کے سوال کو پہلا قدم مان کر کوئی کام شروع کرنا ممکن ہے۔ اس قدم سے جو سب سے مشکل قدم معلوم ہوتا ہے کسی کام کا آغاز کرنا ناممکن ہے۔ منطق ہمیں سکھاتی ہے کہ آسان سے مشکل کی طرف۔ عام سے خاص۔ سادے سے زیادہ پیچیدہ کی طرف جانا چاہیئے۔ آپ جانتے ہیں کہ جنگی قیدیوں کی واپسی کا سوال سب سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہے۔ جیسا کہ آپ سب تسلیم کر چکے ہیں۔ جب صورتِ حال یہ ہے تو اختتامِ جنگ جو سارے کوریا کے سوال کے حل کی طرف تو بجائے اس کے کہ اختتامِ جنگ کرنے کا فیصلہ لیا جائے۔ جو کہ پورے کوریائی سوال کے سچے حل کی طرف ایک واقعی قدم ہوگا۔ بجائے اس کے کہ ایک ایسا کمیشن قائم کیا جائے جو کہ کوریا کو متحد کرنے اور پھر بسانے کے سوالات کو صحیح طور پر لیتا۔ جن سوالوں میں جنگی قیدیوں کا سوال بھی شامل ہوتا۔ لیکن ان سب کے بجائے صرف ایک سوال یعنی جنگی قیدیوں کا مسئلہ نکال لیتے ہیں اور اسے بیچ میں لا کر رکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ آپ پہلے سے جانتے ہیں کہ یہ سوال سب سے زیادہ پیچیدہ ہے۔ بھلا کوئی شخص جو سچ مچ مشکلات پر قابو پانا چاہتا ہے کبھی

اس طرح کام کر سکتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہاں پر جس کسی نے بھی اپنے ضمیر کی آواز کا لحاظ کیا ہے (میرے نزدیک عقل کی آواز کا لحاظ بھی ضروری ہے) وہ اس طرح کی ابتدائی تجاویز کو رد کر سکتا ہے۔

مجھے اس کی کوئی توقع نہیں ہے کہ میں آپ کو اپنے نقطۂ نظر کی صحت کا قائل کر سکوں گا۔ مگر مجھے اس کا پورا یقین ہے کہ ہمارا نقطۂ نظر صحیح ہے۔ ہمارا نقطۂ نظر انسانی ضمیر اور عقل کی آواز کے مطابق ہے۔ جنھیں ان خفیہ منصوبوں نے مسموم نہیں کیا۔ جن کا امن سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اس وجہ سے ہم ہندستانی قرار داد میں ترمیم کی حیثیت سے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ہمارا پہلا نکتہ یعنی اختتام جنگ کی سفارش اس قرار داد کا پہلا نکتہ متصور ہو۔ اور دوسرا نکتہ ہمارا پیش کردہ یہ نکتہ ہو کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جیسا کہ ہم اپنی تجویز میں پیش کر چکے ہیں اور جسے میں یہاں پڑھ کر سُنا چکا ہوں۔ اس کمیشن کو ہدایت ہو کہ وہ کوریا کے سارے سوالات کو کوریا کے اتحاد کے اصل منشا کے مطابق جسے کوریا والے خود عمل میں لائیں گے۔ حل کرنے کے لئے فوری قدم اُٹھائے۔

جنوبی کوریا میں یقیناً آبادی کا ایک بڑا حصہ سارے کوریا کو صحیح معنوں میں متحد کرنا چاہتا ہے۔ یہ سچے محب وطن ہیں۔ جن میں اور ان حضرات میں کوئی قدر مشترک نہیں جنھوں نے کوریائی عوام کے نام پر اس قدر بدتمیزی سے گفتگو کی۔ اور جس میں سوویت یونین کی خارجہ پالیسی کا بھی ذکر آیا۔ میں ان کی بے ہودہ اختراع پردازیوں کا جواب دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہوں۔

ہماری تجویز ہے کہ کمیشن برائے اتحاد کوریا کو ہدایت ہو کہ وہ اس کام کی رفتار کو دیکھتا اور اس میں ضروری مدد دیتا رہے۔ اس کمیشن کو پورا حق ہوگا کہ خود کو اقوام متحدہ کے کسی حصہ کا کمیشن جو چند خاص حالات کی وجہ سے با اثر ہو گیا ہے۔ یہ اہم تجاویز ہیں جو ہم ہندستانی تجویز میں ترمیموں کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ وقت ضائع نہ کرنے کے خیال سے میں اور دوسری ترمیموں کا ذکر نہ کروں گا۔ وہ ہندستانی تجویز کے بارے میں ہمارے بنیادی نقطۂ نظر سے نکلتی ہیں۔ اور ہمیں آگے چل کر ان پر غور کرنے کا موقع ملے گا۔

ہمارا یقین ہے کہ اپنی موجودہ صورت میں ہندستانی تجویز کسی کام کی نہیں ہیں۔ یہ تضیع اوقات ہے۔ لیکن غالباً بہت سے لوگ یہی چاہتے ہیں۔ وقت ضائع کرنا اس اندازے

کہ یہ ظاہر ہوتا رہے کہ کچھ کیا جا رہا ہے۔ جبکہ ہم صحیح معنوں میں اختتام جنگ اور کوریا کے سوال کے پرامن حل کو روکنے کے علاوہ کچھ نہیں کر رہے ہوتے۔ کسی کا اسی میں بھلا ہے ہم اس بات کا صاف طور پر اعلان کرتے ہیں۔

ہم یہ بھی تجویز کرتے ہیں کہ ہندستانی تجویز کے تیسرے نکتہ کا پہلا جملہ یوں پڑھا جائے۔ "جنگی قیدیوں کے لئے ایک ایسا نظام قائم کیا جائے گا جس میں ان کے جسم کے ساتھ مطلق کوئی تشدد نہ ہوگا اور نہ ان کی غیرت اور خودداری کو کسی قسم کی ٹھیس پہنچائی جائے گی۔ اور ان باتوں کی کسی صورت یا مقصد کے لئے اجازت نہ ہوگی۔

اس سلسلے میں اس سوال کا ذکر ضروری ہے جو امریکی تجاویز کے مصنف سخت اصرار کے ساتھ ہم سے پوچھتے ہیں۔ ان قیدیوں کے خلاف طاقت کا استعمال جو جبریہ واپسی کی مزاحمت کی دھمکی دیتے ہیں۔ ہم اس سوال کا جواب دے چکے ہیں۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ حکومت حکومت ہے اور کمیٹی کمیٹی ہے۔ ایک حکومت کو اپنے بین الاقوامی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے کون سے قدم اٹھانے چاہئیں۔ اس کا فیصلہ حکومت خود کر سکتی ہے۔ اور ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت ہمیشہ جنگی قیدیوں پر اس قسم کی زیادتیوں کو روک سکتی ہے۔ جو کوریا میں امریکی کیمپوں میں ہو رہے ہیں۔ جہاں کوریائی اور چینی جنگی قیدی جتھوں میں گولیوں سے مارے جا رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سوال کا رخ بدلنا چاہیئے۔ سوال اب یہ نہیں ہے کہ کسی حکومت کو وطن واپس کرنے کے لئے جبر کے استعمال کا حق ہے یا نہیں۔ بلکہ یہ کہ ایسی حالت پیدا نہ ہونے دینا چاہیئے۔ جس میں کوئی حکومت کسی کی عدول حکمی کا پردہ لے کر کسی جنگی قیدی پر تشدد اور ظلم کر سکے۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان تمام زیادتیوں کی ذمہ داری جو امریکی طریق کار میں بظاہر لابدی ہیں۔ امریکی حکومت پر ہے جسے وہ تمام طریقے استعمال کرنے چاہئیں۔ اور جنھیں استعمال کرنے کی اس میں یقیناً اہلیت ہے۔ جن سے یہ زیادتیاں نہ ہوں۔

مگر یہ بات شرمناک ہے کہ زیادتیوں کے حالات خود پیدا کئے جائیں۔ اور پھر کہا جائے۔ "میں حالات پر قابو پانے سے قاصر ہوں۔"

اس لئے ہمارا یقین ہے کہ سوال کو غلط طریقے پر اٹھایا جا رہا ہے۔ بدقسمتی سے سوال اٹھانے کا یہی غلط انداز ہندستانی تجویز کے مسودے میں موجود ہے۔ اور ہمیں اپنی عقل اور

اپنے ضمیر کی آواز سے متاثر ہو کر اس پر اعتراض ہے۔ اور ہمیں یہ یقین کرنے کا حق ہے کہ یہ صرف ہماری ہی عقل اور ضمیر کی آواز نہیں ہے بلکہ ساری دنیا کے مختلف ممالک اور اقوام کے امن پسند طبقوں۔ اور کروڑوں اور اربوں انسانوں کے عقل و ضمیر کی بھی آواز یہی ہے اور جو اس مسئلے میں بالکل وہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں جو ہمارا ہے۔

اس وجہ سے ہمارا کہنا ہے کہ ہندستانی مسودہ کا تیسرا نکتہ اس طرح نہ ہونا چاہیئے جس طرح اسے رکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم تجویز کرتے ہیں کہ واپسئ وطن کے کمیشن کے بارے میں جو جملہ ہے حذف کر دیا جائے۔ کیونکہ ہم واپسئ وطن کے کمیشن کے قیام کے خلاف ہیں۔ دوسرے نکتے کے تحت جو کمیشن ہم نے تجویز کیا ہے وہ مقرر ہو۔ یعنی ایک نیا کمیشن جس کے احاطۂ عمل میں واپسئ وطن کا سوال بھی ہو۔ ہماری یہ بھی تجویز ہے کہ تجویز کے مسودے کا چھٹا نکتہ جو جنگی قیدیوں کے بارے میں ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو وطن واپس جانے کا حق ملے گا۔ ایک نئے طریقے سے رکھا جائے۔ کیونکہ اس مسئلے کا حق سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر بھوکے انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ مگر اس کے پاس روٹی نہیں جو اسے بھوکوں مرنے سے روک سکے اس وجہ سے اس سوال کا جنگی قیدیوں کے حق سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان انتظامی، مادی، سیاسی، نظریاتی اور اخلاقی حالات کے پیدا کرنے سے ہے۔ جن میں وہ وطن واپس جانے کے فرض کو پورا کر سکیں ہم ایسی حالت پیدا ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے جس میں اپنے فرائض اس قسم کا نقطۂ نظر رکھنے کی حمایت کی جائے۔ یہ لوگ جو وطن واپس جانے سے انکار کرتے ہیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی مضبوط اور صحت مند حکومت ان کے بغیر بھی چل سکتی ہے۔ لیکن ہمارے سامنے ایک اہم اخلاقی اور سیاسی اصول ہے جس کا تعلق چھوٹی اور بڑی ہر طرح کی حکومتوں سے ہے۔ ہم بین الاقوامی قانون کے ایک اہم اصول کی حمائت کر رہے ہیں اس لئے ہماری تجویز ہے کہ چھٹا نکتہ یوں پڑھا جائے۔ "درجہ بندی کے بعد سب جنگی قیدی اپنے وطن واپس جائیں، اور تمام متعلق فریق ان کی فوری واپسی میں پوری طرح مدد دیں" اس بات کے درست ہونے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ ہندستانی وفد نے اپنے مسودے کے پانچویں نکتہ میں اس تجویز کا ذکر کیا ہے جو جنرل کم ارسین۔ کوریا کی عوامی فوج کے سالار اعلیٰ، اور چین کے عوامی رضاکاروں کے جنرل پینگ تے ہوائی کے خط مورخہ ۱۶ اکتوبر میں کی گئی ہے۔ اس بیان سے یہ ظاہر ہے کہ ہمارے سامنے اس نام نہاد درجہ بندی کا کوئی ملکی پہلو نہیں ہے۔ بلکہ وہ سیاسی نتائج اور

حالات ہیں جن میں درجہ بندی ممکن ہے۔ اگر ہندستانی وفد واقعی یہ چاہتا ہے کہ اپنے نقطۂ نظر کو اس خط کے مطابق لائے تو جوبات چھٹے نکتے میں کہی گئی ہے نہیں کہی جاسکتی۔ اور اس نکتہ کو اسی طرح ترتیب دینا پڑے گا۔ جیسا ہم نے اپنی ترمیم میں تجویز کیا ہے۔ سوویت یونین کا وفد یہ تجویز کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ ساتویں سے لیکر سترھویں سب نکات ہندستانی تجویز سے حذف کر دئے جائیں۔ کیونکہ وہ واپسئ وطن کے کمیشن کے طریق کار اور اس کی کارروائیوں کے متعلق ہیں۔ اور ہم اس قسم کے کمیشن کا قیام غلط سمجھتے ہیں۔ اور جس پر ہمیں سخت اعتراض ہے۔

ہندستانی تجویز کے مسودے کے بارے میں ہماری تجاویز کی نوعیت یہ ہے۔ مجھے ابھی اس مسودے کے بارے میں اگر ضرورت پڑی تو خاص خاص نکات پر مزید تقریر کرنے کا حق رہے گا۔

کوریائی مسئلہ پر پہلی کمیٹی میں یکم دسمبر ۱۹۵۲ء کو اے. وائی. وشنسکی کی تقریر

مسٹر مینن کی تازہ ترین تقریر کے بارے میں مجھے یہ کہنا ضروری ہے کہ ہندستانی وفد کی تجویز کے مسودے کے بارے میں ان کی تشریح اور سوویت یونین کی ترمیموں کے بارے میں ان کے بیانات ایک مرتبہ پھر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہندستانی وفد کی تجویز کے مسودے پر ہماری تنقید بالکل صحیح، حسب حال اور انصاف پر مبنی تھی۔ مسٹر مینن نے یہ دکھانے کی کوشش کی کہ ہندستانی وفد کی تجویز کا مسودہ امن کا راستہ کھولتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ نہ تو مسٹر مینن۔ نہ سارا ہندستانی وفد اور نہ کوئی اور یہاں اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ امن کا راستہ کھولنے کے لئے ضروری ہے کہ کام اختتام جنگ سے شروع ہو۔ بہرحال یہ کہنا کسی طرح ممکن نہیں کہ ہم امن کا راستہ تو کھولتے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ سوویت وفد کی پیش کردہ تجویز کے مسودے کو جس میں فوری اور مکمل اختتام جنگ کی سفارش کی گئی ہے۔ رد کرتے ہیں۔ امن کا راستہ اختتامِ جنگ کے بغیر نہیں کھل سکتا۔

مسٹر مینن نے اس معاہدۂ جنگ بندی کے مسودہ کا ذکر کیا ہے جو پان مون جان میں منظور ہو چکا ہے۔ اُنھوں نے جو کہا اس سے یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ امن کی طرف پہلا قدم یہ ہے کہ جنگ بندی کا ایک معاہدہ ہو جس سے انجام کار اختتامِ جنگ عمل میں آئے۔ ایسی صورت میں میں سوال کرتا ہوں ایسا کب ہوگا۔ کل ایک ہفتے میں۔ ایک سال میں۔ یا پانچ سال میں۔

تمام واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اس بات کا یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ جلد کوئی معاہدہ جنگ بندی کا ہو سکے گا۔ کیونکہ اس قسم کا معاہدہ امریکہ کے حکمران حلقوں کے مفاد میں نہیں ہے۔ اور جو اس قسم کے معاہدے کو توڑنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ مسٹر مینن کے دلائل کی منطق اور زیادہ ناقابلِ فہم ہے۔ جب ہندستانی وفد کی تجویز کے

مسودے پر چینی عوامی ری پبلک اور کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومتوں کا نقطۂ نظر سب کو اچھی طرح معلوم ہے۔

چینی عوامی ری پبلک کے وزیرِ خارجہ مسٹر چاؤ این لائی اور کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کے وزیرِ خارجہ مسٹر پاک ہین ین کے بیانات صاف اور واضح انداز میں بتاتے ہیں کہ کوریا میں امن قائم کرنے کے بارے میں ان ممالک کا کیا نقطۂ نظر ہے۔ مسٹر چاؤ این لائی کے بیان میں کہا گیا ہے: "دنیا کے عوام کی امن قائم رکھنے کی پرجوش خواہش کو پورا کرنے کے لئے چینی عوام کی کوریا میں جلد امن واپس لانے کی خواہش کے خلوص کو ظاہر کرنے کے لئے۔ اور جنگی قیدیوں کے واپسئ وطن کے سوال کو کوریا میں جنگ بندی میں رکاوٹ ڈالنے کے لئے نہ استعمال ہونے دینے کے لئے ہم سوویت یونین کی اس مکمل تجویز کی پرجوش تائید کرتے ہیں جس میں سب سے پہلے کوریا میں جنگ بندی اور اس کے بعد قیدیوں کی واپسئ وطن کے سوال کو حل کرنے کا سجھاؤ رکھا گیا ہے۔ اس بیان میں یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ چینی عوامی ری پبلک کی مرکزی عوامی حکومت محسوس کرتی ہے کہ "سوویت یونین کا سجھاؤ ہی کوریا کے سوال کے پُرامن حل کا طریقہ ہے"۔

کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومت نے بھی اپنے بیان میں بتادیا ہے کہ وہ سوویت یونین کے سجھاؤ کو سب سے زیادہ منصفانہ اور کوریا میں جلد از جلد جنگی اقدامات کو ختم کرنے والا۔ اور کوریا کے سوال کو پُرامن طریقے پر حل کرنے والا" سمجھتی ہے۔ اور سوویت یونین کے وفد کے سجھاؤ کی پوری حمایت کرتی ہے"۔

ان باتوں سے جو اوپر کہی گئی ہیں ظاہر ہے کہ امریکہ کی تجویز میں جو سجھاؤ ہے اور جس کے کچھ ڈیلی گیشنوں نے حمایت کی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ پیرو، میکسیکو اور ہندستان کی تجویزوں کے مسودے۔ ان سب میں سے کوئی بھی جنگ بندی اور جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال پر کسی فیصلے پر پہنچنے کے لئے بنیاد کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔ یہ سب تجویزیں امریکہ کے مسودے کی بدلی ہوئی شکلیں ہیں۔

مسٹر مینن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوویت وفد کا سجھاؤ یہ ہے کہ التوائے جنگ پر فیصلہ ہوجانے کے بعد جنگ ختم ہو۔ مگر خیال رہے کہ یہ الفاظ سے کھیلنا ہے۔ اگر کچھ اور نہیں، ہماری تجویز میں کہا گیا ہے۔ "کوریا میں لڑنے والے فریقوں سے اس بات کی سفارش کی جائے

کہ فوری اور مکمل جنگ بندی ہو۔ یعنی دونوں طرف سے سارے جنگی اقدامات زمین پر۔ سمندر سے اور ہوا میں روک دئے جائیں۔ اس معاہدۂ جنگ بندی کی بنیاد پر جسے لڑنے والے فریق اس سے پہلے ہی منظور کر چکے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہماری تجویز ہے کہ فوری جنگ بندی ہو۔ نہ یہ کہ جنگ بندی ہو کسی ایسے معاہدہ کی بنیاد پر جو آگے چل کر کسی وقت کیا جائے۔ بلکہ ایسے معاہدہ کی بنیاد پر جو پہلے سے ہی منظور ہو چکا ہے۔

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ہمارے راستے اور ہندستانی تجویز کے مسودے میں کوئی بات بھی مشترک نہیں ہے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ معاہدہ جنگ بندی کے مسودے میں ایک خاص پیرائے جس میں جنگ بندی اور التوائے جنگ کی ٹھوس شرطیں دی گئی ہیں۔ بارھویں پیرے میں جنگ بندی کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ" دونوں فریقین کے کمانڈر اپنے کمان کی ساری افواج کے نام جس میں زمین، سمندر اور ہوائی تمام فوجوں کا سارا عملہ شامل ہوگا ایک حکم جاری کریں گے کہ سارے جنگی اقدامات مکمل طور پر بند کر دئے جائیں۔"

اس وجہ سے ہمارا سجھاؤ ہے کہ معاہدہ جنگ بندی کے مسودے کے بارھویں پیرے کے مطابق فوری جنگ بندی ہو۔ مسٹر مینن کا کہنا ہے کہ ہندستانی مسودے کا سجھاؤ بھی یہی ہے۔ نہیں آپ کا سجھاؤ یہ نہیں ہے۔ آپ کی تجویز میں (تمہید کے دوسرے پیرے میں) تو صرف یہ سجھاؤ ہے کہ" پان مون جان کی گفتگو نے جو نمایاں کامیابی باہمی گفت وشنید کے ذریعے التوائے جنگ کی کوشش میں حاصل کی ہے اور جس کا مقصد کوریا کے سوال کا پُرامن حل اور کوریا میں جنگ بندی ہے۔ اسے بہ نظر استحسان دیکھا جائے گا۔

اس سے ظاہر ہے کہ آپ کی تجویز میں فوری جنگ بندی کا سجھاؤ نہیں ہے۔ بلکہ آپ صرف پان مون جان کی گفتگو کے تذکرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور آپ چاہے جتنی تقریریں کریں ہمیں کسی ایسی بات کا جو واقعہ نہ ہو یقین نہیں آسکتا اور آپ اپنے کو تمام ایشیائی عوام کا نمائندہ کہتے ہیں۔ مگر آپ ایشیائی عوام کے مفاد میں اور خصوصاً چین اور کوریا کے عوام کے مفاد میں ہمارے سجھاؤ کو مان کر یہ تجویز نہیں کرتے کہ فوری جنگ بندی ہو۔ فوری جنگ بندی کے متعلق ہمارے سجھاؤ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں کہ آپ کی سمجھ میں اس کا مطلب پوری طرح نہیں آتا۔ مگر ایک تجربہ کار سیاسی شخصیت کس طرح ایک

تجویز کا جو اِن سادے اور صاف الفاظ میں ہے مطلب نہیں سمجھ پاتی۔ لڑنے والے فریقوں سے سفارش کی جائے کہ فوری اور مکمل جنگ بندی ہو۔

ان الفاظ میں کونسی بات ناقابلِ فہم ہے۔ بیشک ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا مگر ایسے بیان کسی کی زبان کو زیب نہیں دیتے۔ جنگ بندی کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر مینن کہتے ہیں کہ سوویت یونین کے وفد کا سمجھاؤ۔ ہندستانی تجویز کے مسودے کی تمہید کے دوسرے پیرے کے سمجھاؤ سے کسی طرح مختلف نہیں ہے لیکن جیسا ہم واضح کر چکے ہیں ہندستانی تجویز میں جنگ بندی کا سمجھاؤ نہیں ہے۔ یعنی اس میں سب سے زیادہ اہم چیز جو کرنے کی ہے وہ نہیں ہے۔ اور اس وجہ سے وہ کوریا کے سوال کے واقعی حل میں کوئی مدد نہیں کرتا۔

عراقی نمائندے مسٹر جمالی نے بھی کہا ہے کہ وہ جنگ بندی کے موافق ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں انھیں نے اپنی جیب سے جنگ بندی کی خاطر اپنی تجویز یا سمجھاؤ کا مسودہ نکالا جسے وہ اپنے بیان کے مطابق پیش کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پھر جمالی صاحب، آپ نے اپنی تجویز کیوں نہیں پیش کی۔ آپ اسے جیب میں کیوں ڈالے ہوئے ہیں۔ مسٹر جمالی نے اس کی توجیہہ یوں کرنی چاہی کہ بعد میں انھوں نے ہندستانی وفد کی تجویز کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ جس کی وجہ سے انھیں اپنی تجویز پیش کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن کسی ایسی چیز کی حمائت کرنا جو ہندستانی مسودے میں موجود ہی نہیں، ہے اور پھر کہنا کہ اب سوال نہیں پیدا ہوتا قطعاً مہمل ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ یہاں ہر شخص کوریا کی جنگ کا خاتمہ چاہتا ہے۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ اب ہر بات کا انحصار سوویت یونین کے رویہ پر ہے۔ لیکن حضرات ذرا سوچئے تو کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ میرا خطاب ان سے ہے جنھوں نے ایسا کہا۔ خصوصاً مسٹر مینن سے۔ یاد رکھئے کہ سوویت یونین صرف کوریا کی جنگ ختم کرنے کی خواہش کے متعلق بات چیت نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس نے فوری جنگ بندی کا ایک سمجھاؤ بھی رکھا ہے۔ اگر آپ اس سمجھاؤ کو منظور کرتے ہیں تو یہ جنگ ختم کرنے کی طرف ایک قدم اور وہ بھی بہت اہم قدم ہوگا۔ لیکن آپ اس سمجھاؤ کو ہی منظور کرنا نہیں چاہتے۔

مسٹر مینن نے سوویت یونین سے ہندستانی مسودے کو منظور کرنے اور اس مسئلے میں اتحاد حاصل کرنے کی ایک جذباتی اور ڈرامائی اپیل پر اپنی تقریر ختم کی۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اتحاد کس بات میں۔

آپ کوریا میں فوری جنگ بندی نہیں چاہتے۔ آپ اس کی تجویز نہیں رکھتے او اور ساتھ ہی ہم سے اپنے ساتھ اتحاد میں خلل نہ ڈالنے کی اپیل کر کے آپ ذمہ داری ہم پر ڈال دینا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کا اتحاد ایک نا قابلِ قبول اتحاد ہے جس کی بنیاد ہے کہ جنگ جاری رہے۔ جب کہ ہمارا سجھاؤ یہ ہے کہ جنگ ختم کرنے کی بنیاد پر اتحاد ہو۔ دنیا کے عوام کوریا کی جنگ کے خاتمے کا ہی مطالبہ کرتے ہیں۔

دوسرا سوال جو مسٹر مینن نے اُٹھایا وہ ہندستانی تجویز کی تمہید کے آٹھویں پیرے کے متعلق ہماری ترمیم کا ہے۔ مسٹر مینن نے کہا کہ بنیادی طور پر تمہید کے اس پیرے کی ہماری ترمیم کا خاص مُدعا خود اس پیرے میں موجود ہے۔ لیکن ہندستانی تجویز کا وہ پیرا یوں ہے۔ "جنگی قیدیوں کی واپسی وطن سے روکنے میں یا اس پر مجبور کرنے میں جبر نہ استعمال کیا جائے۔ ہمارا سجھاؤ ہے کہ یہ پیرا یوں ہو "جنگی قیدیوں کے ساتھ میثاقِ جنیوا کے براہِ راست فیصلوں اور اس کے عام اقتضا کے مطابق ہر حالت میں انسانی برتاؤ کیا جائے"۔

دوسرے ڈیلی گیٹوں کے چند اقوال کے جواب میں، میں یہ بتا چکا ہوں کہ ہم یہاں پر لفظ "جبر" کے استعمال کے کیوں خلاف ہیں۔ میرے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل معاملے کا مختصر ذکر کر دوں۔ اور ایک دفعہ پھر صاف طور پر بتا دوں کہ ہم کیوں اس ریاکارانہ اور مصنوعی ذکر "جبر" کے خلاف ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ واپسئ وطن کے لئے جبر کا استعمال نہ ہو۔ یعنی جبریہ واپسئ وطن کی اجازت نہ دی جائے۔ اور آزاد واپسئ وطن کا سوال اُٹھا کر اس طرح جنگی قیدیوں کی جبریہ قید پر پردہ ڈالا جاتا ہے۔ کچھ ڈیلی گیٹ اس سوال کو ٹالتے ہیں۔ اور مسٹر مینن اس سے صاف گریز کر گئے۔ جو کچھ ہو چکا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انھیں اس کا علم نہیں ہے۔ حالانکہ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ اوروں نے کیا کہ ممکن ہے کہ ماضی میں جبریہ قید سے ملتی جلتی کوئی بات ہوئی ہو۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ جب ہماری نگاہ مستقبل پر ہے تو ماضی کی طرف کیوں دیکھیں۔ لیکن اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اور مستقبل میں اپنے پیر جمانے کی خاطر ماضی کو جاننا ضروری ہے اور ہم اس ماضی کو اور ساتھ ہی ساتھ حال کو بھول نہیں سکتے۔ اور چونکہ امریکن کیمپوں میں چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں پر جو گذری ہے ہم اسے بھولے نہیں۔ اسی لئے ہم آٹھویں پیرے میں ترمیم چاہتے ہیں۔ ماضی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح امریکی کیمپوں میں چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں پر جو آج گذر رہی ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر حقیقت کا سامنا کیا جائے تو چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن سے انکار کا من گھڑت افسانہ بے نقاب ہو جائے گا۔ اور اس کے بجائے یہ بات صاف ہو جائے گی کہ روحانی طور پر پامال، تباہ و پریشان لوگ کسی غیر جانب دار خطہ میں بھی اپنی خواہش کا اظہار اور اپنی قسمت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ مسٹر مینن کے پاس اس مشکل کا کیا حل ہے۔ ان کا حل بہت سادہ ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ غالباً دماغی بیماری کا شکار ہیں اور ان کی تجویز ہے کہ ان کو وطن واپس کرنے کے بجائے اسپتال میں رکھا جائے۔ لیکن مسٹر مینن میثاقِ جنیوا کے مطابق بیمار قیدیوں کو بھی وطن واپس جانا چاہیئے۔ آپ ان لوگوں کو پاگل کہہ کر پاگل خانوں میں بند نہیں کر سکتے اور وہاں انھیں مہینوں اور سالوں نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے اگر یہ لوگ دماغی بیمار ہیں تب بھی انھیں وطن واپس جانا چاہیئے۔ اور امریکی کیمپوں میں نہیں رہنا چاہیئے۔ اور ان سودائی یا نیم سودائی لوگوں سے یہ دریافت کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے کہ وہ وطن واپس جانا چاہتے ہیں یا نہیں۔

ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ سارا من گھڑت افسانہ کہ جنگی قیدیوں نے جبریہ واپسیٔ وطن کی مزاحمت کی خواہش یا ارادہ ظاہر کیا ہے محض اختراع پردازی ہے۔ یہ من گھڑت ہے کیونکہ اگر ایسا کوئی انکار ہے بھی تو وہ امریکی جبر و تشدد سے حاصل کیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں مسٹر لائیڈ کے اس بیان کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہوں جو اُن کے نزدیک ان ذاتی تاثرات کا نتیجہ ہیں جو انھیں ایک جنگی قیدیوں کے کیمپ میں جا کر حاصل ہوئے ہیں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جنگی قیدیوں سے جو گفتگو انھوں نے کی اس سے وہ بات ثابت نہیں ہوتی جسے وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ انھیں اپنی سابق سیاسی سرگرمیوں کی سزا کے مبینہ ڈر سے وطن واپس جانے سے واقعی انکار ہے۔ اس وقت میرے پاس صرف نام نہاد بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی کا بیان تھا۔ اور اس کے علاوہ وہ جو مسٹر لائیڈ نے یہاں کہا۔ اس وقت بھی یہ بات ظاہر تھی کہ مسٹر لائیڈ کی توجیہیں تنقید کی سطح سے نیچی ہیں۔ ہم نے برملا کہا تھا کہ یہ بات ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ ان دو یا تین آدمیوں کو جن سے مسٹر لائیڈ نے بات کی، کونسی بات واپسیٔ وطن سے باز رکھتی ہے۔ کیونکہ جو بات مسٹر لائیڈ نے کہی وہ واپسیٔ وطن سے انکار جیسے اہم اقدام کے لئے مناسب وجہ نہیں ہو سکتی۔ میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ جو مثالیں مسٹر لائیڈ نے دی ہیں وہ قابلِ یقین نہیں ہیں۔ اور انھوں نے صرف بے معنی ادعام

فقرے ادا کئے اور بغیر ثبوت کے یہ من گھڑت افسانہ دہرایا کہ کچھ چینی اور کوریائی جنگی قیدی وطن واپس نہیں جانا چاہتے۔ میں نے یہ بات ۱۰ نومبر کو کہی تھی۔ مگر مسٹر لائیڈ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اور چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں سے اپنی گفتگو کے بارے میں جو کچھ انھوں نے یہاں کہا۔ اس سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ سارا قصہ بہت ہی بھونڈے طریقے سے گھڑا گیا ہے۔ اور مسٹر لائیڈ کو خود، جو کچھ انھوں نے یہاں کہا۔ اس پر یقین نہیں ہے۔ اور کوریا میں مسلط امریکی افسروں کی اختراع پردازی ہے جس کا مقصد ہے کہ جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہ ہو سکے۔ اور جنگ طول پکڑتی رہے تاکہ امریکہ کے ادب پتی بڑھتے ہوئے لمبے منافع حاصل کرتے رہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ پچھلے سال امریکی اجارہ داروں نے کوریا کی لڑائی سے دو ارب ڈالر سے زیادہ منافع حاصل کیا۔

اب میرے پاس یہاں ایک دستاویز ہے جسے میں کمیٹی کے علم میں لانا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ کناڈا کے ایک اخبار "اسٹار ویکلی" کا ایک مراسلہ ہے جو اس کے جنگِ کوریا کے نامہ نگار ولیم اسٹیونس نے مسٹر لائیڈ کے ساتھ ایک جنگی قیدیوں کے کیمپ جانے کے بارے میں بھیجا تھا۔ اس مراسلے میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ولیم اسٹیونس مسٹر لائیڈ کے ساتھ ایک کیمپ میں گئے اور یہ کہ اس کیمپ میں امریکی کمان نے چیانگ کائی شیک اور سنگمین ری کے ایذا رسانوں کا عام استعمال کیا ہے تاکہ کوریا اور چین کے جنگی قیدی واپسیٔ وطن سے انکار کر دیں۔ اس مراسلے میں بتایا گیا ہے کہ نام نہاد کوریائی کمیونسٹ دشمن یوتھ لیگ جزیرہ کوجے میں اپنا کام کر رہی ہے اور جنگی قیدیوں کو ڈرا رہی ہے۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ چینی قوم پرستوں (چیانگ کائی شیک کے پیروؤں) کی کوریا میں دخل اندازی کس قدر موثر تھی۔ اس کا اندازہ اسے اس وقت ہوا جب وہ واحد نامہ نگار کوجے جزیرہ پر جنگی قیدیوں کے ایک کیمپ کو دیکھنے گیا جس کی نگرانی کمیونسٹ دشمن یوتھ لیگ کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ برطانوی سرکاری وزیر سلوین لائیڈ بھی تھے۔

کرنل جوسف جیمس جو جنرل لسٹایو کے نائب ہیں (امریکی فوج کے نام نہاد دوسرے کوارٹر ماسٹر کمان کے) نے توجیہہ کی ہے کہ کمیونسٹ دشمن یوتھ لیگ وہاں ضبط و نظم قائم رکھتی ہے اور جو لوگ قابو سے باہر ہو جاتے ہیں انھیں سزا دیتی ہے۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ کیمپ میں امن کی حفاظت اس لیگ کے لیڈروں کی مرضی پر منحصر ہے اور جنھیں ان کے کوٹ پر لگے ہوئے دھات کے بلّوں سے

پہچانا جا سکتا ہے۔ جب جنرل لستایو کو یقین ہو گیا کہ انھیں گزند نہیں پہنچ سکتا تو انھیں کیمپ میں "بٹالین کمانڈر" اپنے ساتھ لے گئے۔ جن کے ذریعے سے یہ لیڈر ان کے ساتھی جنگی قیدیوں پر نگرانی رکھتے ہیں۔ اس کیمپ میں دس ہزار چار سو چینی اور شمالی کوریائی جنگی قیدی تھے جنھوں نے واپسیٔ وطن کے خلاف ووٹ دیئے تھے۔ تھوڑی سی تحقیقات کے بعد ظاہر ہو گیا کہ اس ووٹنگ کا متفقہ ہونا ان جسمانی دھمکیوں کا نتیجہ تھا جو اس لیگ کی طرف سے دی گئی تھیں۔ اور جنھیں برابر لیگ کے حکم سے سرکشی کرنیوالے کے خلاف عمل میں لایا جاتا تھا۔ بہت کچھ اسی سے ملتے جلتے حالات اور دوسرے کمیونسٹ دشمن جنگی قیدی کیمپوں میں تھے جہاں چینی اتالیق جنگی قیدیوں سے کہتے تھے کہ ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ فارموسا بھیجے جانے کا مطالبہ کریں۔ ورنہ انھیں کیمپوں کے اندر رہ کر سڑنا ہوگا۔

اسٹیونس اسی مضمون میں آگے چل کر کہتا ہے کہ فارموسا کے اس طریق کار کے باعث کوریا کی جنگ بندی کی گفت و شنید کا تعطل بڑھ گیا ہے انجمن اقوام متحدہ کے نمائندوں نے یہ پالیسی اختیار کی ہے کہ جو بھی جنگی قیدی واقعی کمیونسٹ خطے میں واپس جانے سے ڈرتا ہو اُسے واپس نہ ہونے دیا جائے۔ یہ مضمون کہتا ہے کہ تب سے یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ انکار کرنے والوں میں سے بہت سے لوگوں کو کمیونسٹوں سے کسی قسم کے تشدد کا ڈر نہیں ہے۔ بلکہ دراصل وہ اپنے ہی کیمپ کے کمیونسٹ دشمن لیڈروں سے ڈرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل واقعہ پر میں خاموش نہیں رہ سکتا۔ کل مجھے ٹارنٹو سے وہاں کے ایک اخبار "کناڈین ٹریبیون" کے اڈیٹر چارلس سم کے ایک خط کی نقل ملی ہے۔ جو انھوں نے جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس کے صدر مسٹر پیرسن کے نام لکھا ہے۔ اس خط میں کہا گیا ہے کہ کوریا میں قیامِ امن اور کوریا کے محاذ سے کناڈا کے نوجوانوں کی بڑے دن کی واپسی میں صرف ایک چیز حارج ہے۔ اور وہ ایک چیز بین الاقوامی قانون اور انسانیت کے تمام اصولوں کی کوریا میں امریکی کمان کے ہاتھوں بیرحم پامالی ہے۔ اس خط میں کوریا کے جنگی نامہ نگار ولیم اسٹیونسن کے سنسنی خیز انکشافات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جو ٹارنٹو کے "اسٹار ویکلی" مورخہ ۲۲ نومبر میں چھپے تھے۔ وہ نامہ نگار اور برطانوی منسٹر آف اسٹیٹ سلون لائڈ جنگی قیدیوں کے ایک کیمپ کو دیکھنے گئے۔ وہاں انھوں نے اس بات کا ناقابل تردید ثبوت دیکھا کہ امریکہ کی فوج کے تعلیمی اور تہذیبی اداروں نے جنگی قیدیوں کے پاس دہشت انگیزوں کو بھیجا تاکہ وہ انھیں چیانگ کائی شیک کی فوجوں میں داخل ہونے پر مجبور کریں۔ اور اس بات کا بھی ناقابلِ تردید ثبوت دیکھا کہ کوریائی اداروں

چینی جنگی قیدیوں کی اکثریت وطن واپس جانا چاہتی ہے۔

اس خط میں مسٹر پیرسن سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اسٹیونس کے مضمون کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی دستاویزوں میں شامل کر لیں۔ اور اس بات کا مطالبہ کریں کہ کوریا میں جنگ فوراً ختم ہو اور جنگی قیدیوں کا معاملہ میثاق جنیوا کے مطابق طے ہو اور اس طرح کناڈا کے قومی مفاد اور انسانیت اور بین الاقوامی قوانین کے اصولوں کی حفاظت کی جائے۔

ان دستاویزوں سے اس من گھڑت افسانہ کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ چین اور کوریا کے قیدی وطن واپس جانے سے انکار کرتے ہیں اور انھوں نے وطن واپس کرنے کی ہر کوشش کی بزور مزاحمت کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مسٹر لائڈ جنھوں نے کمیٹی میں کہا تھا کہ وہ اپنی حکومت کی طرف سے خاص طور پر بھیجے گئے تھے کہ معلوم کریں کہ جنوبی کوریا میں جنگی قیدیوں پر سچ مچ کیا گذر رہی ہے۔ مگر انھوں نے ان واقعات کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

بہرحال ان کیمپوں کی حالت ولیم اسٹیونس نے "اسٹار ویکلی" کے ایک مراسلہ میں بیان کی ہے اپنے مراسلہ میں اس نے اس تشدد۔ ایذا رسانی اور دہشت کا ذکر کیا ہے جن کا چینی اور کوریائی جنگی قیدی ان کیمپوں میں کمیونسٹ دشمن لیگ، چیانگ کائی شیک اور سنگمین ری کے غنڈوں کے ہاتھوں شکار ہو رہے ہیں۔ اور جنھیں امریکی افواج کی حوصلہ افزائی اور مدد حاصل ہے نہ تو مسٹر مینن اور نہ پورے ہندستانی وفد نے اس بات کا خیال کیا ہے اور نہ اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان حالات میں ہندستانی تجویز کے اندر کسی بھی مقصد کے لئے جبر کے استعمال کی ممانعت کا ذکر نری لفاظی ہے اور الفاظ سے کھیل کر جنگی قیدیوں کیلئے واپسی وطن کے مسئلہ پر "حق" اور "آزادی" کا ذکر جھوٹ اور مکاری ہے۔ اس قسم کے الفاظ سے کھیلنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ امریکی کمان نے چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا ہے اس پر پردہ ڈالا جائے اور جنگی قیدیوں کے وطن واپس جانے سے انکار کی آڑ لیکر امریکی حکمران حلقوں کے مفاد کی خاطر معاہدہ جنگ بندی کو ناکام بنا دیا جائے۔

سوویت وفد اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اس مکاری کو بے نقاب کیا جائے اور اس وجہ سے ہندستانی وفد کی تجویز جیسے سجھاؤ کی حمایت سے قاصر ہے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ میثاق جنیوا اور عام طور پر مانے ہوئے بین الاقوامی اصولوں اور معیاروں کی بیباک خلاف ورزی کو جن کے مطابق ہر جنگی قیدی کو بلا کسی شرط کے اپنے وطن واپس جانا چاہیئے، بے نقاب کیا جائے۔ اس مطالبہ کو ٹھکرانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ امریکہ کے حکمران طبقے کے مفاد میں کوریا میں جنگ بندی کی

گفت و شنید کو ناکام بنایا جائے۔

اس وجہ سے برمحل ہوگا اگر میں "جرنل آف کامرس" (جریدہ تجارت) میں شائع شدہ ایک مضمون کا ذکر کروں جس میں کہا گیا ہے کہ اگر کوریائی جنگ ختم ہوگئی تو پھر سٹہ بازار میں گراوٹ آجائے گی۔ اور کیا نیویارک کے "بزنس ویک" (رسالہ تجارتی ہفتہ) نے اپنی ۸ ۲ نومبر کی اشاعت میں یہ نہیں کہا کہ جنگ بندی سے جس کساد بازاری کی پیشین گوئی کی گئی ہے ناگزیر ہو جائے گی۔

ان حالات میں ان لوگوں کے رویئے کے کیا معنی رہ جاتے ہیں جو کوریا میں جنگ بندی پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے صرف ایک معنی ہیں۔ ان کا رویہ کوریا میں جنگ جاری رکھنا۔

ان حالات میں کوریا میں جنگ بندی کے بارے میں ہمارے مطالبے کے کیا معنی ہیں۔ اس کے معنی ہیں خونریزی کو بند کرنا اور لاکھوں انسانی جانوں کو بچانا۔

اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ سوویت یونین کی تجویز کا مسودہ بنیادی طور پر ہندستانی تجویز کے کے مسودے سے مختلف ہے اور ان میں کوئی چیز مشترک نہیں۔

ہندستانی تجویز کا مسودہ کوریائی جنگ کو بند کرنے میں مدد نہیں دیتا۔ بلکہ اس کے برخلاف اسے طول دینے اور لڑائی کو جاری رکھنے میں مدد دیتا ہے۔

ہم پرجوش طریقے پر کوریا میں جنگ بندی کی اپنی تجویز کی حمایت کرتے ہیں۔ ہندستانی مسودہ کوریا میں جنگ بندی کو نامنظور کرتا ہے۔ ہم جھوٹے اعلانوں اور جھوٹے فقروں سے، جیسے یہاں کہے گئے ہیں گمراہ نہیں کئے جا سکتے۔

انجمن اقوام متحدہ کو امن کے لئے صرف الفاظ یا خالی خولی تجویزوں کے ذریعے جدّوجہد نہیں کرنی چاہیئے۔ انجمن اقوام متحدہ کو کوریا کے سوال کے پُرامن حل کے لئے عملی طور پر دخل اندازی کر کے جنگِ کوریا کا فوری خاتمہ کرنا چاہیئے

ہمیں اس بات کا فخر ہے کہ سوویت یونین ہی نے کوریا میں جنگ بندی کی گفتگو شروع کرائی تھی۔ اب ہمیں یہاں اس بات کا حق ہے کہ کوریا میں فوری اور مکمل جنگ بندی کے بارے میں فیصلہ کرانے کی کوشش کریں۔ ہم اس مقصد کے لئے ہر کوشش کر رہے ہیں کیونکہ ہمیں یقین کامل ہے کہ کوریا میں امن قائم کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے۔ ہم تمام نمائندوں سے پُرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ سوویت یونین کی تجویزوں کی حمایت کریں۔ کیونکہ کوریا میں واقعی اور فوری جنگ بندی اور پورے کوریائی مسئلہ کے پُرامن حل کا یہی راستہ ہے۔

کوریا کے سوال پر ۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو انجمن اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے مکمل اجلاس میں اے۔ وائی۔ ویشنسکی کی تقریر

پہلی کمیٹی میں کمیشن برائے اتحاد و آبادکاری کوریا کی رپورٹ پر بحث کے دوران میں سوال کے حدود کافی وسیع کر دئے گئے تھے۔ کیونکہ پہلی کمیٹی کے سامنے کوریا کے سوال کا ہر پہلو تھا۔ اور اس کے علاوہ کوریا میں اختتامِ جنگ اور جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کا سوال بحث کا مرکزی نقطہ بن گیا۔ اس وقت سوویت یونین کے وفد نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ بحث کو ایجنڈے کی مد ۱۶ع (الف) یعنی اتحادِ کوریا پر کمیشن کی متذکرہ بالا رپورٹوں تک محدود رکھنا غلط ہوگا۔ صرف اس وجہ سے سوویت یونین کے وفد نے پولینڈ کے وفد کی اس تجویز کی پُرزور تائید کی کہ سیاسی کمیٹی میں بحث سب سے پہلے پولینڈ کے وفد کی تجویز کے مسودے پر ہو۔ جسے جنرل اسمبلی کے سامنے ۷ار اکتوبر کو پیش کیا گیا تھا اور جس کا عنوان ہے "ایک اور عالمی جنگ کے خطرے کو دُور کرنا اور مختلف اقوام میں امن اور دوستانہ تعاون کو ترقی دینا"۔ اور جس کے پہلے پیرے میں کوریا کے سوال پر ٹھوس اور اہم سجھاؤ دئے گئے ہیں۔ اور جن میں یہ سجھاؤ بھی شامل ہے کہ زمین، سمندر اور ہوا میں جنگ فوراً ختم ہو اور تمام جنگی قیدی بین الاقوامی قانون کے ماتحت اپنے وطن واپس کئے جائیں۔

مگر یہ سجھاؤ منظور نہیں ہوا، یہ طے ہوا کہ سیاسی کمیٹی پہلے اتحادِ کوریا کے کمیشن کی رپورٹ پر بحث کرے۔ مگر بحث کے رُخ نے سیاسی کمیٹی کو مجبور کر دیا کہ کوریا کے سوال کے ہر پہلو پر بحث کی جائے صرف کمیشن کی رپورٹ تک محدود نہ رہے۔

بحث کے دوران میں جو قریب چھ ہفتے تک چلتی رہی سوویت یونین نے اس مسئلہ پر اپنے نقطۂ نظر کے ہر پہلو کی تفصیلی توجیہہ کی اور اس نے اپنی تجویز کا مسودہ بھی پیش کیا۔

اگرچہ اس وقت ہمارے سامنے امریکی تجویز کا مسئلہ براہِ راست نہیں ہے۔ مگر اس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کیونکہ ہندستانی تجویز بنیادی طور پر اس سے جڑی ہوئی ہے۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ امریکہ کا مقصد اپنی تجویز پیش کرنے سے یہ تھا کہ پہلی کمیٹی کے ذریعے سے امریکی کمان کے چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں کے ساتھ اپنے ناروا سلوک کی منظوری حاصل کرے۔ وہ سلوک جو آپ یاد رکھیں بین الاقوامی قوانین کے عام مسلمہ اصول اور ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کے اہم فیصلوں کی اندھا دھند خلاف ورزی کرتا امریکہ نے اپنے جنگی قیدیوں کے کیمپ میں جو نام نہاد "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" کیا ہے اس کے ساتھ جنگی قیدیوں پر جسمانی تشدد کے ساتھ بہیمانہ دباؤ ڈالا ہے اور کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کا قتل عام کیا ہے۔ وہ ایذا رسانی اور دہشت انگیزی جو امریکی کمان کی نام نہاد کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" کا ضروری حصہ تھی اور اب بھی ہے اس کی تصدیق بہت سے واقعات سے ہو چکی ہے۔ جزیرہ کوجے کے جنگی قیدیوں کے کیمپ کے امریکی کمانڈر جنرل کولسن اور ڈاڈ اور نام نہاد بین الاقوامی ریڈ کراس کمیٹی نے جو توجیہہ کی ہے اس سے اس کی تصدیق ہوئی اور اس مراسلے سے بھی جو کناڈا کے جنگی نامہ نگار ولیم اسٹیونس (جس نے ان کیمپوں کا بذاتِ خود معائنہ کیا ہے) نے اسٹار ویکلی کو بھیجا میں یہ مراسلہ پہلی کمیٹی میں پڑھ چکا ہوں۔

امریکہ کی تجویز اس قدر صاف طور پر کوریائی عوام کے خلاف جارحانہ جنگ جاری رکھنے کے حق میں تھی کہ جیسا کہ اس مسودہ پر پہلی کمیٹی میں ہونے والی بحث سے صاف ہو گیا ہے۔ امریکہ اس کو منظور کئے جانے پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ میکسیکو کے مسودے بھی صورتِ حال کو سنبھال نہ پائے کیونکہ وہ امریکہ کے مسودے کے اصولوں پر تھی گو کہ اس کی شکل کسی قدر بدلی ہوئی تھی۔

ہندستانی مسودہ ۱۹۴۹ء کے میثاق جنیوا کے بنیادی اصولوں اور آج کل کے رائج بین الاقوامی قانون کے عام طور پر مانے ہوئے ابتدائی اصولوں کے بالکل خلاف ہے۔ یہ مسودہ یعنی تمہید کا آٹھواں پیرا جیسا کہ ہم بار بار بتا چکے ہیں جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے بارے میں ایک بالکل غلط اصول قائم کرتا ہے جو میثاق جنیوا کے بالکل خلاف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ مسودہ اس جبریہ "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" کے بہیمانہ اور مجرمانہ طریقوں سے بالکل چشم پوشی کرتا ہے جو امریکی کیمپوں میں چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں کے ساتھ برتے گئے۔ اور آج بھی برتے جا رہے ہیں۔ ہندستانی مسودہ جس کی بنیاد اس قدر غلط ہے اپنے سامنے یہ مقصد نہیں رکھتا کہ امریکی کمان کو مجبور کرے کہ وہ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کے خلاف جبر و تشدد بند کرے جس کے ذریعے وہ انھیں زبردستی قید کئے ہوئے ہے۔ ہندستانی مسودہ ۱۹۴۹ء

میثاق جنیوا کی شرائط کو پورا کرنے کی ضمانت نہیں کرتا جن کے تحت ہر جنگی قیدی کو بلا کسی شرط کے وطن واپس جانا چاہیئے۔ اور میثاق جنیوا کے مطابق اس میں کسی استثنار کی گنجائش نہیں ہے اور جو کسی حالت میں جنگی قیدیوں کے بہ جبر قید رکھنے کے کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔ میثاق جنیوا کی اس اہم اور اصولی شرط کا خاص طور پر تذکرہ چینی عوامی ری پبلک کے وزیرِ خارجہ مسٹر چاؤ، این لائی، اور کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کے وزیر خارجہ مسٹر پاک ہین۔ ین کے تازہ بیانات میں ہے۔

ہندستانی مسودہ سارے مسئلے کو جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے مسئلوں تک محدود کر دیتا ہے۔ جو بالکل غلط ہے حالانکہ یہ مسئلہ بذاتِ خود بہت اہم ہے۔ واپسیٔ وطن کے مسئلہ کو کوریا کے سارے سوال سے الگ نہیں کیا جا سکتا جس کا حل اتحاد کوریا کی عام منطق کے مطابق ہونا چاہیئے۔ جسے کوریا کے عوام ایک ایسے کمیشن کی نگرانی میں خود عمل میں لائیں گے۔ جس میں اس معاملہ سے متعلق فریقین شریک ہوں گے اور دوسری ریاستیں بھی ہوں گی۔ جن میں وہ حکومتیں بھی شامل ہیں جنھوں نے کوریا کی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ ایسے کمیشن کی نگرانی میں فوری اقدامات کئے جائیں گے۔ جو دونوں طرف کے تمام جنگی قیدیوں کو واپس وطن جانے میں ضروری مدد دیں گے۔ ہندستانی تجویز کے مسودے میں اتحاد کوریا اور جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے لئے جس کمیشن کا سجھاؤ ہے اس سے ان فریقوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے جن کا کوریا کے سوال کے حل سے براہ راست تعلق ہے۔ اس طرح کے کمیشن کا قیام امریکی کمان کو موقع دیتا ہے کہ وہ رضاکارانہ واپسیٔ وطن کے بہانہ سے جنگی قیدیوں کے ایک حصے کو اپنے قابو میں رکھے۔ آپ کی توجہ اس امر کی طرف بھی دلائی جاتی ہے کہ اس تجویز کا مسودہ ہر سوال کا آخری فیصلہ ثالث پر چھوڑ دیتا ہے۔ جو انجامِ کار، جیسا کہ اس مسودے میں دیا ہے۔ انجمن اقوام متحدہ کی مرضی پر منحصر ہوگا۔ یعنی انجمن اقوام متحدہ کے اس حصے پر جس نے کوریا میں امریکہ کی جارحانہ جنگ پر انجمن اقوام متحدہ کی مہر ثبت کر رکھی ہے۔

ہندستانی وفد کے نمائندے مسٹر مینن نے پہلی کمیٹی میں کہا کہ ان کی تجویز کا مسودہ امن کا راستہ دکھلاتا ہے اور یہ بھی اعلان کیا کہ یہ تجویز جنگ بندی کی تجویز ہے یہ دعویٰ واقعات کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ جیسا ہندستانی مسودے سے ظاہر ہے اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو کوریا میں خونریزی فوراً ختم کر سکے۔ اس وجہ سے اس کا مقصد خونریزی کو جاری رکھنا ہے۔ ہندستانی وفد نے جو ترمیم آج پیش کی ہے اس سے اس معاملے میں کوئی بھی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ جنگ بندی فریقین میں سمجھوتہ ہونے پر مشروط ہے اور یہ فیصلہ نہیں ہے کہ فوری اور مکمل اختتام

جنگ ہوا ور سارے جنگی اقدامات زمین پر، سمندر سے اور ہوا میں روک دیے جائیں جیسا کہ سوویت یونین کی تجویز ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ کوریا میں جنگ کا اختتام۔ التوائے جنگ کے معاہدہ کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ التوائے جنگ کی گفتگو امریکہ کی طرف سے بلا کسی سبب کے روک دی گئی اور امریکہ نے میثاقِ جنیوا کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا جو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں ہیں۔ اور جن کے مطابق سارے جنگی قیدیوں کو کوریا اور چین کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔

یہ بات صاف ہو جانی چاہیے کہ کوریا میں جنگی اقدامات کے فوری طور پر رکنے کے بغیر کوریا میں امن کی جانب کوئی پہلا قدم، جیسا کہ مسٹر مینن نے کہا ہے نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اختتامِ جنگ کی ٹھوس شرائط التوائے جنگ کے اس معاہدے کے بارھویں نکتے میں موجود ہیں جسے لڑنے والے فریق پہلے ہی منظور کر چکے ہیں اس نکتے میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ دونوں فریقوں کے کمانڈر اپنی کمان کے سارے بری، بحری اور فضائی فوجوں کے نام سارے جنگی اقدامات کو پورے طور پر روک دینے کا ایک حکم جاری کریں گے۔

اس طرح کوریا میں جنگ بندی کے لئے فریقین کی مانی ہوئی شرائط موجود ہیں اب صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ اختتامِ جنگ عمل میں لایا جائے۔ سوویت یونین کے وفد کی یہی تجویز ہے لیکن اس کی مخالفت ہندستانی مسودے کے پیش کرنے والے اور دوسرے وفد کرتے ہیں جو کہ اس مسودے کے حامی ہیں اور جنھوں نے اس مسودے میں ان ترمیموں کو شامل کرنے کی مخالفت کی ہے جو سوویت یونین نے پیش کی ہیں۔

سوویت یونین کے وفد نے ہندستانی مسودے میں مزید کچھ ترمیمیں پیش کی ہیں اور ان نکات کے حذف کرنے کا سجھاؤ رکھا ہے جو واپسیِ وطن کے کمیشن کے حلقہ کار و تنظیم کے بارے میں ہیں۔ سوویت یونین کے وفد نے یہ اس لئے کیا ہے کہ کمیشن کی تنظیم اس کے لئے ناقابلِ قبول تھی اور اس کے نزدیک اس کمیشن کے حلقہ کار کو ہندستانی مسودے کی مجوزہ حدود میں محدود کرنا غلط ہوتا۔

ہندستانی تجویز کی ان اہم خامیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے۔ اور سوویت یونین کی تجویز کی ہوئی ان ترمیموں کے رد ہو جانے کے بعد جن کا مقصد اس مسودہ کو بہتر اور زیادہ قابلِ قبول بنانا تھا۔ سوویت یونین کا وفد ہندستانی مسودے کے خلاف ووٹ دیگا۔ سوویت وفد کو یقین کامل ہے کہ ہندستانی تجویز کا مسودہ جس کا مقصد جنگ کو ختم کرنا نہیں بلکہ اسے طول دینا ہے۔ کوریا کے سوال کے ایک پرامن حل کو قریب نہیں لاتا کوریا میں فوری اختتامِ جنگ اور امریکی کیمپوں میں مقید سارے کوریائی اور چینی جنگی قیدی اور امریکی کمان کے تحت میں کام کرنے والے دوسری فوجوں کے جنگی قیدیوں کی غیر مشروط واپسیِ وطن ہی سے کوریا کے سوال کا ایک حقیقی اور موثر حل کا راستہ کھلتا ہے اور یہ حل کوریا کے عوام اور تمام امن پسند عوام کے مفاد کے مطابق ہوگا۔

کوریا کے سوال پر چینی عوامی جمہوری ری پبلک کے وزیرِ خارجہ

چاؤ این لائی کا بیان

۱۴ دسمبر ۱۹۵۲ء کو چاؤ این لائی چینی عوامی جمہوری ری پبلک کی عوامی مرکزی حکومت کے وزیرِ خارجہ نے یہ تار لسٹر بی۔ پیرسن صدر جنرل اسمبلی متحدہ اقوام کے اس تار کے جواب میں بھیجا جس میں جنرل اسمبلی نے ہندستانی وفد کی تجویز کے مسودے کی بنیاد پر متحدہ اقوام کی جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس میں منظور کی تھی۔ اور کوریا متحدہ اقوام کے اتحاد و آبادکاری کوریا کے کمیشن کی رپورٹ پر بحث کی مد میں منظور شدہ تجویز کا متن ارسال کیا گیا تھا۔

چاؤ این لائی کے بیان کا متن یہ ہے۔

مسٹر لسٹر بی۔ پیرسن۔ صدر جنرل اسمبلی متحدہ اقوام۔ نیو یارک۔ ان۔ وائی امریکہ۔

مجھے آپ کا تار مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۵۲ء کو ملا۔ جس میں اس تجویز کا متن ارسال ہوا ہے۔ جو ہندستانی تجویز کے مسودے کی بنیاد پر ۳ دسمبر ۱۹۵۲ء کو متحدہ اقوام کی جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس میں ایجنڈے کے زیرِ بحث۔ کوریا متحدہ اقوام کے اتحاد و آبادکاری کوریا کے کمیشن کی رپورٹ کے سلسلے میں منظور کی گئی ہیں۔ میں چینی عوامی ری پبلک کی مرکزی عوامی حکومت کی طرف سے یہ جواب بھیجنے کے لئے مجاز کیا گیا ہوں۔

۱۔ متحدہ اقوام کی جنرل اسمبلی نے جنوری ۱۹۵۱ء میں غیر قانونی طور پر وہ قابلِ شرم اور اختراعی وار تجویز منظور کرنے کے بعد جس میں چین کو حملہ میں ابتدا کرنے والا قرار دیا گیا ہے اب چین کی عوامی ری پبلک اور کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کے نمائندوں کی غیر موجودگی میں بحث کر کے ایک تجویز منظور کی ہے جس میں امریکہ کے اس نقطہ نظر کی حمایت کی گئی ہے

جس کے تحت بین الاقوامی میثاقوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جنگی قیدیوں کو حراست میں رکھا جا رہا ہے اور کوریا کی جنگ کو طول دینے اور اسے پھیلانے میں مدد دی جا رہی ہے۔ اس طرح کی کارروائی کھلے طور پر غیر قانونی اور باطل ہے۔ اور چینی عوام اس کی پُرزور مخالفت کرتے ہیں۔

۲۔ یہ غیر قانونی تجویز جو جنرل اسمبلی نے منظور کی ہے۔ اور جس کی بنیاد ہندستانی تجویز کا مسودہ ہے۔ اور جس کا بنیادی مافیہ جنگی قیدیوں کے واپسیٔ وطن کا سوال ہے۔ آپ کے تار کی اس تشریح سے مطابقت نہیں کرتی کہ یہ "۱۲ اگست سنہ ۱۹۴۹ء کے جنگی قیدیوں کے بارے میں میثاقِ جنیوا کی شرائط اور التوائے جنگ کے معاہدے کے مسودے کے مطابق" جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے سوال کے بارے میں ہے۔ اس کے برخلاف اس کی نام نہاد "رضاکارانہ واپسیٔ وطن" یا "بغیر جبر واپسیٔ وطن" کے اصول پر ہے۔ اور یہ سب اصول بنیادی طور پر "جنگی قیدیوں کی جبریہ حراست" کے اصول ہیں اور اس اصول کی امریکہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۵۱ء سے بے جا حمائت کر رہا ہے۔ جب کہ کوریا کی التوائے جنگ کی گفت وشنید ایجنڈے کے اس مد پر پہنچی جو جنگی قیدیوں کے بارے میں تھی اور جسے عام طور پر میثاقِ جنیوا کی خلاف ورزی تسلیم کیا جا رہا ہے۔ آپ جس طرح جی چاہے دعویٰ کریں کہ یہ ریزولیوشن میثاق جنیوا اور بین الاقوامی قانون کے مطابق ہے۔ مگر یہ غیر قانونی تجویز۔ دراصل اپنے اصلی رُوپ میں "اکیس قوموں کی تجویز" کی بدلی ہوئی شکل ہے جسے امریکہ کے مسٹر ایچی سن نے جنرل اسمبلی کی پہلی کمیٹی کے سامنے ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ء کو پیش کیا تھا۔ امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ملکوں کے سرکاری نمائندوں نے نہ صرف بار بار اور کھلے طور پر تسلیم کیا ہے بلکہ اس بات کی حمائت کا اظہار کیا ہے کہ یہ غیر قانونی تجویز "نہایت ثابت قدمی اور جوش کے ساتھ رضاکارانہ واپسی وطن کے اصول کو حتمی طور پر منواتی ہے۔" سارے ممالک خواہ وہ انجمن اقوامِ متحدہ میں شامل ہوں یا نہ ہوں۔ خواہ وہ ہندستانی مسودے کے موافق ہوں یا مخالف۔ جانتے ہیں کہ یہ مسودہ امریکہ کے اصول "جبریہ واپسیٔ وطن نہ ہو" کی حمایت کرتا ہے۔ ہندستانی نمائندے مسٹر کرشن مینن۔ جنھوں نے یہ غیر قانونی تجویز پیش کی تھی خود اس حقیقت کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور مسٹر پیرسن کیا آپ نے بھی اپنی ۸ر دسمبر کی رپورٹ میں جو آپ نے جنرل اسمبلی کے کام کے بارے میں کناڈا کے ہاؤس آف کامنز کے سامنے پیش کی تھی۔ علانیہ

اسے تسلیم نہیں کیا تھا کہ اب بھی امریکہ کے "جبریہ واپسئ وطن نہ ہو" کا اصول ہی کوریا کی التوائے جنگ کی گفتگو میں اقوامِ متحدہ کی طرف سے گفتگو کی بنیاد ہے۔

ایسی غیر قانونی تجویز جس کی بنیاد نام نہاد "رضا کارانہ واپسئ وطن" یا "جبریہ واپسئ وطن نہ ہو" کے اصول پر ہے۔ اس سوال کو کسی صورت میں حل نہیں کر سکتی۔ جسے آپ کے تار میں "واحد سوال جو التوائے جنگ کی گفتگو کے دوران میں حل نہ ہو سکا" کہا گیا ہے یا دوسرے لفظوں میں "وہ اصول اور طریقے جن سے جنگی قیدیوں کی واپسئ وطن عمل میں لائی جائے"۔ واقعہ یہ ہے کہ اس واحد سوال کے بارے میں جس کا حل باقی رہ گیا ہے۔ کوریا کی التوائے جنگ کی گفتگو کے دونوں فریق ایک انتہائی تفصیلی اور ٹھوس تجویز پر متفق ہو چکے ہیں۔ جو متفقہ معاہدہ التوائے جنگ کی تیسری دفعہ میں ہے اور جو میثاقِ جنیوا اور بین الاقوامی رسوم کے مطابق جنگی قیدیوں کے مکمل واپسئ وطن کے اصول پر ہے۔ دفعہ ۳ نہ صرف کوریا کی جنگ کو ختم کرنے کے ایسے طریقے بتاتی ہے جو فریقین کو قابلِ قبول ہوں۔ اور جس کا ذکر آپ کے تار میں ہے۔ بلکہ کوریا کی جنگ ختم کرنے کے طریقے بھی بتاتی ہے۔ جن پر فریقین پہلے ہی سے متفق ہیں۔ اگر امریکہ جان بوجھ کر "رضا کارانہ واپسئ وطن" یا "جبریہ واپسئ وطن نہ ہو" کے اصولوں کو بہانہ بنا کر کوریا میں التوائے جنگ میں روڑے اٹکانے کے بجائے۔ التوائے جنگ کے معاہدہ کے مسودے کا پابند رہتا تو پھر یہ "واحد سوال جس کا حل رہ گیا ہے" بہت پہلے مناسب طریقے پر حل ہو گیا ہوتا۔ اور کوریا کی جنگ جس سے ساری دنیا کے عوام کو تشویش ہے بہت پہلے ختم ہو گئی ہوتی

دنیا کے عوام کو معلوم ہے کہ امریکہ کی حکومت نے ہی اس نام نہاد "رضا کارانہ واپسئ وطن" یا "جبریہ واپسئ وطن نہ ہو" کے اصول کی تائید کر کے (جب حقیقت میں یہ "اصول" جنگی قیدیوں کو جبریہ حراست میں رکھنے کا اصول ہے) میثاقِ جنیوا اور معاہدہ جنگ بندی کے مسودے کی خلاف ورزی کی ہے۔ اور کوریا میں التوائے جنگ کی گفتگو کو ناکام بنا دیا ہے۔ اور اس طرح جنگی قیدیوں کی واپسی کے سوال کو عرصہ تک ناقابلِ حل رکھنے کا امکان پیدا کر دیا ہے۔ امریکہ کی ان مجرمانہ خلاف ورزیوں کی جنرل اسمبلی نے حمایت بھی کی ہے۔ ایسی صورتِ حال کو چینی عوام ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ چینی عوامی ری پبلک کی مرکزی عوامی حکومت نے ہمیشہ التوائے جنگ کے بعد جنگی قیدیوں کے مکمل واپسئ وطن کے بنیادی اصول جسے میثاقِ جنیوا کی تصدیق حاصل ہے کی حمایت کی ہے اور کرتی رہے گی۔

۳۔ آپ نے جو تجویز بھیجی ہے اس کی بنیاد نہ صرف نام نہاد "رضاکارانہ واپسیٔ وطن" یا "جبریہ واپسیٔ وطن نہ ہو" کے اصول پر ہے بلکہ اس مفروضہ پر بھی ہے کہ واقعی کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو "وطن واپس جانے سے انکار کرتے ہیں" "جہاں وہ اپنے خاندان کے ساتھ پھر مل کر پُرامن زندگی بسر کر سکیں گے۔ یہ نہ تو انسانی فطرت کے مطابق ہے اور نہ واقعات سے میل کھاتی ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ امریکہ نے عرصہ سے میثاقِ جنیوا کی دفعہ ۱۷، اور دوسری دفعات جو جنگی قیدیوں کے ساتھ انسانی برتاؤ کے بارے میں ہیں بے باکانہ خلاف ورزی شروع کر دی ہے اور جنگی قیدیوں کے ان کیمپوں میں جو اس کی نگرانی میں ہیں بڑی تعداد میں امریکہ، سنگمن ری اور چیانگ کائی شیک کے خاص ایجنٹ ذمہ دار ہوں گے رکھ دیئے ہیں۔ بلکہ سنگمن ری اور چیانگ کائی شیک کے خاص ایجنٹوں کو کوریا اور چین کے جنگی قیدیوں کی طرح داخل کر دیا ہے اور یہ سب جنگی قیدیوں پر جبر و تشدد کرتے ہیں تاکہ ان سے "واپسیٔ وطن سے انکار" یا "گھر واپس جانے پر رضامند نہ ہونے کے اعلان حاصل کئے جائیں اور اس کے لئے بار بار نام نہاد "ترغیب"، "اسکریننگ"، "دوبارہ اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" کا استعمال کوریا اور چینی جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ ایذا رسانی۔ قتل عام اور عام فاقہ کشی جیسے بہیمانہ اور غیر انسانی طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

جو جنگی قیدی یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں انھیں یہ خاص ایجنٹ بری طرح پیٹتے ہیں۔ اور جب یہ جنگی قیدی اس شدید چوٹ سے بیہوش پڑے ہوتے ہیں تو یہ خاص ایجنٹ ان کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر ان کے جسم پر بلا ان کی مرضی کے ان کے وطن کے خلاف غداری کے شرمناک جملے گود دیتے ہیں یا جنگی قیدیوں کے انگوٹھوں کو انھیں کے زخموں سے بہتے ہوئے خون میں ڈبو کر "وطن واپس نہ جانے کی عرضیوں پر نشان لگا دیتے ہیں تاکہ اس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ گھر واپس جانے پر رضامند نہیں ہیں۔ یہ خاص ایجنٹ جعلی انگوٹھوں کا نشان حاصل کرنے کے لئے اپنے انگوٹھوں کو بھی ان جنگی قیدیوں کے خون سے بھگو لیتے ہیں جنھیں بے رحمی سے مار کر بیہوش کر دیا گیا ہے۔ ان سب باتوں کی ساری تفصیلات کی پوری تصدیق پچھلے ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ امریکہ اور برطانیہ کی خبر رساں ایجنسیوں کے مراسلے میں۔ ہندستان۔ کناڈا۔ برطانیہ اور ان دوسرے ملکوں کے اخبارات میں جو امریکہ کی طرف سے جنگ میں شریک ہیں۔ ہو چکی ہے اور اس کا اعتراف

جنگی قیدیوں کے امریکی کیمپوں کے کمانڈر بریگیڈیر جنرل کوتسن اور ڈاڈ نے کیا ہے اور ان چینی اور کوریائی جنگی قیدیوں نے کیا ہے جو کسی طرح ان موت کے کیمپوں سے بھاگ نکلے تھے۔ ریڈ کراس کی بین الاقوامی رپورٹ امریکہ کے وزیر دفاع رابرٹ لووٹ کے تازہ بیان مورخہ ۳ر دسمبر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

امریکہ اخلاقی پستی کی آخری گہرائیوں میں پہنچ کر اپنی بنائی ہوئی ان عرضیوں، اور گودنے کے نشانوں کو بہانہ بنا کر یہ شور مچاتا ہے کہ کوریائی اور چینی جنگی قیدی وطن واپس نہیں جانا چاہتے اور اب یہ غیر قانونی تجویز جو آپ نے بھیجی ہے یہ بھی دعویٰ کرتی ہے کہ میثاق جنیوا اس کی اجازت نہیں دیتا کہ قید کرنے والی حکومت ہر جنگی قیدی کو وطن واپس بھیجنے کے لئے جبر کارویہ استعمال کرے واقعہ تو یوں ہے کہ جنگی قیدی ایک فریق کے وہ محارب ہیں جو اپنے دشمن کے مسلح قابو اور جبری اطاعت میں ہیں اور انھیں کوئی آزادی نہیں ہے۔ التوائے جنگ ہوتے ہی دونوں طرف کے جنگی قیدیوں کو یہ حقوق حاصل ہیں تو پھر "جبریہ واپسئ وطن کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی انھیں اپنے دشمنوں کے مسلح قابو سے چھڑا کر اپنی جانب واپس بھیجنا چاہیئے تاکہ وہ پھر سے آزاد ہو سکیں اور اپنے وطن واپس جا کر پُرامن زندگی گذار سکیں۔ چونکہ جنگی قیدیوں کو یہ حقوق حاصل ہیں تو پھر "جبریہ واپسئ طن یا "ان کو بہ زور گھر واپس بھیجنے" کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔ یہ بے بنیاد دلیل کہ "قید کرنیوالی حکومت کو ہر جنگی قیدی کو وطن واپس بھیجنے میں جبر کے استعمال کا حق نہیں ہے۔ معیار پر ٹھیک نہیں اُترتی۔ میثاقِ جنیوا میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اس کے برخلاف میثاق جنیوا کی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ صاف طور پر کہتی ہے کہ قید کرنے والی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ التوائے جنگ عمل میں آنے کے بعد تمام جنگی قیدیوں کو جلد از جلد رہا اور وطن واپس کرے۔ البتہ قید کرنیوالی حکومت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ جنگی قیدیوں کی بے حرمتی کرنے اور حراست میں رکھنے کے لئے تشدد اور خاص ایجنٹوں کو استعمال کرے۔ ظاہر ہے کہ جنرل اسمبلی میں اس غیر قانونی تجویز کی منظوری کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے عوام کے غصے اور توجہ کو اس مجرمانہ جبر و تشدد سے ہٹا کر جو امریکی جنگی قیدیوں کی "اسکریننگ میں استعمال کرتا ہے نام نہاد اصولوں کی طرف کر دے کہ "جنگی قیدیوں کو وطن واپس جانے کے لئے مجبور کیا جا رہا ہے۔" اور "جنگی قیدیوں کو ان کے وطن واپس کرنے میں جبر کا استعمال نہ ہوگا"۔ ہر وہ شخص جو ایسا کرتا ہے "بنیادی انسانی جذبوں کی تردید کرتا ہے۔

اب بھی جبکہ جنرل اسمبلی کا ساتواں اجلاس ہو رہا ہے کوریا اور چین کے جنگی قیدیوں کا قتل عام جاری ہے کیونکہ انھوں نے "اسکریننگ" اور "ترغیب" کی مزاحمت کی ہے اور گھر واپس ہونے کی

غیر رضامندی" کا اعلان کرنے سے انکار کیا ہے۔ صرف امریکی اور برطانوی خبر رساں ایجنسیوں کے مراسلوں کے دیئے ہوئے اعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۴ اکتوبر سے ۲۴ دسمبر ۱۹۵۲ء تک ۳۲۱ چینی اور کوریائی جنگی قیدی قتل اور زخمی ہوئے ہیں۔ اوسطاً چھ یا سات کوریائی اور چینی جنگی قیدی روز شکار ہوئے۔ جب آپ جنرل اسمبلی میں یہ غیر قانونی تجویز منظور کرتے ہیں تو آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور "انسانی اصولوں" اور "جنگی قیدیوں کی آزادی رائے" پر آنسو بہا کر امریکہ کے بہیمانہ جرائم کی حمایت کرتے ہیں۔ آپ اپنے دماغ پر زور دیکر ہر ممکن اسکیم تیار کرتے ہیں تاکہ اس نام نہاد "رضا کارانہ واپسئی وطن" یا "جبریہ واپسئی وطن نہ ہو"۔ کے اصول پر عمل ہو سکے جب کہ یہ اصول در اصل امریکہ کا جنگی قیدیوں کا بہ جبر حراست میں رکھنے کا اصول ہے۔ دنیا کے ہر منصف مزاج شخص کو جنرل اسمبلی کی اس ذلیل حرکت پر سخت تعجب اور غصہ آنا ضروری ہے۔

۴۔ جو غیر قانونی تجویز آپ نے بھیجی ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ کوریا اور چین کے جنگی قیدی جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے ایک غیر جانبدار قوموں پر مشتمل واپسی کمیشن کو رہا کر دیئے جائیں اور فوج سے خالی علاقے میں پہنچا دیئے جائیں۔ جو لوگ وطن واپس جانا چاہتے ہوں انھیں اپنے وطن واپس جانے دیا جائے۔ اور ان میں سے جو گھر واپس جانے پر رضامند نہ ہوں وہ اس واپسئی وطن کمیشن کے سپرد کر دیئے جائیں۔ اور ۱۲۰ دن گذرنے کے بعد انھیں تصفیہ کے لئے انجمن اقوام متحدہ کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ بھی تجویز ہے کہ واپسئی کمیشن کے لئے ایک ثالث مقرر ہوا اور اگر ثالث کے تقرر پر کوئی تصفیہ نہ ہو سکے تو معاملہ جنرل اسمبلی میں پیش ہو۔ اس ثالث کو واپسئی وطن کے کمیشن میں فیصلہ کن اختیارات ہوں گے۔ انجمن اقوام متحدہ کو ثالث کے تقرر اور ان جنگی قیدیوں کے تصفیہ کا آخری اختیار دینا جو "وطن واپس جانے پر رضامند نہیں" ہیں، واقعی سخت مہمل ہے۔ کیا جن لوگوں نے یہ غیر قانونی تجویز جنرل اسمبلی میں پیش کی ہے اور اسے منظور کیا ہے یہ بھول جاتے ہیں کہ کوریا میں لڑنے والا ایک فریق خود انجمن اقوام متحدہ ہے۔

صاف طور پر یوں کہنا چاہیئے کہ ایک چکردار راستے سے گذرنے کے بعد جس میں ہر قسم کی فریب دہی سے کام لیا گیا۔ اس تجویز میں در اصل وہ تمام باتیں موجود ہیں جو امریکہ نے پان مون جان میں ۲۸ ستمبر ۵۲ء کو تین تجویزوں کے ذریعے پیش کی تھیں۔ پھر بھی اس تجویز کے الفاظ انتہائی ہوشیاری سے چنے گئے ہیں تاکہ دنیا کے عوام کو زیادہ آسانی سے دھوکا دیا جا سکے۔ اور بین الاقوامی میثاقوں کے خلاف جنگی قیدیوں کو بجبر حراست میں رکھنے کی اسکیم پر امریکہ آسانی سے عملدرآمد کر سکے۔

جیسا کہ اوپر بتایا جاچکا ہے اس بے معنی دعوے کو ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا کہ جنگی قیدی "واپسیٔ وطن پر رضامند نہیں"۔ اس کے علاوہ یہ سوال اس طرح بھی حل نہیں ہو سکتا کہ واپسیٔ وطن کے کمیشن کو جس میں غیر جانبدار قومیں شامل ہوں گی سارے جنگی قیدیوں کو وطن واپس بھیجنے کا کام سونپ دیا جائے۔ جیسا کہ کہا جاچکا ہے کہ امریکہ نے کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں میں سنگمین ری اور چیانگ کائی شیک کے خاص ایجنٹوں کی ایک بڑی تعداد کو داخل کر رکھا ہے۔ یہ ایجنٹ اکثر ان میں سے چند کی غیر معمولی دماغی حالت سے فائدہ اٹھا کر دھمکایا کرتے ہیں۔ ان کے جسموں پر اپنے ملک کیخلاف غدارانہ گودنے گودکر اور ان سے بجبر انکارِ واپسیٔ وطن کی عرضیوں پر انگوٹھے کا نشان بنوا کر انکی توہین کرتے ہیں۔ اور ان کے دل میں خوف پیدا کرتے ہیں۔ اگر یہ خاص ایجنٹ کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں سے الگ اور دور نہیں کئے جاتے۔ تو پھر ان قیدیوں سے ملاقات اور پوچھ گچھ ناکام رہے گی۔ اور اس بات کے امکان باقی رہیں گے کہ وہ جنگی قیدی جنھوں نے خون سے انگوٹھے کے نشان دئے ہیں۔ یا جن کے جسم زبردستی گودے جاچکے ہیں۔ واپسیٔ وطن سے انکار پر مجبور کئے جائیں۔ اور جنھیں یہ ایجنٹ کہیں اور پہنچا دیں۔ اس وجہ سے ان حالات میں جب جنگی قیدی واپسیٔ وطن کے کمیشن کے زیرِ انتظام ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہوگا کہ ان ایجنٹوں کو کوریا اور چین کے جنگی قیدیوں سے الگ اور دور رکھا جائے۔ یہ صرف ان جنگی قیدیوں کو ان کی اپنی طرف بھیج دینے کے بعد ہی ممکن ہو سکے گا۔

کوریا کی عوامی فوج کے سپہ سالار اعظم جنرل کم ارسین چینی رضاکاروں کے کمانڈر جنرل پینگ تے ہوائی۔ امریکہ کے جنرل کلارک کے نام اپنے خط مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں تجویز کر چکے ہیں کہ سب جنگی قیدی ایک ایسے خطے میں لائے جائیں جہاں کسی فریق کی فوج نہ ہو اور وہاں دوسرے فریق کے سپرد کر دئے جائیں۔ اور وہ انھیں قبول کرے۔ اور واپسیٔ وطن سے پہلے ملاقات اور معاملات صاف کرنے کا موقع ملے۔ جس پیچیدہ صورتِ حال کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے اس کا خیال کرتے ہوئے اس تجویز کے ماتحت جنگی قیدیوں کو فریق مخالف کی مسلح قید سے رہائی ملتی ہے اور انھیں اپنی حکومت کی پناہ ملتی ہے۔ اور اس طرح سب جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن۔ انسانیت کے اصول۔ بین الاقوامی طریقوں اور میثاقِ جنیوا کے مطابق عمل میں آتی ہے۔ اگر جنرل اسمبلی امریکہ کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی نہیں ہے تو اسے جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے بارے میں کوریا اور چین کی جانب سے رکھی ہوئی اس سلجھی ہوئی اور معقول تجویز کو ماننے میں

کوئی عذر نہ ہونا چاہیئے۔

۵۔ اوپر کہی ہوئی باتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ غیر قانونی تجویز جو آپ نے بھیجی ہے نہ صرف غیر منصفانہ ہے بلکہ غیر معقول بھی ہے۔

یہ غیر قانونی تجویز غیر معقول ہے کیونکہ یہ انسانی ضمیر کے خلاف ہے۔ انسانیت کے اصولوں بین الاقوامی طریقوں۔ اور اس کے علاوہ میثاقِ جنیوا اور معاہدۂ التوائے جنگ کے مسودے کی بیّن خلاف ورزی ہے۔ یہ غیر معقول ہے کیونکہ یہ جنگی قیدیوں کے وطن واپس نہ جانے کی خواہش کو تسلیم کرتی ہے۔ جب کہ یہ خواہش امریکہ کے بہیمانہ طرزِ عمل کے باعث وجود میں آئی یہ غیر معقول ہے کیونکہ یہ لاکھوں کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی بجبر حراست پر اصرار کرتی ہے تاکہ کوریا اور چین، امریکہ کے ناجائز مطالبوں کو تسلیم کر لیں۔ یہ غیر منصفانہ ہے کیونکہ یہ کوریا اور چین پر رضا کارانہ واپسیٔ وطن کا بالکل بے بنیاد اصول عمداً لاد دینا چاہتی ہے۔ اس اصول کو امریکہ نے ہمیشہ سراہا ہے۔ یہ تجویز غیر منصفانہ ہے۔ کیونکہ وہ بلا کسی وجہ کے کوریا اور چین کی اس تجویز کو رد کرتی ہے کہ سب جنگی قیدی میثاقِ جنیوا کی شرائط کے مطابق وطن واپس ہوں اور سوویت یونین کی اس تجویز کو رد کرتی ہے کہ کوریا میں جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن سے پہلے سارے جنگی اقدامات روک دیئے جائیں۔

ان واقعات کی روشنی میں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ کو باضابطہ طور پر اطلاع دوں کہ چین کی عوامی ری پبلک کی مرکزی عوامی حکومت کی نظر میں اس قسم کی غیر قانونی تجویز کس طرح "باہمی تصفیہ کی ایک معقول اور منصفانہ بنیاد" نہیں بن سکتی۔

جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے مسئلہ پر مرکزی عوامی حکومت کا خیال ہے کہ چین اور کوریا کی جانب سے یہ مطالبہ معقولیت اور انصاف پر مبنی ہوگا کہ سارے قیدی وطن واپس ہوں چونکہ یہ اصول انسانیت کے اصولوں اور میثاقِ جنیوا کے مطابق ہے کوریا کی جنگ بندی کی گفت و شنید میں جنگی قیدیوں کی واپسیٔ وطن کے سوال پر حل صرف میثاقِ جنیوا کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ کسی بھی غیر قانونی اصول کو نہ بنیاد بنایا جا سکتا ہے اور نہ بنانا چاہیئے۔ میثاقِ جنیوا پر عمل کرتے ہوئے کوریا اور چین کی طرف سے برابر اس کا اعلان ہوا ہے کہ کوریا میں التوائے جنگ ہوتے ہی دونوں فریقوں کو فوراً بلا کسی شرط کے جنگی قیدیوں کی جلد از جلد اور مکمل واپسیٔ وطن کرنا چاہیئے۔ اور اس مقصد کے لئے ہم ریڈ کراس کے مشترکہ دستے کا

استقبال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تاکہ وہ جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں جاکر دوسری طرف سے اپنے وطن واپس جانے میں مدد دے۔ ظاہر ہے کہ کوریا اور چین۔ آپ ہی کے تار کے الفاظ کے مطابق ہر ممکن کوشش کے لئے تیار ہیں۔ جس سے کہ سب جنگی قیدی اپنے وطن جاسکیں اور جس سے ان کی جلد واپسی میں مدد مل سکے۔ لیکن آپ کی بھیجی ہوئی غیر قانونی تجویز کو منظور کرنے سے جو نہ تو منصفانہ ہے اور نہ معقول۔ سب جنگی قیدیوں کی جلد واپسئ وطن ناممکن ہوجائے گی۔ اسے تسلیم کرنا امریکہ کے ناپاک تشدد کے آگے سر جھکانا ہے۔ جو کہ جنگی قیدیوں کے انسانی حقوق کو پاؤں تلے روندتا ہے۔ اس طرح سچی جنگ بندی بالکل ناممکن ہوجائے گی۔ اس کے علاوہ اگر ہم "رضا کارانہ واپسئ وطن" کے اصول کو مان لیں جیسے کہ امریکہ مانتا ہے اور جو آپ کی بھیجی ہوئی غیر قانونی تجویز میں موجود ہے۔ اگر ہم امریکی حکومت کی بین الاقوامی قانون کے ان اصولوں کی خلاف ورزی کو مان لیں جو بین الاقوامی نظم قائم رکھتے ہیں اور جنگی قیدیوں کے انسانی حقوق کو مانتے ہیں تو جو نارواا مظالم آج کوریا اور چین کے جنگی قیدیوں پر ہو رہے ہیں کل دوسری قوموں کے ان شہریوں پر ہوں گے جو جنگی قیدی ہوجائیں گے۔ اسی طرح جو مظالم کوریا اور چین پر بے جا حملے کا شکار ہوکر آج برداشت کررہے ہیں کل دنیا کی کسی دوسری قوم پر ہوسکتے ہیں۔

۶۔ آپ کے تار میں یہ دکھلانے کی کوشش میں کافی لفاظی کی گئی ہے کہ اس غیر قانونی تجویز کو مان کر جس کا اصلی جزو امریکہ کا "اصول رضا کارانہ واپسئ وطن" ہے۔ اور جس نے صرف ہندستانی تجویز کا لبادہ پہن رکھا ہے۔ آپ سب کوریا کی جنگ کے جلد ختم ہونے کی دل سے تمنا رکھتے ہیں۔ پھر بھی یہ غیر قانونی تجویز جو آپ نے بھیجی ہے۔ صاف طور پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ امریکی حکومت کی مجرمانہ پالیسی کے سامنے ہتھیار ڈال دینے کے مترادف ہے۔ جو کہ تشدد اس مقصد سے استعمال کرتی ہے کہ جنگی قیدیوں کو بجبر حراست میں رکھا جاسکے۔ اور کوریا کی التوائے جنگ کی گفتگو ختم ہوجائے اور کوریا کی جنگ طول پکڑے اور پھیلے۔ آپ سب لوگ کوریا میں جنگ ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش نہیں کررہے ہیں۔ آپ اس بات کی ہر ممکن کوشش کررہے ہیں کہ چند ان قوموں پر جنھیں جنرل اسمبلی میں نمائندگی حاصل ہے دباؤ ڈال کر یا ترغیب دے کر امریکہ کی اس پالیسی کی مشترکہ تصدیق کی جائے کہ نہ جنگ بندی ہو، نہ گفت و شنید ہو، نہ پرامن تصفیہ ہو۔ بلکہ کوریا کی جنگ پھیلے اور طول پکڑے"۔ اور

اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ سب کی یہ بھی کوشش ہے کہ اختتامِ جنگ میں ناکامی کی ذمہ داری کوریا اور چین پر ڈال دی جائے۔ یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ذمہ داری لادنے کی آپ کی یہ کوشش ناکام رہے گی۔

اگر جیسا آپ اپنے تار میں فرماتے ہیں جنرل اسمبلی کی "متفقہ خواہش کوریا میں امن قائم کرنے کی ہے" تو اسے بین الاقوامی قانون اور میثاق جنیوا کے مطابق جنگی قیدیوں کی مکمل واپسئ وطن پر اصرار کرنا چاہیئے۔ اسے زور دار مطالبہ کرنا چاہیئے کہ امریکہ کی جانب سے پان مون جان کی گفتگو پھر شروع ہو جس کی بنیاد مسٹر وشینسکی کی ۱۰؍ اور ۲۴؍ نومبر کو پیش کی ہوئی کوریا کے سوال کے پُرامن حل کے متعلق تجویز ہو۔ اسے لڑنے والے فریقوں کو مجبور کرنا چاہیئے کہ معاہدہ جنگ بندی کوریا کے مسودہ کی شرائط کے مطابق مکمل جنگ بندی عمل میں لانے کا پہلا قدم اُٹھائیں۔ اور پھر جنگی قیدیوں کی مکمل واپسئ وطن اور کوریا کے سوال پر پُرامن حل کے سوال کو "ایک کمیشن کے سپرد کر دیں۔ جو امریکہ، برطانیہ، فرانس، سوویت یونین، چین کی عوامی جمہوری ری پبلک، ہندستان، برما، سوئٹزرلینڈ، چیکوسلواکیہ، کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک اور جنوبی کوریا پر مشتمل ہو۔ یہ کمیشن اسی معاہدۂ جنگ بندی کوریا کی دفعہ ۶۰ کے مجوزہ سیاسی کمیشن کی قسم کا ہے۔ جس کا تذکرہ آپ کے تار میں ہے۔ اور اس کی تنظیم سب سے زیادہ منصفانہ اور معقول ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا گیا تو کوریا میں جنگ بندی ممکن ہے۔ اور کوریا کے عوام کی مصیبت اور دونوں فریقوں کے حامیوں کا کشت و خون رک سکتا ہے۔ اور اس طرح جنرل اسمبلی واقعی کوریا میں جلد امن قائم کر سکتی ہے۔

لیکن جنرل اسمبلی کا موجودہ اجلاس ایسی منصفانہ اور معقول تجویز کو جس سے واقعی امن قائم ہو سکتا ہے پہلے ہی سے رد کر چکا ہے۔ میں اس موقع پر پھر یہ تجویز پیش کروں گا کہ دُنیا کے عوام کی دلی خواہشِ امن پوری کرنے کے لئے چینی عوام کی کوریا میں جلد امن واپس لانے کی پُرخلوص خواہش کو واضح کرنے کے لئے، اور جنگی قیدیوں کی واپسئ وطن کے سوال کو کوریا میں جنگ بندی کو ٹالنے کی خاطر بہانہ نہ بننے دینے کے لئے چینی عوامی ری پبلک کی مرکزی عوامی حکومت یہ درخواست کرتی ہے کہ جنرل اسمبلی اس غیر قانونی تجویز کو جو آپ نے بھیجی ہے منسوخ کر دے اور امریکہ کی حکومت کو ہدایت کرے کہ وہ پان مون جان کی گفت و شنید پھر سے شروع کرے اور کوریا کی معاہدۂ جنگ بندی کے مسودہ کو بنیاد پر پہلا قدم یہ اُٹھائے کہ مکمل جنگ بندی ہو۔ اور پھر جنگی قیدیوں کے مکمل واپسئ وطن کے سوال کو متذکرہ بالا کمیشن برائے پرامن تصفیہ سوال

کوریا" کے سپرد کر دیا جائے۔ اگر جنرل اسمبلی اس درخواست پر بحث کرنے کے لئے تیار ہے تو چینی عوامی ری پبلک اور کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کا بحث میں حصّہ لینا ضروری ہے اگر جنرل اسمبلی اس قدر منصفانہ درخواست کو بھی رد کرتی ہے اور اس غیر قانونی تجویز کی حمایت پر مُصر ہے جو کہ بین الاقوامی میثاقوں کے خلاف امریکی حکومت کی جنگی قیدیوں کے بجبر حراست میں رکھے جانے کی حمائت کرتی ہے۔ تو یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ آپ کا مقصد کوریا اور مشرق بعید میں امن قائم کرنے کے بجائے کوریا کی جنگ کو طول دینا اور پھیلانا ہے تاکہ آگے بڑھ کر مشرق بعید اور ساری دنیا میں آئندہ کسی وقت بھی امن کو اور زیادہ خطرے میں ڈالا جا سکے یہ انجمن اقوام متحدہ کو امریکہ کی حکمران ٹولی کے ہاتھوں میں آلہ بنتے جانے کو اور زیادہ بے نقاب کرتا ہے تاکہ جنگ کی تیاری ہو اور جنگ پھیلے۔ امریکہ کے حکمران طبقے کی جنگی پالیسی کی حمائت کرنے والے ہر فریق کو اپنے عمل کے نتائج سے دوچار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

۷۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ اس جواب کا پورا متن جنرل اسمبلی میں تقسیم کر دیا جائے۔

میری طرف سے انتہائی لحاظ کے جذبات قبول کیجئے۔

چاؤ۔ این۔ لائی

وزیر خارجہ مرکزی عوامی حکومت چینی عوامی ری پبلک

مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۵۲ء۔ از پیکنگ

کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک کے وزیرِ خارجہ پاک ہین ین کا بیان

کوریا کی مرکزی ٹیلی گراف ایجنسی نے عوامی جمہوری ری پبلک کوریا کے وزیر خارجہ پاک ہین ین کا یہ تار شائع کیا ہے جو اقوامِ متحدہ کی جنرلِ اسمبلی کے ساتویں اجلاس کے صدر کے نام بھیجا گیا ہے جو یوں ہے:-

مسٹر پیرسن
صدر، اجلاس ہفتم
جنرل اسمبلی اقوام متحدہ
نیو یارک۔

مجھے اس بات کی تصدیق کرنے کا شرف ملا ہے کہ آپ کا ۵ دسمبر کا بھیجا ہوا تار مجھے ملا۔ جو اس نام نہاد تجویز سے متعلق ہے جسے کہ جنرل اسمبلی نے اپنے عام اجلاس میں کوریا کے سوال پر ۳ دسمبر کو منظور کیا اور جو کہ ایجنڈے کی سولہویں مد تھی۔

اس سلسلے میں کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومت کی طرف سے مجھے یہ اعلان کرنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ متذکرہ بالا تجویز کے پیچھے نہ تو وہ قانونی طاقت ہے جو کوریا کے سوال پر کسی تجویز کے لئے ضروری ہے۔ اور نہ وہ اس مجرمانہ اور جارحانہ جنگ کو روک ہی سکتی ہے۔ جو امریکہ نے کوریا میں جاری کر رکھی ہے۔ اور نہ وہ پُرامن طریقے پر کوریا کے سوال کو حل ہی کر سکتی ہے۔ اس کے نزدیک یہ ایک غیر منصفانہ تجویز ہے جو امریکہ کے کوریا کی جارحانہ اور مجرمانہ جنگ کو طول دینے اور پھیلانے کے ناپاک ارادوں کو حمایت کرتی ہے۔

کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومت اس تجویز کو کوریا اور دنیا کے اور امن پسند عوام کے پُرامن ارادوں اور فوری تقاضوں کے مطابق نہیں سمجھتی۔

اس سال ۱۷ اکتوبر کو کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کی ہدایت پر میں نے مطالبہ کیا

تھا کہ کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کے سرکاری نمائندہ انجمن اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں کوریا کے سوال پر بحث میں حصہ لیں ۔ میں نے اس کا اعلان کیا تھا کہ کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک اور کوریا کے عوام ہر اُس بحث اور تجویز کو غیر قانونی قرار دیں گے جس میں کہ ان کے وفد کی شرکت نہ ہوگی ۔ یہ اصول کہ اس حکومت اور قوم کے سرکاری نمائندوں کو ایسے بین الاقوامی جلسوں میں اپنا نقطۂ نظر ظاہر کرنے کا موقع ملنا چاہیئے جس میں اس حکومت اور قوم کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہو ۔ نہ صرف اس سوال کے منصفانہ تصفیہ کے لئے پہلی شرط ہے بلکہ مہذب سماج کا ایک بنیادی اصول ۔ اور بین الاقوامی اجلاسوں کے جمہوری اور آزاد طریقوں پر ہونے کے لئے بھی ضروری شرط ہے ۔ لیکن باوجود اس کے انجمن اقوام متحدہ کی ایک اکثریت نے امریکہ کے حکمراں طبقے کی ہدائت پر کام کرتے ہوئے کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کی حکومت کی اس درخواست کو ٹھکرا دیا اور کوریائی عوام کے سرکاری نمائندے کو کوریا کے سوال پر بحث میں حصہ لینے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ۔ اور لی سینگ مان کے گٹ کے نمائندہ کا بیان سُنا جس کو کوئی قانونی حق حاصل نہیں ہے ۔ اور جس سے کوریا کے عوام نفرت کرتے ہیں ۔

اس کی کیا وجہ بتائی جا سکتی ہے کہ انجمن اقوام متحدہ کی اکثریت نے ۔ امریکہ کی ہدایات کی اطاعت کرتے ہوئے کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک کے نمائندے کو جنرل اسمبلی کے اجلاس میں آنے کی اجازت نہ دی ۔ حالانکہ کوریا کے سوال کے منصفانہ فیصلے کے لئے دونوں فریقوں کے نمائندوں کی موجودگی ضروری تھی ۔ اس کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ہے کہ اقوامِ متحدہ کی اکثریت کوریا کے سوال کا منصفانہ فیصلہ نہیں چاہتی ۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ گروہ ڈرتا ہے کہ کوریا کی عوامی جمہوری ری پبلک کے نمائندے ان جرائم کو بے نقاب کر دیں گے ۔ جو امریکہ نے کوریا میں انجمن اقوام متحدہ کے جھنڈے کے نیچے کئے ہیں ۔ کوریا کے سوال "تجویز کا مسودہ" جو انجمن اقوام متحدہ کے اسٹیج کے باہر پس پردہ امریکن ڈالر کی مدد سے بنایا گیا ہے ۔ ان حالات میں نہ صرف غیر قانونی ہے بلکہ ایک مجرمانہ دستاویز ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ۔ اس لئے میں اس غیر قانونی "تجویز کے مسودہ" کے خلاف احتجاج کرتا ہوں جو کہ امریکہ کی ہدایت پر تیار ہوا ہے اور جس کا مقصد دنیا بھر کے ایماندار لوگوں کو دھوکا دینا ۔ اور عالمی رائے عامہ کو گمراہ کرنا ہے ۔ جو تجویز آپ نے منظور کی ہے وہ ہماری حکومت کے لئے نا قابلِ قبول ہے اس طرح جنگی قیدیوں کی واپسی وطن کے متعلق تجویز بھی ہماری حکومت کے لئے نا قابلِ قبول ہے ۔ میثاق جنیوا مورخہ ۱۲ اگست ۱۹۴۹ء

کے واضح اصولوں کے باوجود جو تجویز آپ نے منظور کی ہے وہ امریکہ کے نام نہاد "اصول رضاکارانہ واپسیٔ وطن" پر مبنی ہے۔ جس پر امریکہ کو اس قدر اصرار ہے۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ اس طرح کا مطالبہ کرنا جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی دراصل ہماری طرف کے محبان وطن کے خلاف تشدد کرنا اور ان کے حوصلے کو توڑنا ہے۔ اس مطالبہ کا اصل مطلب جبریہ "اسکریننگ" اور "پوچھ گچھ" ہے جس کے دوران میں بہیمانہ دباؤ استعمال کیا جاتا ہے جس میں نہتے لوگوں کا قتل عام شامل ہے۔ اس غیر انسانی اصول کا اصل مطلب کسی نہ کسی طرح کوریائی اور چینی جنگی قیدیوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے قابو میں رکھنا ہے۔ اس اصول سے امریکہ اور اس کے طفیلیوں کے جارحانہ مقاصد اور ارادوں کی تصدیق ہوتی ہے جو کوریا کی جنگ کو پُرامن طریقہ پر نہیں بلکہ جنگ کے ذریعے سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی فریب اور امریکہ کی کوئی فوجی دھمکی کوریا کے عوام کو ڈرانے اور مغلوب کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے ملک کی آزادی اور خودمختاری کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اور امریکہ کے فوجی موقعہ بازوں کو بہت پہلے ہی اس کا علم ہونا چاہیئے تھا۔ اگر انجمن اقوام متحدہ کوریا کی جنگ کو ختم کرنے کی ہر کوشش کرنے کے لئے واقعی تیار ہے جیسا کہ آپ کے تار میں کہا گیا ہے تو اسے ریاکارانہ طریقے سے کام نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ کوریا کے سوال کو ایک منصفانہ طریقے پر حل کرنا چاہیئے اور سب سے پہلے کوریا میں فوری جنگ بندی ہونی چاہیئے۔

اوپر جو کہا گیا ہے اس کی بنیاد پر میری خواہش ہے کہ آپ جنرل اسمبلی کے صدر کی حیثیت سے ضروری اقدامات کریں تاکہ متذکرہ نام نہاد غیر قانونی تجویز منسوخ ہو جو کہ جنرل اسمبلی نے امریکہ کی جارحانہ پالیسی پر پردہ ڈالنے اور کوریا کی جنگ کو طول دینے اور پھیلانے کے لئے منظور کی ہے۔

۲۔ وہ طریقے سوچے جائیں اور منظور ہوں جن سے کوریا میں فوری جنگ بندی ہو اور کوریا کے سوال کا پُرامن فیصلہ اس تجویز کی بنا پر ہو جسے کہ سوویت یونین نے اس سال ۱۰ اور ۲۴ نومبر کو پیش کیا تھا اور جس کی سارے دنیا کے پُرامن عوام پُرجوش حمایت کرتے ہیں۔

۳۔ کوریا کی عوامی جمہوری ریپبلک کے نمائندوں کو جو کوریا کے عوام کے سچے نمائندے ہیں متحدہ اقوام کے اداروں میں کوریا کے سوال پر بحث میں حصہ لینے کی اجازت ہو۔

۴۔ جو لوگ پان مون جان کی جنگ بندی کی گفتگو کو ختم کرنے کے گنہگار ہیں۔ یعنی امریکہ کی طرف کے نمائندوں سے جنھوں نے یکطرفہ یہ اعلان کیا کہ گفتگو ایک غیر معین میعاد کے لئے ختم

ہوگئی جبکہ اس گفتگو میں جنگی قیدیوں کے علاوہ ہر بنیادی سوال کا فیصلہ ہوچکا تھا۔ ان سے جواب طلب کیا جائے۔

۵۔ شہروں اور قصبوں کی پُر امن آبادی پر امریکہ شمالی کوریا میں متحدہ اقوام کے جھنڈے کے نیچے بہیمانہ بم باری کر رہا ہے اسے بند کیا جائے۔

۶۔ جو وحشیانہ مظالم ہماری طرف کے جنگی قیدیوں کے بجبر حراست میں رکھنے کی خاطر کئے جا رہے ہیں۔ فوراً بند کئے جائیں۔ ہماری طرف کے جنگی قیدیوں کے ساتھ غیر انسانی برتاؤ۔ ان کا قتلِ عام اور وہ انسانیت سوز ہیبت جو جنوبی کوریا کے جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں طاری ہے فوراً ختم ہو۔

۷۔ امریکہ کے جنگی مجرموں کو بین الاقوامی معیاروں اور انسانی ضمیر کے تقاضوں کے مطابق سخت سزا دی جائے تاکہ یہ امریکہ کے جنگی مجرم اس طرح کے انسانیت سوز جرائم پھر نہ کر سکیں جنھوں نے کہ اخلاقِ انسانی اور بین الاقوامی قانون کو پیروں تلے روند کر غیر قانونی اسلحے جراثیمی اور کیمیاوی اور دوسرے قتلِ عام کے طریقے کوریا کی امن پسند آبادی کو ختم کرنے کے لئے استعمال کئے ہیں

اگر یہ منصفانہ تجویزیں جن سے کوریا کے سارے عوام اور سارے امن پسند انسانوں کی دلی اُمیدیں وابستہ ہیں اقوامِ متحدہ کی اکثریت نے رد کر دیں تو کوریا کی جنگ کے طول پکڑنے کی ذمہ داری انجمن اقوام متحدہ کے ان ملکوں پر ہوگی جو امریکہ کی کوریا میں جارحانہ پالیسی کی علانیہ یا پوشیدہ طور پر حمایت کرتے ہیں۔

میں آپ سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ اس بیان کو انجمن اقوام متحدہ کی تمام ممبر قوموں میں تقسیم کر دیں۔

جنابِ صدر میری طرف سے انتہائی ادب اور لحاظ کے جذبات قبول کیجئے۔

پاک ہین ین

وزیرِ خارجہ کوریائی عوامی جمہوری ری پبلک

نیونگ یانگ مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۵۲ء

اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ساتویں اجلاس میں

پولینڈ کے وفد کی پیش کی ہوئی تجویز کا مسودہ

۱۷ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو جنرل اسمبلی کے ایک عام اجلاس میں پولینڈ کے وفد کے سردار ایس۔ سکارزنسکی نے جنگ کے خطرے کو دور کرنے اور امن کو مضبوط کرنے کے سوال پر مندرجہ ذیل تجویز بحث کے لئے پیش کی۔

ایک عالمی جنگ کے خطرے کو دُور کرنے کیلئے

اور مختلف اقوام کے درمیان امن اور دوستانہ اشتراکِ عمل کو ترقی دینے کیلئے

اول یہ کہ جنرل اسمبلی اس امر کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کہ کوریا کی جنگ کا اب یہ تیسرا سال ہے اور یہ سخت آفات و تکالیف کا باعث ہو رہی ہے۔ کوریا میں محارب فریقین سے سفارش کرتی ہے کہ:۔

(الف) دونوں فریق زمین و سمندر اور ہوا میں جنگ و جدل فوراً بند کر دیں۔

(ب) بین الاقوامی معیاروں کے مطابق سارے جنگی قیدیوں کو دونوں فریق ان کے ملکوں کو واپس کر دیں۔

(ج) غیر ملکی فوجیں۔ جن میں چینی رضاکار دستے شامل ہیں کوریا سے دو تین مہینے کے اندر واپس بلالی جائیں۔ اور کوریا کا مسئلہ اتحادِ کوریا کے نصب العین کو سامنے رکھتے ہوئے جسے کوریا کے عوام خود عمل میں لائیں ایک ایسے کمیشن کی نگرانی میں حل کیا جائے جن میں متعلق فریقین کے علاوہ دوسرے ملکوں کے نمائندے بھی منجملہ ان ممالک کے جنھوں نے

کوریا کی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ شامل ہوں۔

دوم یہ کہ ایک اور عالمی جنگ کے خطرے کو دور کرنے کی غرض سے جنرل اسمبلی

(الف) امریکہ۔ سوویت یونین۔ برطانیہ۔ فرانس اور چین کی حکومتوں سے (جو سلامتی کونسل کے مستقل ممبر ہیں) سفارش کرتی ہے کہ ایک سال کے اندر وہ اپنی مسلح فوجوں کو بشمول فضائی۔ بحری اور امدادی افواج کو بقدر ایک تہائی کم کر دیں اور اپنے اسلحہ جات کے بارے میں مکمل اطلاع دیں۔ جنرل اسمبلی سلامتی کونسل سے یہ بھی سفارش کرتی ہے کہ جلد از جلد ایک بین الاقوامی کانفرنس بلائے تاکہ اور تمام حکومتوں کی مسلح فوجوں کی تعداد کم کی جا سکے۔

(ب) اس بات کے فوری فیصلے کی مانگ کرتی ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں اور قتل عام کے دوسرے ہتھیاروں کا استعمال قطعی ممنوع کر دیا جائے۔ اور سب حکومتوں سے اس فیصلے کی پابندی کرانے کے لئے سخت بین الاقوامی محاسبہ کا انتظام ہو۔

(ج) تمام ان حکومتوں سے جنھوں نے ۱۷ جون ۱۹۲۵ء کے میثاق جنیوا پر دستخط نہیں کئے۔ جن سے جراثیمی ہتھیاروں کا استعمال ممنوع ہے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس میثاق کو قبول کر لیں یا اس کی تصدیق کریں۔

سوم یہ کہ جنرل اسمبلی اعلان کرتی ہے کہ جارحانہ شمالی اطلانٹک گٹ کی ممبری جس سے ملکوں کی اسلحہ بندی اور بین الاقوامی تناؤ دن بدن بڑھتا ہے انجمن اقوام متحدہ کی ممبری کے مقاصد سے میل نہیں کھاتی۔ جنرل اسمبلی امریکہ۔ سوویت یونین۔ برطانیہ۔ فرانس اور چین سے اپیل کرتی ہے کہ وہ ایک معاہدۂ امن کریں جس سے بڑی طاقتوں کی اسلحہ بندی کم ہو اور ملکوں کے درمیان امن کو ترقی ہو۔

جنرل اسمبلی تمام دوسری ریاستوں سے بھی اپیل کرتی ہے کہ وہ بھی اس معاہدۂ امن کو منظور کریں۔
